

سائنس کے عظیم مرصعا میں

ترجمہ: شہزاد احمد

فرانسس بیکن • ولیم جیمز • ایچ جی ویلز • فرانز

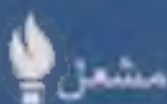
برٹرنڈ رسل • لی • ایچ ہکسلے

جی کے چسٹرٹن • کارل ساگان • آئزک ایسی موف

اورٹیگا گاسٹ • جان پروز • ریچل کارمن

فری مین ڈالئی سن • لوئس نامس

سیفین حرے گولڈ



سائنس کے عظیم مضامین

تالیف: مارٹن گارڈنر
اردو ترجمہ: شہزاد احمد

مشعل بکس

آر بی۔ ۵، سیکنڈ فلور، عوامی کپیسٹس، عثمان آباد، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۵
لاہور۔ 54800 پاکستان

سائنس کے عظیم مضامین

تالیف: مارٹن گارڈنر
اور ترجمہ: شہزاد احمد

کاپی رائٹ © ۱۹۷۷ مشعل بکس
کاپی رائٹ انگریزی © مارٹن گارڈنر

ناشر: مشعل بکس
آر پی ۵ 'سینٹر فلور'
عوامی سہیلیس 'عنان بلاک' نیوکارڈن ٹاؤن
لاہور ۵۴۶۰۰ پاکستان
فون و فیکس ۵۵۸۶۶۵۳-۰۴۲

ایک سفید قلم مخص نے ریت پر ایک چھوٹا سا دائرہ بنایا اور
 سرخ قلم مخص سے کہا: "یہ وہ ہے جو (ریڈ) انڈین جانتے
 ہیں" پھر چھوٹے دائرے کے گرد ایک بڑا دائرہ بنایا اور کہا "یہ وہ
 ہے جو سفید قلم لوگ جانتے ہیں۔" ریڈ انڈین نے اس کی چٹری
 پکڑی اور دونوں دائروں کے گرد ایک بہت بڑا دائرہ کھینچ دیا اور
 کہا "یہ وہ ہے جس کے بارے میں سفید قلم لوگ اور سرخ قلم
 لوگ دونوں ہی کچھ نہیں جانتے۔"

کارل سینڈبرگ

Carl Sandburg

فہرست

ابتدائیہ
فرانسس میکن
سٹیکس
سٹیکس ہے کولڈ
اخلاق سے مبرا اظہر

ولیم جیمز
وجود کا مسئلہ
گلبرتھ کیتھ چرٹن
پریوں کے گھر کی منطق
کارل ساگاں

کیا ہم کائنات کو جان سکتے ہیں
نک کے ایک دانے کے بارے میں کچھ خیالات
ہونے اور جیگا گاسیت
تخصیص کاری کی برہمیت

جان بروڈ
سائنس اور ادب
آنزک ایسی سوف
سائنس اور خوبصورتی
رینکل کارن

پے سونج سندھ
ایچ جی ویلز

توانائی کا ایک نیا ماخذ
 سنگھڑے فراہم
 پیارے لوگوں کی موت کے خواب
 ہرگز نہ رسل
 ہمیں سائنس سے محفوظ رکھنے والی سائنس
 غریبین کی سہولت
 سائنس دان بطور باغی
 کوئیس جاسوس
 سائنس کی تہات

ابتدائی

نٹھن نے اپنے لیے سائنس دان کا لفظ کبھی استعمال نہیں کیا وہ ہمیشہ اپنے آپ کو نچرل فلاسفر ہی کہتا رہا۔ اس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ یہ لفظ اس زمانے میں ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا جن معنوں میں اب استعمال ہوتا ہے۔ اور اب بھی اس لفظ کے ساتھ جو افلاز مے بنائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر منفی اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ خصوصاً ہمارے معاشرے میں جہاں سائنس کو زندہ موضوع کے طور پر کبھی قبول نہیں کیا گیا۔ جو طلباء سائنس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں سائنس کے نام پر بہتر نوکری ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ سائنس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی اچھی سی نوکری انتظامیہ میں مل جائے اور تحقیق اور تدریس کا کام نہ کرنا پڑے۔ تحقیق و تدریس کی طرف عام طور پر وہ لوگ آتے ہیں جن کے پاس کرنے کو کچھ اور نہیں ہوتا۔ سائنس ہمارے اکثر طلباء کے لیے آخری انتخاب ہے۔ پھر سائنس پڑھانے والے اساتذہ چونکہ ایسے ہیں جو سائنس میں بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں لہذا وہ طلباء کے اندر بھی صحیح ذوق و شوق پیدا نہیں کر سکتے۔ یونیورسٹیوں میں عملی تحقیقی کام خال خال ہی کیا جاتا ہے۔ جو ادارے سائنس کے نام پر قائم کیے گئے ہیں ان میں بھی ایک بے دلی کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ایک زمانے تک ہم سائنس کی مخالفت مذہبی بنیادوں پر بھی کرتے رہے ہیں حالانکہ بقول ڈاکٹر عبد السلام سائنس کا کوئی بھی نظریہ یا دریافت ایسی نہیں ہے جو ہمارے قرآنی معتقدات کے خلاف ہو۔ لہذا یہ ساری کی ساری دھوئیں کی دیوار ایک غلط فہمی کی بنا پر بن گئی ہے اور پھر کوئی تازہ ہوا کا جھوٹا ایسا نہیں آیا جو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے آگے

کل جائے۔ سیاست دان اور نوکر شاہی دونوں ہی سائنس کی فراہم کردہ سہولتوں سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں مگر یہ کوشش کبھی نہیں کرتے کہ اس کا کچھ فائدہ ہم ملک یا قوم کے طور پر بھی اٹھا سکیں۔ ہم محض اس لیے پسماندہ ہیں کہ ہم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی نہیں دی۔ اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں مگر یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس کے بغیر ہم کبھی ترقی یافتہ قوم نہیں بن پائیں گے۔

ہمارا ہمسایہ ملک بھارت سائنس کی اہمیت کو ہم سے کہیں زیادہ بہتر طور پر سمجھتا ہے لہذا وہاں یہ شعور موجود ہے کہ انہیں غربت دور کرنی ہے اور دنیا کی خوشحال قوموں میں شمار ہونا ہے مگر ہم ابھی تک اپنی کمزری سے باہر جھانکنے کے لیے تیار نہیں۔

سائنس ہمارا ثقافتی اور دینی ورثہ بھی ہے۔ فردین دسلی کے دوران ہم نے اس شیخ کو فرداں رکھا تھا۔ اسی وجہ سے یہ علوم اب پھل پھول رہے ہیں۔ مسلمانوں نے انڈیٹریو (Inductive) طریق کار کو پہلی بار صحیح اہمیت دی تھی اور اب اسی رویے کے باعث سائنس وہ کچھ ہے جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔

سائنس نے اپنی تک و دو میں جہاں بڑے بڑے تجربات کیے ہیں مختلف چیزیں بنائی ہیں وہاں کچھ سائنسی ادب بھی تخلیق کیا ہے۔ اور یہ ادب اس قابل ہے کہ اسے ہر لحاظ سے دوسرے موضوعات پر لکھی جانے والی تحریروں کے مقابلے میں اعلیٰ مقام دیا جاسکے۔ موجودہ کتاب زیادہ تر ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مارٹن گارڈنر (Martin Gardner) نے اپنی کتاب Great Essays in Science میں منتخب کیے ہیں۔ اس کتاب میں کل تین درجن مضامین شامل ہیں، ان میں سے ہم نے 13 مضامین چنے ہیں اور ایک اضافی مضمون بھی شامل کیا ہے۔ ان مضامین کا انتخاب کرتے وقت یہ طوطا نظر رکھا گیا ہے کہ یہ مضامین کسی نہ کسی حوالے سے ہمارے لیے دلچسپی کے حامل ہوں خواہ اس کی وجہ ان کا موضوع ہو یا مصنف کی ہمارے معاشرے میں مقبولیت ہو۔ یہ دھوکا تو نہیں کیا جاسکتا کہ سائنس کے اعلیٰ ترین مضامین یہی ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور موجود نہیں ہے مگر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے ہر مضمون ایسا ہے جو کئی لحاظ سے عظیم مضمون شمار ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کا بنیادی حوالہ آپ کی دلچسپی ہے ہم نے کوشش کی ہے ایسے مضامین پیش کیے جائیں جو آپ کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔ اس لیے زیادہ تر مضامین ایسے ہیں جو وسیعہ

اور خالص سائنس سے متعلق نہیں ہیں بلکہ زندگی کے تمام موضوعات سے متعلق ہیں مگر ان موضوعات کو ایک مختلف اور سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ دنیا کے سات عجائبات کے بارے میں مثال کے طور پر آپ جانتے ہیں مگر کچھ عجائبات خود زندگی کے اندر موجود ہیں۔ سلفینکس (Sphink) کی کہانی دنیا بھر کے ادب اور جدید نفسیات میں تحلیل نفسی کی بنیاد ہے۔ صورت میں کیا شے خوبصورت ہوتی ہے ایسا موضوع ہے جو آج تک مختلف حوالوں سے دلچسپی کا باعث ہے۔ کلچر ادب، خیر و شر، سندھ و جود، غرض بہت سے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ہم قارئین سے یہ توقع تو نہیں کرتے کہ وہ ان سب معاملات میں مصنفین سے اتفاق ہی کریں گے مگر یہ امید ضرور رکھتے ہیں وہ اختلاف کرتے وقت محض تعصبات تک محدود نہیں رہیں گے۔

سوائے ایک آدھ مضمون کے فلسفیانہ مباحث کو خاص طور پر نہیں پامیٹرا گیا۔ مگر ادب کے بعض موضوعات خاص طور پر زیر بحث لائے گئے ہیں ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ جدید سائنس فلسفے سے کہیں زیادہ شاعری کے قریب ہے۔ ہائیزن برگ کے اصول لاتیئن (Principle of Uncertainty) کی دریافت کے بعد سائنس شاعری اور تصوف کے بہت قریب آ گئی ہے مگر اس کے باوجود تینوں کے طریق کار الگ الگ ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ایک بات کہی جاسکتی ہے کہ چیزیں اپنی اعلیٰ ترین صورت میں ایک جیسی ہوتی ہیں امتیازات صرف محلی سطح پر محسوس کیے جاتے ہیں۔

ذاتی طور پر میری خواہش ہے کہ سائنس کے عظیم مضامین پر اردو میں بہت سی کتابیں موجود ہوں اور اس میں کچھ مضامین ایسے بھی ہوں۔ جو محلی بار اردو میں لکھے گئے ہوں، جیسے کہ ایک زمانے میں دنیا بھر کے علوم کی کثرت عربی زبان میں موجود تھی۔ مگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت کام کرنا پڑے گا اور ابھی تک ہم نے تو آغاز بھی نہیں کیا۔ بہت وقت گزر چکا ہے مگر دنیا ابھی اپنے انجام کو نہیں پہنچی۔ اب بھی آغاز کیا جاسکتا ہے جو سلسلے اور معمم ارادے کے ساتھ..... یاد رکھئے سائنس کبھی کسی کو مایوس نہیں لٹاتی مگر کئی بار صبر آزما ضرور ہو جاتی ہے۔ آپ تو جانتے ہیں خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

شہزاد احمد

فرانسس بیکن (Francis Bacon)

فرانسس بیکن (1581-1626) انگریز وکیل اور فلسفی تھا۔ 1582ء میں بار کا رکن بنا اور 1584ء میں رکن پارلیمنٹ ہوا۔ 1590ء میں اپنی سیاسی پیش قدمی کے لیے اس نے ارل آف ایس (Earl of Essex) ثانی سے دوستی کی مگر 1601ء میں اس نے اپنے محسن کے خلاف بغاوت کے مقدمے میں مخالفین کا ساتھ دیا۔ جہز اول کی حکومت میں (1603-25) بیکن کو خاص کامیابیاں حاصل ہوئیں، وہ انگلستان اور سکاٹ لینڈ کی یونین کا کثیر مقرر کیا گیا؟ (1604ء) رانی جیزل مقرر ہوا (1613ء) اور لارڈ چانسلر (1618ء) بنا۔ 1621ء میں الیٹ اس کو رشوت کے جرم میں ملوث پایا گیا اور چالیس ہزار پونڈ جرمانہ کیا گیا اور پارلیمنٹ اور سرکاری عہدے سے محذول کر دیا گیا۔

فرانسس بیکن کی شہرت کی وجہ اس کی فلسفیات اور ادبی تحریریں ہیں اس نے سترہویں صدی کے سائنسی فکر کو بھی خاصا متاثر کیا۔ 1597ء میں اس کے مضامین کا مجموعہ شائع ہوا جو سچائی، دوستی اور موت کے بارے میں تھا۔ اس طرح کی اور تحریریں 1625ء میں منظر عام پر آئیں۔ اس کی کتاب The Advancement of Learning میں اس نے علوم کی نئی جماعت بندی کی 1623ء میں ایک اور کتاب کے ذریعے اس کو مزید وسعت دی 1620ء میں اس کا Norum Organum Scientiarum میں یہ استدلال کیا کہ علم صرف تجربے ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس نے استقرائے (Induction) نظریہ کی حمایت کی اس نے ہماری

ہفتم کی ایک تاریخ بھی بتایا کی 1626ء میں اس سے New Atlantis لکھی جو مٹی
وہاں کو جان کرتی ہے۔

فلکس کے بارے میں اس کا مشہور مضمون اس کے فلسفیانہ ادبی اور سائنسی فکر کی
عائندگی کرتا ہے یہ ایک وقت میں سرحدوں کو چھوے والا ایک منطقہ ہے، اور اس میں
سائنس کے بارے میں یہ رویے کا ظہور ہوتا ہے جو بعد میں لکی سطحوں پر پناہ گیا تھا۔
فرانسس بیکن Viscount St. Albans 1st Baron Verulam بھی کہا جاتا ہے۔

مراسم

ایوالہول (The Sphinx)

سفنکس ایک ایب صغیریت، ہڈی تھی جس میں بہت سی عقلیں جمع ہو گئی تھیں اس کی شکل اور تہذیب و شیرازوں جیسی تھی ہڈیوں پر عرس کے اور پنچے سمرنگ جیسے تھے وہ تھی (Thebes) کے قریب ایک پہاڑی کے پٹے سے بھار پر رات تھی اور تمام راستوں پر نگاہ رکھتی تھی۔ وہ سمکھات لگاتی اور چانک راہ گیروں پر سد کر دیتی جسب وہ پوری طرح ان پر قابو پاتی تھی تو اس سے پریشان کر دینے والی پہلیوں پوچھنے کے لئے کہتی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ پہیلیاں سنوں سید کی ریویس (Muses) سے حاصل کی تھیں۔ مگر اس کے جنگل میں پھرا ہوا ہے چارہ قیدی خوری طور پر اس کا صحیح جواب نہ دے پاتا اور لہجہ ہوا نظر آتا تو وہ بڑے خاموش طریقے سے اس کے پڑے اڑا دیتی۔ یہ سلسلہ ایک عرصے سے جاری تھا۔ خاص بدت گر جانے کے بعد بھی اس آفت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تو تھیں کے مہنے والوں نے اعلان کیا کہ جو شخص اس کی پہیلیوں بوجھ سے گا اسے بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ (سی ایک طریقے سے اس کے ظلم سے نجات حاصل کی جا سکتی تھی) چونکہ یہ بہت بڑا اعزاز تھا اس لیے ایڈیپس (Oedipus) جو حکمت وال اور درہرہ مگر نکل کر چلتا تھا سفنکس کی شرائط مان کر جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو گیا۔ پھر اس نے خود کو بڑے عماد اور خوش دلی کے ساتھ سفنکس کے سامنے پیش کیا۔ سفنکس نے اس سے پوچھا کہ وہ کون سا جاندار ہے جو پیدائش کے وقت چار پاؤں (Four Footed) ہوتا ہے پھر دو پاؤں ہوتا ہے اس کے بعد سر پا ہوتا ہے اور آخر میں ایک پاؤں چار پاؤں ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی کسی تاخیر کے جواب دیا وہ

اسنا ہے جو اپنی پیدائش کے بعد بچپن میں چاروں ہاتھ پاؤں سے کھٹکتا ہے اور مشکل
رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ کچھ عیادت میں وہ چروں پر سیدھا کھڑ ہو جاتا ہے پھر بڑھاپے
میں چھری تھامے ہوئے جھک کر چلتا ہے اور یوں لگتا ہے گویا وہ تین چروں پر چل رہا ہے
اور پھر اپنی آخری عمر میں جب وہ بے حد بوڑھا ہو جاتا ہے صعب و ناتوانی اس پر طاری ہو
جاتی ہے اور قوت عطا کرے دے ہر جتنے سوکھ جاتے ہیں تو وہ پھر سے چر پادہ بننے کی
دست میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اپنے حشر سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ یہ خواب بالکل
درست تھا اس جو ب کی وجہ سے اسے فتح حاصل ہوئی۔ اس نے سٹیکس کو قتل کر دیا اور اس
کی لاش گدھے پر باندھ کر لے گیا۔ وہ میں آگے بڑھا آخر سے معادے کے مطابق تعمیر کا
ہوشا بننا پڑ گیا۔

یہ بہت شاندار حکایت ہے حکمتِ دلی بھی ہے ظاہر ہے کہ یہ اس لیے ایجاد کی گئی کہ
سائنس کا استعارہ بیان ہو سکے اس کا طلاقِ حاص طور پہ عملی زندگی پر ہوتا ہے۔ سائنس
جادوؤں اور بے خبروں کے لیے گھوڑا ہے اس کو بے وقوفی سے طریت نہیں کہا جانا چاہیے
شماریات میں اور دیگر مختلف شعبوں میں سے بہت سے چروں والا ظاہر کیا جاتا ہے کیونکہ
استعاراتی طور پر اس کا تعلق بے شمار معاملات سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا چہرہ اور سوار
محروم نہی ہے اور جو بصورتی اور بیجا یہ ظہار میں وہ نہایت کھیتی ہے پردوں جیسے
باروؤں کا ضد اس لیے کیا گیا ہے کہ سائنس و سائنس کی دریافتیں فوراً ہی تکمیل جاتی
ہیں گویا نہ جاتی ہیں۔ علم کی تسیل اس طرح ہے جیسے ایک موسمِ بقی سے دوسری موسمِ بقی جلائی
جاتی ہے اور فوراً ہی جل اٹھتی ہے۔ تیز درمڑے ہوئے پتے جو اس کے ساتھ لگا دیے گئے
ہیں بہت مرغوب کرے والے ہیں، یہ اس لیے کہ سائنس کے کلیے (Axioms) اور استدلال
اس میں تو جاسے والے ہیں۔ دروہوں کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ جب ایک بار وہ
اس میں اتر جائیں تو پھر ان سے فرار یا گریز نہیں ہوتا یہ وہ نکتہ ہے جو مقدس فلسفی کے
علم میں بھی حاصل طور پر ہوتا ہے دانشمند کے اتفاقاً مہیر کی طرح ہوتے ہیں یا پھر کمال کی
طرح جو دور تک اندر کھپا ہوا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ علم کے بارے میں یہ سمجھنا چاہیے کہ
اس کا مقام کسی اونچی پہاڑی پر ہی ہوگا وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کا حشرم پر جمال
اور پے شکوہ شے کے طور پر یا جائے جو ایک پر وقار بلندی سے جہالت پر حقارت کی نظر ڈالتا

ہے اور اس کے چاروں طرف بھٹے پھوٹے بہت گنجائش ہوتی ہے، یہی ہے جیسے پہاڑ کی چوٹیوں سے نہیں نظر آتی ہے۔ یہ بھی ہوا گیا ہے کہ علم راستوں کی نگہبانی کرتا ہے کیونکہ سفر کے ہر موڑ پر باسانی رہنمائی کے مقدس سر میں ایسے معاملات اور مواقع بہت آتے ہیں جب اپنے رویہ کو دیکھے اور اس پر غور کرے کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ سائنس دانوں سے کئی نوعیت کے مشکل سوالات کرتے ہیں اور یہ پھر ان کو فلوں کی دیوہوں کی طرف سے موصول ہوتے ہیں۔ یہ سوالات جب تک دیوہوں کے پاس پہنچے ہیں شاید ان میں کسی طرح کی کوئی سفاکی موجود نہیں ہوتی جب تک اس کا مقصد محض اس قدر ہو کہ ان پر غور کرنا اور ان کو مطالعہ میں دانا محض جسے کی حد تک ہے تو یہی فہم پر روز پڑتا ہے اور نہ ہی سے سیدھا اور صاف کرے کی ضرورت پیش آتی ہے یہی کافی ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ آوارہ خیالی کریں جائے یا تھوڑی بہت تشریح ہو جائے اس صورت حال میں نتائج حاصل ہوتا ضروری نہیں البتہ انتخاب کرے کے لیے مواد بہت ہوتا ہے جس سے حوشی اور الجھنا حاصل کیا جاسکتا ہے، لیکن جب یہ مواد یونی سے سائنس کے پاس آ جاتا ہے تو گویا فکر عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس کے ساتھ ہی فوری عملی انتخاب اور فیصلے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے یہ گویا تکلیف اور سفاکی کا آغاز ہے اور جب تک ان کا حل تلاش کر کے ان سے گلو خلاصہ نہ کریں جائے دو عجیب طریقے سے ان کو پریشان میں جتا رکھتے ہیں، کبھی ایک طرف کھینچتے ہیں کبھی دوسری طرف اور یوں انسان کے پڑے اڑا دیتے ہیں پھر یہ بھی ہے کہ سائنس کی پیہیاں اپنے ساتھ دوسری مستحیث رکھتی ہیں پریشان خیالی اور دس آر دی اس صورت میں بنے جب آپ سے حل نہ کر سکیں اور اگر آپ کامیاب ہو جائیں تو ایک بھری بھری سلطنت مل جاتی ہے جو پے مضمون پر پوری طرح عادی ہے ہر کارکن اپنے کام کا بادشاہ ہے۔

سائنس کی پیہیاں جھوٹی طور پر دو طرح کی ہوتی ہیں ایک کا تعلق اشیاء کی مابیت (Nature) کے ساتھ ہے، دوسری کا رشتہ طہرت انسان کے ساتھ ہے اس طرح ان پیہیوں کو حل کرے کی صورت میں دو طرح کی سلطنتیں عام میں پیش کی جاتی ہیں ایک کا تعلق طہرت کے ساتھ ہے اور دوسری کا انسان کے ساتھ جب قدرتی اشیاء پر قابو پالیا جاتا ہے جیسے اجسام روایت میکانیکی قوانین اور اس طرح کی لائقانی چیزیں یہ قدرتی (Natural)

قلعے کا ماحول اور حتیٰ مقصد ہے مگر وہ فلسفہ بس کا تعلق نہیں کے مسلک سے ہے تو جو کچھ اسے حاصل ہوتا ہے وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اس بارے میں مٹی چوڑی یا تھیں شروع کر دیتا ہے اور اس عمل میں یہ شرموش کر دیتا ہے کہ سے تعلق اور انعام کے بارے میں تحقیق بھی کرتی ہے جو پہلے یلہ کی جس سے پوچھی گئی تھی اور جسے پوچھ کر وہ تھیں کا بادشاہ بنا تھا اس کا تعلق انسان کی فطرت سے ہے مگر کون شخص انسان کی فطرت سے پوری آگاہی رکھتا جو تو پھر وہ اپنی قسمت اپنی مرضی کے مطابق بنا سکتا ہے وہ گویا پیدائشی طور پر سہولت کا قدر ہے جیسا کہ وہ انہوں کے فنون کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

کیا تم وہ سنو؟

سے دوم، جو ایک ظلم کے ذریعے قوم پر حکومت کرتا ہے

اور جانتا ہے کہ کسی کو پھونکا ہے اور کسی کو گھبراتا ہے

اور کسی طرح دنیا کے اعمال کا قیمل کرتا ہے

اور شاید ہی جب سے یہ حسن اتفاق تھا کہ میرے "سکس" (Caesar Augustus) نے جہاں بوجھ کر یا اتفاق سے "سکس" کو اپنی مہر سے پہنچا۔ دو یحییٰ طور پر بہت سے کاموں کا بہت بڑا مہر تھا اس جیب شاید کوئی اور نہیں تھا اور اس سے اپنی مددگی میں فطرت انسان کے بارے میں بہت سے مہرے کامیاب سے مل کیے تھے، اور مگر وہ اس کو چاہندہ سے فوراً مل نہ کر لیتا، تو وہ کئی بارنا گزیر ضرور میں گھر کر جاتی سے ہٹتا رہا ہو سکتا تھا۔ حکایت میں یہ بات بھی بہت خوبصورتی سے بیان کی گئی ہے کہ جب "سکس" کو بارگر یا گیا تو پھر اس کی لاش گدھے کی پیٹھ پر رکھی گئی۔ یہ بات اس کہانی کی سب سے دلچسپ اور ناگزیر بات ہے۔ سے ایک بار مجھ لیا جائے اور سے وہ سے میں پھیلا دیا جائے تو یہ بات اس کی سمجھ میں بھی نہ جاتی ہے جو بہت کم عقل ہیں اس کے کچھ اور نکات بھی ہیں جس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ "سکس" کو قابو کرے والے تکرر تھا اور اس کا پاؤں پھر "Club foot" تھا، وہ یہ ہے کہ انسان عام طور پر بہت جلدی میں ہوتے ہیں وہ اس قدر تیز رفتار ہوتے ہیں کہ اس کے پاس "سکس" کی پہلی بوجھنے کا وقت ہی نہیں ہوتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "سکس" جیت جاتی ہے، بجائے اس کے کہ کام در اعمال سے حکمرانی حاصل کی جائے وہ صرف پہلے رہیں کو پریشان کرتے ہیں اور مباحث میں الجھ جاتے ہیں۔

سٹیفن جے گولڈ (Stephen Jay Gould)

سٹیفن جے گولڈ یارک شہر میں پیدا ہوا، اس نے گریجویٹن اعلیٰ اسکول سے بی اے اور کولمبیا یونیورسٹی سے 1967ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اس وقت سے وہ ہارورڈ یونیورسٹی کی فیکلٹی میں کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بیادین طور پر قدیم حیاتیات دان (Paleontologist) اور ارتقائی ماہر حیاتیات مانتا ہے مگر وہ ارضیات (Geology) اور تاریخ سائنس پڑھاتا ہے اسے سائنس کے موضوعات پر مقبول خطیب سمجھا جاتا ہے، اس نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ اس کی ایک کتاب The Mismeasures of Man پر سے پینٹل جک سکی نکس (Cnicus) سرکل ایوارڈ برائے 1982ء دیا گیا اس کے مضامین کے چار مجموعے شائع ہوئے ہیں۔

Ever since Darwin – Reflections in Natural History The Panda's Thumb
More Reflections in Natural History

اس آخری کتاب پر اسے 1981ء میں امریکن بک ایوارڈ آف ماسٹری دیا گیا۔ ان کتابوں کے علاوہ بھی اس کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں An unchained Storm خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

سٹیفن جی گوڈ

اخلاق سے مبرا فطرت

جب قائل احترام عزت نامہ فرانس بشری ادب آف بریج وائٹ فروری 1829ء میں فوت ہوا تو اس سے 8000 پونڈ اس مقصد کے لیے چھوڑے کہ حد کی قوت، حکمت، و رحمت اللہ تعالیٰ کے اندر کسی طرح ظہار پاتے ہیں۔ دیم مک بکنڈ (William Buckland) جو انگلستان کا پہلا سرکاری مصابہاہر (Geologist) تھا، اور بعد میں ویسٹ منسٹر (Westminster) کا ڈپٹی مقرر ہو اس بات پر ماسود کیا گیا کہ وہ بریج وائٹ کی کتابوں میں سے ایک کتاب سمیع کرے اس کتاب میں اس سے ڈپٹی طور پر پریشاں کر دیئے گئے جس مسئلہ کو پیچھا وہ تھا پھر دینیات (Theology) اگر خدا مہربان ہے اور تخلیق اس کی قوت، حکمت، اور رحمت کو ظاہر کرتی ہے تو پھر ہم درد اور تکلیف میں گھرے ہوئے کیوں ہیں اور وضع طور پر جانوروں کی دنیا اس قدر بے اختیار ظلم کا نشانہ کیوں بنی ہوئی ہے؟

بک بینڈ سے اس بات پر غور کیا کہ گوشت خور پستانی جانوروں (Carnivorous) کی نسلیں اس قدر عارت گہری کیوں کرتی ہیں، یہ اس کے خیال میں مثالی دنیا کے لیے ایک پیادہ پہلچ تھا جس میں شیر اور بکری کو یک گھاٹ پر پانی پینا چاہیے تھا۔ اس سے اس سوال کا برعم جو، تسلی بخش جواب اس جوہر کے ساتھ فراہم کیا کہ گوشت خور ممال (Mammal) مجموعی طور پر جانوروں کی سوئی میں صاف کرتے ہیں اور ان کی تکلیف میں کمی کرتے ہیں

شکار ہوئے دے جانو کی موت بہت جلد واقع ہو جاتی ہے اور مقابلہ بہت ہی کم تکلیف دہ ہوتی ہے۔ مشکوں، مینگوں اور بڑھاپے کی تکالیف درازتوں سے بچ جاتا ہے اور زیادہ آبادی کی وجہ سے ان کی خوراک میں کوئی کمی نہیں آتی، کیونکہ گر ایسا ہو تو یہ ساری سوانح پریشانی کا شکار ہو جائے۔ خدا کو معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے، حامل طور پر اس وقت جب اس سے شیر دیا تھا۔ بک لینڈ سے کتاب کے آخری حصے میں اپنی خوشی و راسخا کو چھپانے کی بھی کوشش نہیں کی۔

”مکیشٹ طور پستانی جانوروں کے اریجے کسی کا اپنی موت تک پہنچتا اور اسے جانوروں کی سیرنگی کا مسموں کے مطابق انجام سمجھ جاتا گن ہے کہ مجموعی طور پر جم و مہرانی ہی کے اعتبار کا نتیجہ ہے اس کی وجہ سے ہمہ گیر موت کی اذیتوں کی کل تعداد میں حامل تکالیف مہیا ہو جاتی ہیں۔ یہ اس ظن کو پاتی ہے اور پتاری کی، کس پیری کی حالت کو نہ نہ تخلیق کی لاجوں میں سے کم کر دیتی ہے اور اس سے حاجاتی لگاؤ اور طویل روال عمر کی تاخیر واریوں میں بھی کمی آتی ہے اور اس کے علاوہ اس کی وجہ سے آہری بھی ہے بھیم طور پر بڑھنے سے رک جاتی ہے اور اس میں آبادی اور خوراک کی فراہمی میں پیدا ہونے والا مستقل تناسب پورا ہوتا ہے جو رہبر اور طلب کے درمیان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ زمین کی سطح اور پانی کی گہرائیوں سے شمار زدہ مخلوقات سے بھری رانی ہیں ان مخلوقات کی زندگی کی سرسختی اپنے وقت کے ساتھ پوری صلاحیت رکھتی ہیں اور وہ وجود کے اس مختصر سے دن میں جو ان کو مہیا کیا گیا ہے ان نکال کی سرسختوں کو پوری طرح فراہم کر دیتی ہیں، جن کے لیے ان کو تخلیق کیا گیا ہے۔

اب جب ہم بک لینڈ کے استدلال پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو فریب مسکرائے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ مگر اس طرح کے استدلال تھے، جو بک لینڈ کے رماے میں اس کے ہم عصر دانشور شر کے مسائل کے مسئلے میں دیا کرتے تھے، یہ کیسے ممکن ہے کہ مہریان اور رتہ کرے وال حد کون سی دیا تخلیق کرے، جو خور ویری اور قتل عام سے بھری ہوئی جو مہر ان سب استدلال کے باوجود ایسا ہو نہیں پایا کہ مسئلہ شر کے تمام پیلوؤں کو مکمل

طور پر ختم کیا جا سکا بڑا قدرت کے اندر سے بہت سے مظاہر موجود ہیں جو محض خوردی تک محدود نہیں ہیں جو ایک جانور دوسرے جانور کو کھانے کے لیے حمل میں لاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ سب سے زیادہ پریشانی پیدا کر سہ والی چیز جو انسان کے اندر انگل (Parasite) کا ہونا ہے جو بہت آہستہ آہستہ زہری سے میزبان کی تحریک کاری کرتے ہیں۔ مثلاً قوت ہاضمہ کا آہستہ زہر چانا اور پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اندر ہی سے کھاتے چلے جاتا۔ میرے پاس اس امر کی اس کے سوا کوئی تفریح نہیں ہے کہ انٹر (Aeno) جو ایک قوت متحیلہ سے عادی اور تیسرے درجے کی فلم تھی اور فارمولا وحشت (Horror) پیش کرتی تھی وہ اس قدر منہوں کیسے ہوئی۔ اس کے منظر میں یہ دکھا دیا گیا تھا کہ مسٹر الان ایک انسان جسم سے جو میزبان بنے ایک ہی ساخت کس طرح برآمد کرتا ہے یہ منظر بیمار کر دیے وال بھی تھا اور جہاں کر دیے والا بھی۔ ہمارے ایسویں صدی کے اسراف بھی اسی طرح کے جدہات رکھتے تھے ان کا عقلم چیلنج خدا کا محض سبب رحمان اور رحیم ہونا نہیں تھا کہ ایک جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم تیز تر دماغ جانوں کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ہم جو ایسے ہی دماغ خائے بنائے کو ترجیح دیتے ہیں مگر جیرو سائنٹ سے واقع ہوئے والی بد نظمی اور بات ہے۔ اس سلسلے کا فلاسفی نمبر (case) کو تمام عقلم قدرت پسندوں سے بنایا تھا۔ وہ موش فرعون (Ichneumonidae) بھی تھی۔ چنانچہ بک بند سے سب سے بڑے رانی نکتے کو حمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔

موشی فرعون بھی جس نے قدرت پسند دینیات۔ لوں میں تناؤ بنگاہ کھڑ کر دیا تھا وہ ایک مرکبی (Composite) حقوق ہے جو یک بہت بڑے قہیپے کی عادت کا مجموعہ ہے حمل میں موش فرعون (Ichneumonidae) نکلی نہیں ہے بلکہ بھڑیا (Wasp) کا ایک گروہ ہے جس میں نوع کی تعداد ریڑھ کی ہڈی والے جانوروں کی تمام اقسام کے مجموعے سے بھی زیادہ ہے۔ (کنڈور، چوینٹوب Anas اور شہد کی مکیدوں (Bees) کے شکاری پروان Hymanoptera گروہ سے تعلق رکھتی ہیں ان کے دو پر (Wings) ہوتے ہیں مگر زہور کے چار پر ہوتے ہیں اور ان کا تعلق دو پر والے حشرات (Diptera) سے ہے، اس کے علاوہ بہت سی متعلق زہور یا واسپ پر مطلق جتنی عادت والی کا ذکر بھی اس حیثیت ناکی (Grub) والی تفصیل میں ہوتا ہے لہذا یہ کہاں محض ایک سچ (Aberrent) نام ہی کو موٹ نہیں کرتی (وہ

تو بچ لگتا ہے کہ شیطان کے چنگل سے آزاد ہوئے وے بے راہرو ہیں (وہ ہیں بھی
پتنگروں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں۔ وہ تکی زیادہ تعداد میں ہیں کہ صرف خداوند علی ان کو
پیدا کر سکا تھا۔

موٹ فرعون عام طور پر بھڑوں کی طرح "نر اور زندگی گزارتی ہے اور یہ زندگی بلوغت
تک جاری رہتی ہے مگر پسے روپ یا (Larva) کیلچ پر آئے کے بعد ان کی زندگی پورا
سائیت کی زندگی ہو جاتی ہے وہ دوسرے جانوروں کے جسم سے اپنی حوراک حاصل کرتے
ہیں اور تفریباً ہمیشہ انی یہ رکاب رہا کے اپنے پتوں (Phylum) پر موجود ہوتے ہیں۔ معص
پایلا (Athropoda) کہا جاتا ہے۔ عام طور پر ان کا نشانہ بننے والے صرف یا قتل کا لارو
(Caterpillars) ہوتے ہیں ان میں قتل اور پرو شدرہوں کا ال رو حاصل طور پر شامل ہوتا ہے
مگر بعض موٹ فرعون روکھ جون (Aphid)، اور کڑی (Spider) کو قوت دیتے ہیں زیادہ
میز ہاں تو لارو ان کی حاست میں شکار ہو جاتے ہیں مگر کچھ پانوں پر بھی حملہ کیا جاتا ہے اور
کچھ نمبے سے موٹ فرعون پنا جھوں طفرہ (Brood) اپنے میر ہاں کے غروں میں واسطہ
طور پر انجکٹ (Inject) کر دیتے ہیں

انہوں سے "سے دانی مادہ مناسب میز ہاں تلاش کرتی ہے اور پھر اس کو پتہ بچوں
کے بے حوراک کی فیکشن بنا دیتی ہے۔ طفیلیات (Parasitology) کے ماہر مدون طفیلیات
(Ectoparasitism) کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جب میں جانا مہماں ہے میزبان کی بیرونی سطح پر
رہتی گزارتا ہے اور غرونی طفیلیات (Endoparasitism) جب وہ غروں طور پر رہائش
اعتیار کرتا ہے۔ بیرونی طفیلیات دے موٹ فرعون باغ مادہ اپنے میزبان کے عضو وعضو
ریری (Ovipositor) میں پنے انڈے داخل کر دیتی ہے (عضو وعضو ریری ایک پتلی کی ہاں
ہوتی ہے جو ریور کے عقبی حصے تک چلی جاتی ہے۔ وہ بھڑ کے جسم سے کئی گنا بھی ہو سکتی
ہے) عام طور پر میزبان کسی در سبب سے کسی طرح کی پریشانی بھی محسوس نہیں کرتا حتی کہ
انڈے سے کام موسم آ جاتا ہے اور موٹ فرعون لارو غرونی کھدائی کا تکلیف وہ کام شروع
کر دیتا ہے۔ بیرونی طفیلیات میں مادہ بلا واسطہ طور پر میزبان کے جسم پر انڈے دے دیتی
ہے۔ چونکہ فعال میزبان ان انڈوں کو آسان سے ادھر ادھر کر سکتا ہے۔ اس لیے عام طور پر
موٹ فرعون ماں نڈے دینے کے ساتھ ہی غرونی (Toxin) بھی انجکٹ کر دیتی ہے جو

کیرپیر یا کسی دوسرے شکار کو مفلوج (Paralyze) کر دیتی ہے۔ یہ فائدہ مستقل بھی ہو سکتا ہے۔ کیرپیر زندہ تو رہتا ہے مگر حرکت نہیں کر سکتا اس کے پیٹ میں اس کا مستقبل کا دشمن پھنسی طرح مفلوج ہوتا ہے اگلے سینے کا عمل جاری رہتا ہے اس لیے کیرپیر جھٹکے کھاتا رہتا ہے اس کا ارد اس کے بدن کو چرتا ہے اور پٹی رائج بھری دعوت کا اہتمام کرتا ہے۔

چونکہ ایک مرد اور روال پتیر کیرپیر داسپ کے لاروا کے لیے زیادہ مفید نہ ہو سکتا انفرادہ اس طریقے سے کھاتا ہے کہ ہم اپنی آدم مرکز (Anthropocentrio) مگر ناموروں توجہ میں یہ یاد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ انگریزوں سے قدیم مائے میں بدعات کے لیے یا مقرر کر رکھی تھی کہ وہ اپنے مجرم کو ہر ممکن طریقے سے اذیت دیتے چلے جاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اذیت برداشت کرتا چلا جائے۔ بادشاہ کا مقرر کیا ہو جلاورس کی انتزایاں (Entreat) ہار نکالتا تھا اور پھر ان کو جلاتا تھا اس طرح موٹ فرعون چربی آلود جسم اور داسپ کے اعضا کو پیسے کھاتا ہے اور کیرپیر سے دل اور مرکزی اعصابی نظام کو جو لازمی اعضاء ہیں مفلوج رکھتا ہے۔ پھر آخر میں لاروا جب پتا کام پورا کر چکا ہے تو اپنے شکار کو مار دیتا ہے اور اس کے بعد صرف اس کا ڈھانچہ ہی ہائی چکا ہے کیا یہ دلی خیریت کی بات ہے کہ موٹ فرعون نہ سہا پہ ہیں۔ شیر ہیں مگر جب غریب رعیت موجود تھی تو قدرت کے رحم و کرم کے خلاف یہ ایک ربر دست چیلنج کی صورت اختیار کر سکتے تھے۔

موٹ فرعون کے بارے میں جو کچھ بیسویں اور بیسویں صدی میں شائع ہوا ہے پڑھنے کے بعد جو شے مجھے سب سے زیادہ دلچسپ لگی یہ تھی کہ دانشور نہ علم میں یہ فکر نظر آتی ہے کہ داسپ کو سالی خواہوں سے نہ دیکھا جائے اور وہ اون سے جو جنگلوں کی اونچوں کے خلاف ہیں وہ اذیت اور تخریب کاری جو انسان اپنے مفلوجوں اور غلست خوروں کے لیے استعمال کرتا ہے اسے اس سے بے دیکھا جائے ہم گویا اپنی ہی ساطیریں ساخت کے ثقافتی قصے میں الجھے ہوئے ہیں اور ہم اپنے ہندوئی تقابلی بیانات میں بھی اس کا عمل نہیں ہیں کہ ہم اپنی عام زبان میں بھی جنگ اور فتح کے علاوہ دوسرے متعارفوں میں بات کر سکیں اور بالآخر ہم بات کو ختم کرتے ہوئے کیرپیر پر رحم نہیں کھاتے ہم موٹ فرعون کی چابکدستی کے لیے رعب انسان ہوتے ہیں۔

میں زیادہ تر رزمیہ بیانات میں دو طرح کے رجحانات دیکھتا ہوں، شکار کی رہائی کے

یہ جدوجہد اور طفیلی کا سفاک طریقے سے پوری طرح قابو پا جانا مگر چہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سبھی کچھ محض ایک دیست (Instinct) ہے یا پھر طبیعی (Physiological) رد عمل ہے مگر اس کے باوجود ہم میزبان کی جدوجہد کا نقشہ پس کھینچتے ہیں گویا وہ ایک شعوری فعل ہے چنانچہ اس نقشہ میں کیڑا جڑ جو تھکے بیٹا ہے Aphids یا اس کی یہ جدوجہد کہ اس کی خصوصیت ریختی میں واسپ زبردستی داخل نہ ہو یا پادیا کے وٹور پر جب پاں ٹلس میں کیا رہیں *Apanteles Manchaerale* کا واسپ چابک صدر آؤ، رونے کے سے اپنے میں کرتا ہے اور اپنے آپ کو ایک رہنمائی تا کے ساتھ ہوا میں معلق کر دیتا ہے مگر اس کے باوجود واسپ اس پر چڑھ دوڑتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اس پر اپنے اٹھے دے ہی دیتا ہے۔ بعض میزبان یہ ہیئت بھی رکھتے ہیں کہ وہ اندر انجیکٹ ہونے والے غروں کو اپنے خون صلیب میں پیٹ میں اور اس عمل سے ان کو بڑھا کر انہیں سخت کر دیں اور یوں طفیلیوں کا گلا پوری طرح ٹھونٹ دیں۔

جے ایچ فے بے (J. H. Fabre) انیسویں صدی کے عظیم فرانسیسی ماہر حشرات (Entomologist) جو سب بھی حشرات کے بارے میں علم لئے والے اہم ترین تاریخ دان تصور کیے جاتے ہیں انہوں نے طفیلی واسپ کا خصوصی مطالعہ کیا تھا اور انہوں نے بڑے اندر طریقے سے مفلوج شکار کا مطالعہ دم مرکزی نقطہ سے کیا تھا (ملاحظہ کیجئے ان کی کتابیں *Wonders of Instinctful Insect Life* وہ ایک ایسے کیڑا جڑ کا ذکر کرتا ہے جسے پوری طرح مفلوج نہیں کیا گیا اور ہر ہارتی شدت سے مد قعت کرتا ہے کہ جب بھی کوئی طفیلی اس کے پاس آتا ہے تو واسپ لاروا کو خصوصی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس رہنمائی دھماکے سے منسلک کر دیتا ہے جو چھت پر بنے ہوئے اس کے بل سے نیچے نکلتا تھا اور پھر بڑے عطا طریقے سے کیڑا جڑ کے جسم کے کسی سے حصے پر تراتا تھا جو لویاں ہوتا تھا۔

جکی واسپ دھت کے کھانے کے سے دمر نیچے کیے کیڑا جڑوں میں سے کسی ایک کے پیٹ پر اترتے تھے۔ مگر کیڑا جڑ کے لکھم میں ذرا سی بھی جھش ہو جاتی تو لاروا وہیں ہو جاتا تھا۔ اور وہیں چھت کو پخت جاتا تھا جہاں شہر دی میس کا ہے قابو لکھم ان تک رسائی نہ پا سکتا تھا جب اس اور مکوں ہو جاتا وہ پھر نیچے

اُترتا (پچے رہتی دتی کے ذریعے) اور پھر تک آتا اور اس وقت اس کا سر پچے
 بھونچن (Mund) کی طرف ہوتا اور اس کا چھٹا صدر اُپلی طرف ہوتا تاکہ اگر
 ضرورت پڑے تو نو۔ پیٹ کے

ایک اور باب میں وہ ایک مفلوج جھینگڑ کی داستان کچھ یوں بیان کرتا ہے۔

جھنگڑ کو اس حالت میں دیکھا جائے کہ اس کے حواس سمیع میں کانا گیا ہو وہ ہے
 قاندر۔ پچے مگن (Antennae) اور پیٹ کو حرکت دیتا ہے اور پچے خان جتا ہے
 تھوکتا اور بند کرتا ہے۔ وہ بھی کھی پنے پانن کو بھی رست دیتا ہے مگر لاہ۔ مفلوج
 ہے اور اپنے ضروری اعضا کو عافیت کے ساتھ حرکت میں لاتا ہے۔ مفلوج جھنگڑ
 کا یہ منظر حد درجہ خوف ناک اور عبرت ناک ہوتا ہے۔

فحیر نے ان تجربات کے دوران یہ بھی سیکھ لیا تھا کہ مفلوج شکار کو ان کے منہ کے
 ذریعے کس طرح پانی اور چٹنی کی خوراک مہیا کی جا سکتی ہے۔ اور کس طرح ان کو زندہ رکھا جا
 سکتا ہے اور ان کے ہوش و حواس بھی قائم رکھے جاسکتے ہیں مگر ان کو اس کے انجام سے بچایا
 نہیں جا سکتا۔ مگر حضرت مسیح کو جو پٹی صلیب پر بے حرکت پڑے تھے اور پٹا سے تھے ان
 کے دہت رسا بوسے اس حالت میں بھی ان کو گھور کا مرکز پینے کے لیے دیا تھا۔ پھر یہ
 کم رکھ دینا تو کیا تھا کہ ان کی زندگی کے آخری لمحات میں کچھ شیرینی گھون دتی تھی۔

دوسرا اہم نکتہ مفلوجوں کو بے درد۔ فعالیت ہے جو ہمیں برعکس نتائج لانے پر کساتی
 ہے۔ فاتحوں کے لیے پسندیدگی کے حوش کن الفاظ ہمیں یہ بتایا جاتا کہ وہ کس طرح پنے
 سے کئی گنا زیادہ بڑے اور خطرناک میزبانوں کو پکڑتے ہیں۔ کیڑا چڑھ ممکن ہے۔ آسانی سے
 قابو میں آئے داسے بھی ہوں مگر چا موچا (Psammochandra) واسپ کڑیوں کو جو قیوت
 دیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ان کا مادہ بھڑ (Ovipositor) کسی محفوظ اور
 درست مقام پر پہنچایا جائے بعض تو مفلوج کڑی کو اس کے من میں چھوڑ دیتے ہیں۔ پلائی
 سمیں ہر سوٹس (Planiceps Hirsutus) مثال کے طور پر کیڑا غوریا کی چور دروڑے (Trap
 Door) والی کڑی کو اپنا شکار بناتا ہے وہ ریت گھر دندوب کے بند میں تک جا نئے دانی کو

تلاش کرتا ہے، پھر وہ ریب کو جس حد تک کھودتا ہے کہ مکڑی کے گھر تک پہنچ جاتا ہے اور پھر اس کو گھسیٹ کر باہر لے آتا ہے۔ جب مکڑی نظر آئے لگتی ہے تو واسپ اس پر حملہ کر دیتا ہے، اپنے شکار کو مفلوج کر دیتا ہے اور پھر اس کو گھسیٹ کر اس کی ٹانگیں میں سے جاتا ہے پھر دروازے کو بند کر دیتا ہے اور پھر مکڑی کے پیٹ پر اپنا انڈہ رکھ دیتا ہے۔ اس نوع کے دوسرے واسپ مکڑی کو گھسیٹ کر پیسے سے تیار مٹی یا گاری کے حلیوں سے بنے ہوئے گھر میں لے آتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو مکڑی کی ٹانگیں اتار دیتے ہیں تاکہ اس تک مارتے پر اسے نہ مانی سے گھسیٹا جاسکے دوسرے اسے پانی کی سطح پر ڈال رہتے ہیں اور پھر بھینکی کو دبی مکڑی نہ مانی سے سطح پر تیرتی ہوئی اسے سروٹے کرتی ہے۔ بعض اوقات واسپ کی میزبان کے جسم پر قبضہ کر کے کیسے سے دوسرے حلیوں سے لڑائی باز کر رہے ہوتے ہیں۔ مٹی میں گروہس (*Rhyssalus Curvipes*) دڈ واسپ (*Wood Wasp*) کا کارواں (*Alder*) کے درودر تک مضموم کر سکتے ہیں اور مکہ شکار تک پہنچ سکتے ہیں اس سلسلے میں اس کا نیز دھار عضو بیضہ ریح کی (*Ovipositor*) مددگار ثابت ہوتا ہے۔ سوڈوری سا لپس ٹرس (*Pseudorhyssa Alpestris*) ایک مختلف قسمی مکڑی کے درودر انڈہ نہیں کر سکتا حالانکہ اس کے بیضہ ریح کے عضو میں بہت سی تبدیلی قسم کے درودر سے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس سوڈورگ کو تلاش کرتا ہے جو وہی سیلانے بنایا ہوتا ہے اس میں وہ اپنا عضو بیضہ ریح ڈال دیتا ہے، اور ایک انڈہ اس میزبان پر دے دیتا ہے، جس کو پیسے ہی سے دی سیلانے مفلوج کر کے اس کے لیے بہت پید کر دی ہوتی ہے، چنانچہ اس کے غڑے بھی پنے رشتے کے انڈوں کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ دونوں انڈے تقریباً ایک ہی وقت میں بچے لگانے کے لیے تیار ہوتے ہیں مگر سوڈوری ساکان درودر دو بچے سرکا ہوتا ہے اور اس کا جڑ بھی بڑھتا ہے۔ سوڈوری مٹی میں کے چھوٹے سے لاروے کو کچھ لیتا ہے جسے پیسے ہی سے اس کے لیے تیار رکھا گیا ہے۔

کئی دوسرے مادوں کی فعالیت کی تعریف کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دو پہلے اور جلدی کام سرانجام دے جاتی ہیں بہت سے موشی فرعون تو پیسے بھی ہیں جو پنے میزبان کو لارو کی منزل تک آئے گا انتظار بھی نہیں کرتے اور غڑے ہی کو مفلوج کر بیٹے ہیں وہی صورت میں لارو واسپ جلد وسط طور پر تو غڑے ہی پر ہاتھ صاف کر لیتا ہے یا پھر میزبان

کے نشوونما پائے وائے، روار پر حمل آور ہو جاتا ہے۔ دوسرے محض تیز رفتاری سے کام لیتے ہیں۔ پتائے لیزلی تارن (Aphis Mitharia) ایک سیکند کے عدد 72 تک غڑے دے سکتا ہے دوسرے بھی محل دینے کی حد تک مستقل مزاج واقع ہوئے ہیں۔ سلی ڈی ٹیس گو میز (Aphis Gomezi) کی 1500 تک انڈے دے سکتی ہے اور ایک ہی دن میں 800 کے قریب سے لڈ (Aphids) کو طبعیت کا شکار کر سکتی ہے۔ بعض اوقات تو بعض انواع کثیر تعداد میں انڈے فرم کر سکتی ہیں یہ ایک خاص طرح کا میز کار عمل ہے۔ ایک انڈہ جو کھیلوں میں تقسیم کرتا ہے اور وہ مجموعی طور پر 500 افراد کی پیدائش کا سبب بن سکتا ہے۔ بعض کثیر جو تک (Polyembryonic) ایسے کیئر ہارر پر قائم ہو جاتے ہیں جو ان سے بہت بڑے ہوتے ہیں اور ہر ایک پچھ تک انڈے دے سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے اندر 3000 تک لاروا پیدا ہو جائیں اور ایک ہی میزبان کی دھوت ڈالیں۔ یہ واسپ اندرونی طفیلی (Endoparasites) اور وہ اپنے میزبان کو مفلوج نہیں کرتے۔ کیئر ہارر آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے مگر اس میں دیر نہیں ہوتا، یہ اس کا رد عمل محض اس دیر سے ہوتا ہے کہ اس کے اندر ہزاروں واسپ لاروا خوراک حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔

کوئی ماں کس قدر فعال ہے اس کا معیار لاروا کی حالت میں آنے والے بچے سے ہوتا ہے۔ میں اس بات کا ذکر پہلے ہی کر چکا ہوں کہ غیر لاری صفا پہلے کھائے جاتے ہیں تاکہ میزبان دندہ رہے اور مرے تک اس میں تاریکی میں کوئی فرق نہ آئے جب مارا پنے میزبان کے جسم کا ہر خوردنی حصہ کھا لیتا ہے (ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ کوئی روال پذیر یافت اس کی رہائش گاہ کو خراب نہ کرے) اس کا خوردنی حصہ جو باقی بچا ہوتا ہے وہ اس کے کام کا ہوتا ہے ایک اے لڈ (Aphid) طفلی اپنے شکار کے اٹھانچے کے پیچ میں سوراخ کر دیتا ہے اور اپنے لعاب دہن سے جو ایک غدود سے خارج ہوتا ہے وہ گوند کی طرح اپنا لعاب لگا کر ڈھانچے کو کسی پتے سے لٹکا دیتا ہے اور اہل کے ڈھانچے کے اندر کونے کو کھم کھم کر چھو پاتا دیتا ہے۔

اگر ہم اس مسئلے میں آدم مرکزی ناموزوں زبان استعمال کرتے ہوئے اس آسان طبع کو بیان کریں جو موش فرعون کی پھل تاریخ میں نظر آتی ہے تو میں نے اس بات پر رور دینے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح نئی طرح قابو پائے والی واسپ بچوں دینیات کے

ہے ایک چیلنج بن جاتی ہے۔ یہ گویا ایک قدم استہدائے نظریہ ہے جو خدا کی مخلوق کی وساطت سے خدا کی قدرت تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے زیادہ تر بیسویں صدی سے حاصل کردہ مثالیں پیش کی ہیں مگر اس طرح کی کچھ مثالوں کا علم اسیسویں صدی کے عظیم دینیات دانوں کو بھی تھا تو پھر انہوں نے خدا کے حق کے نظریے کو دھسپ کے س گودار سے کس طرح بڑا کر لیا تھا؟ اور کس طرح وہ خود اپنے ہی بنائے ہوئے س دہکا (Dilemma) سے نکلے تھے؟

اس دہکا سے نکلنے کا طریق کار مختلف پیش کنندوں میں مختلف تھا اس ایک چیز مشترک تھی کہ انہوں نے مجموعی طور پر استقرائی طرز فکر ہی اختیار کیا تھا۔ اس کو یہ علم تھا کہ خدا کے رحم و کرم کی صفات ایک حقائق نامیوں کے پس منظر میں نہیں موجود ہے مثال کے طور پر چارلس مال (Charles Lyell) کی عہد ساز کتاب ارضیات کے اصول (Principles of Geology) 33-830 میں کہتا ہے کہ کثیر پلاہاتی زندگی میں ایسے چیلنج کی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ ان پر کسی طرح کی قدرتی قدرتی حقائق خداوند کی عکاسی نہیں کرتی کیونکہ یہ کثیر پلاہاتی روایت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ قدرت کے نظام کی عکاسی نہیں ہے کہ ان کو چھ حدود کے اندر قید رکھا گیا ہے۔

عزت مآب ولیم کیر (The reverend William Kirby) جو برہام اور برطانیہ کے ریکٹر (Rector) تھے اور اعلیٰ پائے کے ماہر حشرات تھے تو کثیر پلاہ کے اس حقائق انجام کو نظر انداز کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس ماں کی حویلیوں اور حیرت کاغذ کاغذ کو جو دھسپ کی شکل میں اپنے بچوں کی تمام ضروریات کا پوری طرح خیال رکھتی ہے۔

”ہاں کے لیے سب سے عظیم کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انڈے دینے کے لیے مناسب زمین تلاش کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ مستقل گردش میں رہتی ہے کسی (Nidus) تخلی کا یا کسی بھوسے کا کثیر پلاہ مناسب رہے گا۔ اور اس کے بچوں کے لیے بہتر خوراک ہوگا۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ ان پولیڈوں پر متزلزل رہتی ہے جہاں ان کے ہوئے کا مکان سب سے زیادہ ہوتا ہے تاکہ وہ ان پر جھپٹ سکے وہ ایک ایک بچے کا چارو بیتی سے اور جب وہ اس سے گوشت میں (Sling) اپنے مقصد کے کسی بد قسمت کو تلاش کر رہی ہے تو ہنڈک داخل کر دیتی ہے اور وہاں ایک نرہ دے دیتی ہے اور اس وقت تک نہیں ہے جب تک

اس کا حوصلہ درختوں سے یہ یقین میں دلا دے کہ اس کی اولاد کا مستقبل واقعی محفوظ ہے۔

کربئی کو یہ فکر مندی اور تشویش بہت قابلِ قدر نظر آتی۔ کیونکہ واسپ کے لیے یہ فکر ہی نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو کبھی دیکھے اور ان پر مادرہ شہقت چھا دے کہ اس کے باوجود وہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔

”ان میں سے زیادہ رتو ایسی ہوتی ہیں جو بچے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہلاک ہو جاتے ہیں مگر ان کے مدد آوروں کی آگ بجھتی نہیں ہے۔ جب آپ اس کو پریشان دیکھتے ہیں جس سے وہ اپنے ہونے والے بچوں کے لیے تحفظ اور ہٹا تلاش کرنے سے قویٰ ہو سکتے ہیں اس کے کیا کچھ سیکھ سکتے ہیں کہ یہ اس کی اپنی اولاد سے محبت ہے اور اولاد بھی ایسی جیسے دیکھنا بھی اس کا مقصد نہیں۔“

کربئی اپنے اس رویے کے باوجود عمارت گری کے شکار لاروا کے لیے چند اچھے الفاظ استعمال کرتا ہے کیونکہ وہ کئی طرح خوراک حاصل کر کے سپہِ مدد آور کی خوراک کے لیے کیئرنگ کو زائد دیکھتے ہیں۔ کیا ہم بھی اپنے ذرائع کا ایسا استعمال کر سکتے ہیں۔

اس عجیب و غریب درخت پر اطلالہ۔ عمل میں یہ بات بہت زیادہ جسم کے قابل ہے کہ موثر طریقوں کا لاروا دور رہے اور وہ بھی شاید مہینوں تک کیئرنگ کے اندر سے صوبہ تھوڑا کر کے کہا جا رہتا ہے۔ وہ رتہ رتہ مدد آور کی اس کی ہر شے کھا جاتا ہے، اس لحاظ سے باقی رہ جاتی اس دوران وہ پوری احتیاط کرتا ہے کہ وہ صحت سے (Intestines) ہے یا پھر انتڑیاں کو ختم نہ لگائے۔ یوں لگتا ہے کہ پیسے سے علم ہوتا ہے کہ اس سے شکار (Vital Organs) مددگار کیئرنگ کا دار و مدار نہیں ملتا ہے۔ مگر ایسی کام چوپایوں میں سے کوئی رہے تو ہم اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ جبکہ یہ دفعہ پیش بھی تھا سے ساتھ رہا ہو؟ مگر مثال کے طور پر ہم یہ دریافت کریں کہ کوئی جانور کتے کے اندر کس گپا ہے اور اسے کھا رہا ہے اور صرف انہیں جزو کو چھاتا ہے جو کتے کی مدد کے لیے لڑی نہیں ہیں اور بڑی احتیاط کے ساتھ اس شریا میں پیچھے ہٹنے اور انتڑیاں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ کیا ہم ایسی شے کو کھلیں جو ہ خیال نہیں کریں گے یہ ایک جیسی برہشت کی ایسی مثال ہے جسے کس معجزہ ہی نہ جاسکتا ہے۔“

(آٹھری تین کتابیات ۱۸۵۹ء سے تعلق رکھتے ہیں اور آخری گرہلی اور سٹنس (Spence) کے یٹیشن سے لیا گیا ہے۔)

الواری کا (On the Origin of Species) ۱۸۵۹ء میں شائع ہوئی تھی مگر اس کی اشاعت کے باوجود یہ رویت شتم نہیں ہوئی کہ نظریات کے مظاہر میں اخلاقی معافی تلاش کیے جائیں مگر چونکہ اس دوران یہ نظریہ ہائی کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔ ممکن ہے اس کی یہ یہ ہو کہ رشتہ کو حد کا وہ پسندیدہ طریق کار سمجھا گیا جو اس نے ہمارے کمرے کو آباد کرنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ چنانچہ سینٹ جانز میڈیسن (St. George Mivan) جو ڈارون کے سب سے زیادہ فعال نقادوں میں سے تھا اور بہت بڑا کیتھولک تھا اس کا استدلال یہ تھا کہ بہت سے پسندیدہ اور جیسے لوگ جو جانوروں کی جسمانی تکالیف معلوم کر کے گمراہ ہوئے ہیں اس کی روایت جو بات ہو سکتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات خواہ کیسی ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو لیکن جسمانی رویت ۱۱۔ اخلاقی شرکی پائش کا کوئی ایک جیسا نہیں ہے چونکہ وحشی جانور اخلاقی غماخند نہیں ہیں لہذا ان کے احساسات سے کوئی اخلاقی پیغام خد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات میڈیسن یہ کہتا ہے کہ جانور بہت کم محسوس کرتا ہے اگر تکلیف ہو تو اسے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے اس زمانے کا ایک سلی شعبدہ سنبھال لیا۔ غیر مہذب لوگ مہذب لوگوں سے کہیں کم احساسات کے حامل ہوتے ہیں۔ میڈیسن اس بیڑی کو استعمال کرتے ہوئے در پیچے اتر آیا اور اس سے یہ کہہ دیا کہ زندگی میں چلی سلی پر درد کا احساس بہت ہی کم ہوتا ہے۔ جسمانی تکالیف کے بارے میں اس نے کہا:

جسمانی تکالیف کا انحصار تکلیف خفاے دے کی ذاتی حالت پر ہوتا ہے۔ دراصل صرف شعوری طور پر محسوس ہوتا ہے اور صرف انتہائی معظّم لوگوں میں یہ اپنی انتہا کو پہنچتا ہے۔ مصنف کو یقین ہے کہ اس بات کی چلی کہیں جسمانی اذیتوں کے مسئلے میں بہت کم حساس ہیں اور ان کے مقابلے میں مہذب لوگ اور حساس لوگ کہیں زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ کیونکہ صرف اسی میں دانشور نہ سچ پگزرے ہوئے محسوس کی یادداشت ہوتی ہے اور فرد کی توقعات ہوتی ہیں جو حتمی تکلیف کو بہت زیادہ بڑھا دیتی ہیں۔ ذاتی تکلیف جو اس وقت ہو رہی ہے جو

وحشی جانور بروشت کرتے ہیں مگر چہ بہت حقیقی ہوتی ہے مگر اس کا موازنہ کسی طرح بھی اس تکلیف کی شدت سے نہیں کیا جا سکتا جو انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اس کی اہلی (Genesis of Species 1871) خواشعوری کے بلند معیار کی انتخاب کی جہ سے۔

یہ سعادت خود ڈیروں کے حصے میں آئی کہ وہ اس قدیم روایت کو نہایت ہی نکھاری کے ساتھ لڑا۔ اور اس کی یہ خصوصیت یسجدکن دانشورانہ انداز نظر تھا جس کی مدد سے وہ ہر شے کو دیکھتا تھا۔ موش فرعون ڈیروں کے لیے بھی پریشانی کا سبب بنے تھے اور اس سے آسگرے (Ass Grey) کو اس ضمن میں لکھا تھا۔

”میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میں آدمیوں کی طرح اس بات کو سادگی کے ساتھ قبول نہیں کر سکتا مگر چہ جی تو میری چاہتا ہے کہ ہمارے روگزرم ورم اور چاہی کی صف موجود ہو مگر ہر سال میں دیکھتا ہوں کہ یہ شے بہت کجی کے ساتھ موجود ہے۔ میں اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کس کر پاتا کہ ایک جسم کرے اور اور قادر مطلق دت سے جان پوچھ کر موش فرعون کو خلیفہ کیا ہو کہ وہ پورے اور سے اور استقامت کے ساتھ دندہ کیٹریس کے جسم کو چٹا خوراک بنائیں یا جی جو ہے کے ساتھ چلتی پھرے۔“

جائزہ اس نے اس سے بھی زیادہ جذباتی انداز میں جوہر (Joseph Hooker) 1856ء میں لکھا تھا۔ اس پر کوئی شیطان کا چیلہ ہی بردست کتاب لکھ سکتا ہے کہ فطرت کس درجہ ہے جس صیغ کی عادت دھنے والی غلط کارپست اور جو خاک حد تک عام ہے یہ ایک بھانڈا۔ ہر معترف تھا۔ اور قدرت (ہمارے معیار کے حساب سے) بہت عام نظر آتی ہے اور ہر شے کے پیچھے کھل حیر کو تلاش رہے و کوشش کرنا کس قدر بیکار اور بے معنی کام ہے کیونکہ یہ تمام باتیں دو مختلف سمتوں کی طرف لکل جاتی ہیں۔ اس چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ نیچر انسان کے لیے اخلاقی سبق رکھتی ہے مگر اکثر اوقات اس تعلق کو لٹانا پڑتا ہے اور یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اخلاقی فطرت کے طریقوں کو سمجھنے میں مضمر ہے مگر کرنا ہمیں اس کے برعکس پڑے گئے تھامس ہنری ہکسل (Thomas Henry Huxley) نے یہ استدلال پیش کیا ایک شہرہ آفاق مضمون میں کیا تھا جس کا عنوان ہے ’’نظا اور اخلاقیات (Evolution and Ethics (1893)۔

”ان چیزوں کو بھی طوط پر کرنا جو اخلاقی طور پر درست ہیں۔ اسے چھائی یا خیر کہا جاتا ہے۔ اس کے لیے کردار میں حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر لحاظ سے اس کے برعکس ہوتا ہے جسے کامیابی کہا جاتا ہے۔ خاص طور پر وہ کامیابی جو ہمہ گیر ہستی کی جدوجہد میں ہوتی ہے۔ شدید ادعا کے تحت کی بجائے برائے قابو پانے کا مطالبہ کرتی ہے اور تمام مقابلہ کرے۔ دونوں کو ایک طرف پھینکنے اور نتیجے کرنے کی بجائے اس کی طلب یہ ہوتی ہے کہ ان کا امتزاج کرنا سکھ اور اپنے ساتھیوں کی دشمنی کرے۔ وہ نیکو رباؤں کے نظریہ بقا اور عمل کو دہانے کے لیے او (Cosmic) میں ہے۔ اخلاقی قوانین اور تصورات ہمہ گیر مٹانے کے لیے ہوتے ہیں۔

دوسرا استدلال جو ان دونوں کے درمیان میں زیادہ پیچیدگی تھا مگر عام ہے یہ ہے کہ پھر دیکھی جاتی ہے جیسی کہ وہ ہمیں نظر آتی ہے۔ ہماری اس سلسلے میں ناکامی کہ ہم کوئی ”فانی“ جہد تلاش نہیں کر سکتے، حالانکہ ہم نے اس توقع سے آغا کیا تھا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم میں بصیرت کی کمی ہے یا ہم اخلاقی نہیں کر سکتے مگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ساری معانی میں نیچر کے پاس کوئی اخلاقی سیت نہیں ہے۔ اخلاقیات ایک ایسے مضمون ہے جو فلسفیوں کے فکر کے لیے ہے یا پھر دینیات و اخلاق کے لیے یا انسانیات (Humanities) کے طلباء کے لیے بلاشبہ تمام سوچے سمجھے دلوں کے لیے ہے۔ یہ پیغام قدرت سے فطری طریقے سے حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ سائنس کی شماریات یا مواد سے خود بخود برآمد ہو جاتا ہے۔ زندگی کے حقائق ہم تک یوں نہیں پہنچتے کہ ہم اپنی قوت حیرت و شہ سے انہیں تبدیل کر دیں یا ان کی شکل بگاڑ دیں تاکہ وہ زیادہ اخلاقی نظر آئے کیسے

جو ان اردوں بھی کچھ یہی ہی نظر نظر رکھتا تھا مگر اپنے وقت کا اس وقت ہوئے نئے نئے وہ اس بات کو روک رہا ہے کہ قدرت کے قوانین ممکن ہے کسی اعلیٰ مقصد کو متعین کر رہے ہوں۔ اس سے واضح طور پر یہ بھاسپ یا تھا کہ ان قوانین کی مخصوص مثالیں بیوں کا چھوہ کے ساتھ کھینا، موش لڑکوں کے لڑوے کا کھربا، کوکھ جانا، کسی اخلاقی پیغام کا حال نہیں ہے مگر اس کو کسی نہ کسی طرح یہ توقع ضرورتی ہے کہ انہی سے اعلیٰ قوانین شاید موجود ہوں جو ان کی تکمیل بھی ہوں یا پھر اس بات پر انحصار رکھتی ہے جسے ہم اتفاق کہتے ہیں۔

چونکہ موٹی فرعون ایک تفصیل ہے اور چونکہ قدرتی انتخاب ایک ایسا قانون ہے جو تفصیل پر قادر ہے لہذا قدیم دہدھا کا جواب کہ ہمارے معنوں میں ایسا ظلم قدرت کے اندر کیوں موجود ہے؟ کوئی جواب نہیں نکلتا اور سوال مٹاتے وقت یہ کہا کہ ہمارے معنوں میں بالکل ہی نامناسب ہے۔ تجربہ دیا۔ ہمارے لیے بنائی گئی ہے اور یہی ہم سب پر مقرر ہوئے ہیں۔ یہ تو بس تنہا ہی ہے کہ ایسا ہونا ہوتا ہے۔ یہ ایک حکمت عملی ہے جو موٹی فرعون کے لیے اختیار کی گئی ہے اور قدرتی جاسے سے ان کے کردار کے اندر پوری طرح کارفرما کر دیا ہے کیلبر س لیے یہ کچھ نہیں اٹھاتے کہ ان سے ہم کچھ سیکھ نہیں سکتے ہیں تو اس طرح کا بنا دیا گیا ہے کیونکہ یہ رفتار بھی تو ایک تھیں کی طرح ہے ممکن ہے مستقبل بعید میں وہ اپنے اندر کوئی ماحول بنا بنا تا قیصر رے میں کامیاب ہو جائیں اور پھر موٹی فرعون کی قسمت پر ہر لگ جائے مگر لگتا یہ ہے اور امکان بھی یہی ہے کہ وہ شاید یہ کر نہیں پائیں گے۔

ایک اور کہیں جو نامس کا پتا ہے یہی جولین ہسٹن Julian Huxley نے ہے نظریات بیان کیے اور اس سے بھی مثال سے لیے منتخب کیا جی ہاں آپ کا اندازہ درست ہے، ہر جگہ موجود موٹی فرعون (Ubiquitous Chreumoh)

قدرتی انتخاب حقیقت میں قدر کی پینے وں بھلی کی طرف ہے جو بہت آہستگی سے ہستی ہے اور سب بھلی کے کچھ اور خواص بھی ہیں جن کو ایک مہذب سان وادی خواص کہہ سکتا ہے۔ اخلاق پر عقل کی سطح (Aesthetics) اس کی پیدا کی ہوئی تجربہ ہمارے لیے جمالیاتی لاوائے کردار (Saccullina) جاذب نظر بھی ہو سکتی ہیں اور ہیں بھی ہمیں سب کو دینا و پوشہ سوسا (Rh. noceros) کو تصور میں لاتا ہے، گینڈے (Bladder-Worm) کے بارے میں سوچنا ہے جو (mantis) کی مماقت پر خود کرتا ہے یا پھر مینٹس (Stegosaur) ہوتے ہوئے اپنے ر کے پر نیچے ڈالتی ہے یا پھر موٹی فرعون پر نگاہ دالتی ہے جو بہت آہستگی سے کسی کیلبر پھر کو کھانا چلا جاتا ہے

اس حوالے سے یہ ایک دلچسپ بات ہے یا شاید یہ اچھا ہے کیونکہ یہ اتنی زیادہ پیچیدہ ہے کہ اس پر مسکرا نہیں جا سکتا۔ جدید تخلیقیت پسند (Crallionists) اہل ارتقا کو یہ اثر امر

رہتے ہیں کہ وہ ایک ایسے مخصوص اخلاقی نقطہ نظر بیان کرنے ہیں جو غیر مذہبی انسان پسندی (Secular Humanism) ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ تناقضی وقت غیر سائنسی اور مد شدہ نظریات کے لیے بھی طلب کرتے ہیں۔ مگر قدرت خدائی ہے تو پھر دنیا ہمیں اپنی اخلاقی نظر یہ نہیں دکھ سکتا۔ یہ معروف ہے کہ اس رہ کنٹر کی وجہ سے بعض سماجی بر نیوں ن حوصلہ افزائی ہوتی ہے جس کو بعض عملیت پسند اپنے عقائد کی جہ سے غلط طور پر فطرت میں دیکھتے ہیں۔

سلاویک (uncoenica) اور معاشرتی ڈروس (م) (حس کا نام غلط طور پر رکھا گیا ہے) ان میں خاصے نمایاں ہیں۔ ڈارون کسی بھی کی کوشش سے اجتناب کرتا تھا جس کے تحت پیچ میں سے کوئی بات مذہب کے خلاف نکال جاتی تھی اس سے خود بھی اس مسائل پر انتہائی حیرت کا اظہار کیا تھا جن میں شرکا مسئلہ بھی شامل تھا۔ اس سے موٹ فرعون کی بات کرنے کے بعد صرف چند باتیں کی تھیں اور الفاظ ایسے تھے جن سے اس کمال کے انسان کی انکساری ظاہر ہوتی تھی اور اس سے یہ بھی کہا تھا کہ ماس اس اور مذہب کا کون مقابلہ نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے اس گروے کو نکال دیا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ مضمون انسانی فہم سے بہت بڑا ہے۔ جیسا کوئی ستائش کے بارے میں کہے جا سکتا ہے۔ بارے میں حور کر رہا ہو جو انسان کو اپنی آواز اور عقیدے کے مطابق وہ کچھ کرنا چاہیے جو کچھ وہ کر سکتا ہے۔

ولیم جیمز (William James 1842-1918)

ایک امریکی فلسفی اور نفسیات دان۔ ولیم جیمز ۱۸۵۱ء میں ہارورڈ یونیورسٹی میں طب پڑھنے کے لیے داخل ہو مگر پڑھائی چھوڑ کر لوئی اگاسز (Louis Agassiz) کی حیاتیاتی مطالعاتی مہم پر جنوی امریکہ چلا گیا۔ پھر غربی صحت کی بنا پر ایک برس یورپ میں گزارا۔ پھر واپس ۱۸۸۸ء میں آیا۔ ہارورڈ یونیورسٹی سے میڈیکل کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۷۲ء میں ہارورڈ لیٹلٹی میں بطور مصیبت کے انشورنگز کے طارمت کر لی اور اس دوران خصوصی طور پر نفسیات کا مطالعہ کیا اور اس سے پہلے امریکی نفسیاتی تجربہ گاہ ۱۸۷۹ء میں قائم کی۔ چند برس کے بعد اس نے اپنی مشہور آفاق اور عظیم کتاب Principles of Psychology (۱۸۹۰ء) میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری توجہ فلسفے کی طرف مبذول کر لی اس کی مشہور کتابیں یہ ہیں۔

The Will to Believe and other Essays (1897)

Varieties of Religious Experience (1902)

Pragmatism (907)

The Meaning of Truth (1909)

جیمز کی نفسیات کو عملیہ (Functionalism) کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کے فلسفے کا نام پراگماتزم Pragmatism ہے۔ امریکہ کا اعلیٰ ترین قومی فلسفی خیال کیا جاتا ہے۔ ولیم جیمز مشہور ناپسند ہنری جیمز کا بھائی تھا۔ ولیم جیمز کو ہاکمال شرمکار بھی سمجھا جاتا ہے۔

دلیم جہو

وجود کا مسئلہ

یہ کیونکر ہوا کہ ہم وجود کے بجائے یہ دنیا یہاں موجود ہے؟ اس کے بارے میں جو کچھ شوہن ہا (Schopenhauer) نے کہا اس کو فلاسٹیل تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا "اسان کے سوا کوئی نہیں ہے جو اپنے ہونے پر حیرت زدہ ہو۔" جب اسان کے ہاتھ پہلا شعور آتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کو تو یہ بتائی تھا وہ ہوں، یہی شے ہے جس کے لیے کسی وضاحت کی ضرورت مرے سے ہے ہی نہیں مگر یہ زیادہ دن چلتا نہیں، یہی ہی سوچ کے ساتھ حیرت کا آغاز ہو جاتا ہے حیرت جو مابعد الطبیعیات کی ماں ہے۔ جس نے دماغ کو یہ کہے پر مجبور کیا کہ سب بھی اور ہمیشہ سے یہ حیرت ہی ہے جو فلسفے تخلیق کرتی ہے۔ ذہنی طور پر اسان جس قدر ٹکلی سطح پر ہوگا اسی قدر موجود ہوے گا جیسا کہ اس کے لیے کم اہمیت کا حامل ہوگا۔ مگر چونکہ اس کا شعور و شعخ ہوگا تو تا ہی زیادہ دستیابی سے پر یہ مسئلہ اس کو اپنی گرفت میں سے گا حقیقت میں وہ بے قراری جو مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کے کلاک کو تھمتے نہیں، جتنی یہ خیال ہے کہ اس دنیا کا ناموجود ہونا بھی ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ اس کا موجود ہونا۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم حلقہ ہی یہ تصور کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی شے ہے جو موجود نہیں ہے اور یہ ہونا نہ صرف تصور کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ قائل فہم ہے چنانچہ ہماری سوچ کا دھار ایک ایسی فکر بن چکا ہے جو فطرت (Fatality) پر غور کرتی ہے اور اس دنیا کو وجود میں لاتی ہے اور اس شدید طاقت کو

مکراہ کر سکتی ہے جو اس کو عمل کی شکل دے گی اور قائم رکھے گی یہ ایک ایسی قوت ہوگی جو اپنی ہی دشمن ہوگی۔ چنانچہ فلسفیانہ حیرت ایک ایسی ہم انگیز استعجاب بن جاتی ہے جس سے ڈان جیوانی (Don Giovanni) کا لقمہ پینا ہوتا ہے۔ فلسفہ ستار کی ایک مضمون کی جھلکار سے شروع ہوتا ہے۔

بہن اٹھائی کرنا پڑتا ہے کہ نشان پہنے آپ کو کسی کو لے کھدوسے میں ڈال لے اور اپنے ہونے کے بارے میں سوچنا شروع کر دے اور اندر سے میں اپنے جسم کے عجیب خطوط پر غور کرے (جنوب سٹیون سنک Stevenson) یہ ایسا کام ہے جو بچوں کو حیرانہ کر دیتا ہے (پھر وہ اپنے کردار کے کمالات پر سوچے اور پھر وجود کی تفصیلات پر غور کرے اور پھر اس ن مومن حقیقت پر اور یہ کچھ کر سکتے تھے کہ مائوس ہوتا ہی اس کی نظر کو دھندل دیتا ہے۔

صرف اتنا ہی پر سر نہیں ہے کہ ہر چیز کو ہونا چاہیے بلکہ یہ کہ اس خاص شے کو ہونا چاہیے فلسفہ بہت غور کرتا ہے، مگر کوئی عقلی حل تلاش نہیں کر پاتا (Nothing) سے وجود تک کوئی مستقل پس موجود نہیں ہے۔

بسا اوقات کوشش یہ کی جاتی ہے کہ بجائے سوال کا جواب دینے کے سوال ہی کو دیکھیں نکالا دے دیا جائے ہمیں بتلوا جاتا ہے کہ جو لوگ سوال اٹھاتے ہیں وہ ناچائز طور پر اس کا تعلق پورے وجود کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ جو اصل میں یہ وجود کا ایک مکانی بدن ہوتا ہے اور صرف کسی خاص وجود میں پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ پہلے نہیں تھے مگر سب ہیں۔ وجود عمومی طور پر یا کسی خاص صورت میں ہمیشہ تھا اور آپ وجود کو ایک حل کی صورت میں جس طریقے سے اولین، Primordial Nonentity سے متعلق نہیں رکھتے، حوالہ دے کر کے طور پر ہو یا مادی بنم کے طور پر بجائے خود اولین بھی ہو اور دائمی بھی ہو لیکن اگر آپ کسی وجود کو دائمی نہیں گئے تو کچھ ایسے فلسفی ہمیشہ موجود ہوتے ہیں جو اس بات پر آپ کا مستحکم اثر سے کو تیار ہوں گے، کیونکہ اس مفروضے کے اندر ہمیشہ ایک تناقض (Paradox) پایا جاتا ہے۔ کیا ماضی کی بقا (Eternity) ممکن ہو سکتی؟ وہ پوچھتے ہیں پھر وہ کہتے ہیں مگر ایسا تو چکا ہے تو پھر اس کا کوئی آغاز بھی ہو گا کیونکہ آپ کی قوت تحلیل خواہ اس کے سوسے سے گئے کی طرف سفر کرے یا پیچھے کی طرف اس سے ایک طرح کا ایسا مواد ہم ہوتا ہے جس

کو بچا جا سکتا ہے اور مگر یہ پیکش ایک حوالے سے بھی ہے، ہمارے ایک پہنچ جائے تو پھر وہ دوسرے حوالے سے بھی ایک ہمارے ایک ضروری پہنچے گی۔ دوسرے لفظوں میں اب چونکہ ہم اس کا ایک انجام (End) دیکھ رہے ہیں تو ماضی کے کسی لمحے نے اس کا آغاز بھی دیکھا ہو گا وہ کب تھا اور کیوں تھا؟

آپ گزری ہوئی لاشے یا نیستی کے پامرے میں بات کر رہے ہیں اور یہ نہیں دیکھ پاتے کہ وہ کس طرح وجود کی شکل میں آئی تھی، یہ دوہرا (Dilemma) جس میں ضروری ہوتا ہے کہ ہم کسی بھی مراجعت (Regress) کا انتخاب کریں جو اسے لامتناہی (Infinite) یا جائے وہ ہم حال ایک مقام پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ در ایک اویں مطلق (Absolute) سے فلسفہ کی تاریخ میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔

ہماری کوششیں ابھی تک یہی ہیں کہ اس سوال کے سر کو ختم کیا جائے برعکس (Parmenides) اور زینو (Zeno) سے کہا تھا "ناموجود نہیں ہے صرف موجود ہے" ہر وجود کا وجود ہونا ضروری ہے قصہ مختصر یہ کہ یہ لاری ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں نیسی کا تصور حقیقی خیال نہیں ہے وہ کہتے ہیں کسی خیال کے نہ ہونے کو کسی حقیقی خیال کی بنیاد پر نہیں دیا جا سکتا۔ اس سے بھی زیادہ اکثر بات یہ ہے کہ ہر مابعد الطبیعیاتی حیرت کو مرصعہ قرار دیا گیا ہے بعض لوگ تو یہ بھی پوچھتے ہیں میں میں کیوں ہوں؟ ایک نکتہ کیوں کیوں ہے؟

استدلانی (Rationalistic) + جن بعض اوقات اس امر کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسوں نے وجود کی بعض حالتوں کو بے وجود قرار دیا ہے یا دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ نامریر تجربہ (Empiricist) لوگ جن کا تعلق ارتقائی گروہ سے ہے جیسے ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ اس کا یہ خیال ہے کہ جس چیز میں حقیقت کا عنصر سب سے کم ہوتا ہے وہ کمزور ترین، اہم ترین سب سے کم درجہ کی جاتے ہیں اور سب سے زیادہ گوارائیہ ہوتی ہے۔ شروع میں ممکن ہے یہ بہت آسان لگے اور شاید ہستی کی درست بھی ہو بلکہ "ہستہ" ہستہ ہستی کے کمال تر درجہ نے پتا اصرافہ کر دیا ہو اس آہستہ روی کے ساتھ کہ آہستہ آہستہ فائنات شروع ہو چکی ہیں۔

دوسروں کا خیال ہے کم سے کم نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ وجود قدیم ترین اویست تھا اور عقل سے قبل کیا۔ پھر اسے کہا تھا "میں نے شے کا ظاہر ہونا اس کے وجود کے رستے

میں حائل نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی ہستی کو پالیتا ہے۔ 'یہ درج کرنا محض تعصب ہے کہ عظیم کے لیے وجود میں آنا معمولی کے لیے وجود میں آئے سے کہیں زیادہ دشوار ہے اور سب سے آسان شے نیستی ہے کسی بھی حوالے سے جو شے سب سے زیادہ مشکل ہوتی ہے وہ انہی رکاوٹیں ہیں جن کو عبور کرنا ضروری ہے۔ چھوٹی اور کمزور چیزیں جب زیادہ طاقتور بننا چاہتی ہیں، تو اس عمل سے گزرتی ہیں۔ بعض چیزیں اس قدر عظیم اور مکمل ہوتی ہیں کہ ہوتا خود ان کے احمد موجود ہوتا ہے۔ مثلاً خدا کے موجود ہونے کے مابعد اطمینانی ثبوت جس کو کارلس (Cartesian) ثبوت بھی کہا جاتا ہے، ان پر بحث تھومس سے اس پر تنقید کی تھی۔ کانٹ (Kant) نے اس کو رد کیا تھا مگر ہیگل (Hegel) نے پھر سے اس کی مدافعت کی وہ بھی انہیں خطوط کو اختیار کیے ہوئے تھے جس شے کو نامکمل سمجھا جاتا ہے اس میں دوسری چیز اب کے علاوہ وجود کا فقدان بھی ہو سکتا ہے مگر وہ حد جسے ہر طرح عمل خیال کیا جاتا ہے اگر کسی پہلو سے مکمل ہو تو وہ اپنی ہی تعریف سے اعرف ہو گا لہذا وہ موجود ہونے سے بے رہ نہیں سکتا۔ وہ لاری ہے، وہ حق ہے اور وہ کامل ہے۔

ہیگل نے بلند ترین طریقے سے کہا ہے 'یہ عجیب بات ہوگی اگر خدا اتنا موجود نہ ہو کہ وہ تین معنوں میں سے پر محیط نہ ہو پائے کہ اسے وجود کیا جائے کیونکہ وجود تو سب سے معنوں اور مجرد (abstract) ہوتا ہے۔ یہ کام کی اس طرز فکر سے مطابقت رکھتا ہے کہ حقیقی دائرہ میں تصوراتی دائرہ کے مقابلے میں ایک سینٹ بھی اصدائی نہیں ہوتا۔ اپنی منطق کے آغاز میں ہیگل نیستی اور ہستی کے تعلق پر محور و محوس کا ایک اور طریقہ ذکر کرتا ہے۔ چونکہ وجود، اپنی مجرد حالت میں محض وجود ہے لہذا اس کا کوئی خاص مطلب نہیں ہے اس کو نیستی سے تمیز نہیں کیا جاسکتا۔ اور یوں لگتا ہے کہ جیسے اس کی سوچ میں یہ حیاں بھی ہے کہ اس سے دو تصورات میں ایک مماثلت پیدا ہوتی ہے اور یوں ایک تصور سے دوسرے تصور تک سر کرنے کی کوئی راہ نکال جاسکتی ہے۔ دوسری کوششیں جو اس سلسلے میں کی گئی ہیں وہ عقلیت پسندی (Rationalism) کے مزاج کو ظاہر کرتی ہیں۔ ریاضی کے نمونہ پر مندرجہ ذیل طریقے سے صفر میں سے ایک برآمد کر سکتے ہیں۔

$$\begin{array}{r} 0 \quad 1 \\ 0 = 1 \\ 0 \quad 1 \end{array}$$

طبعی طور پر اگر سب ہستیوں میں یہ کثرت تشکیل (Polar Construction) موجود ہے (اور گلت ہے کہ ہے) لہذا برعکس حصے کے اندر ایک نئی موجود ہے در یوں ہم ایک سادہ سی مساوات (Equation) تک پہنچتے ہیں $1 + 1 - 1 = 0$ ثبات اور کثرت کے اشارے طبیعیات میں کثرت کی علامت ہیں۔

یہ مکان تو نہیں ہے کہ قاری جوابات سے مطمئن ہوگا اور یہی ہم عصر فلسفیوں سے یہ توقع ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ جو عقلی پسند ہیں ان کی یہ تشکی ہو۔ مجموعی طور پر اس بات پر اتفاق ہے کہ کس سے حقیقت سے قابل فہم حد تک پردہ اٹھایا ہے کیا ایسا ہو کہ بنیادی نیستی خدا کے وجود کے اندر غائب ہوگئی ہو، جیسے کہ رات دن کے اندر غائب ہو جاتی ہے جبکہ خدا تمام مخلوقات کا حلق قرار پایا ہے۔ کیا یہ اپنی تشکیل جوئی اور خود ہی صورت گری کی اور وہ غیر محسوس طور پر وجود میں آسکتی اور "خدا کا راسی مقدار کی موجودگی فلسفیوں پر فرض کر لی پڑی یا مانگی پڑی مشکلات کو بڑھاتے چلے جاتا مشکلات کا حل نہیں ہے اگر آپ عقلیت پسند ہیں تو ایک کیونکر وجود فوری طور پر طلب کریں گے، یا پھر ہم یہ کہیں گے کہ اگر آپ تجربی ہیں تو پھر آپ کو ہزاروں گرام کی ضرورت ہوگی مگر بر صورت میں ایک ہی مقدار طلب کی جائے گی اور پھر اپنے آپ کو آپ جو نام بھی سمجھیں آپ رہیں گے بھک بھک کے بھک بھک۔ آپ اس مسئلے پر پستان کو ہاتھ نہ لگائیں۔ کیا چیزیں ایک لخت ہی وجود میں آسکتی تھیں یا کلوں میں آئی تھیں ان سوالوں کو عقلی سطح پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ۱

اگر وجود سے رشتہ رشتہ شوم پائی تھی تو اس کی مقدار ہر وقت ایک جیسی نہیں تھی۔ اور آئندہ بھی ممکن ہے کھلی بڑھتی رہے کٹر فلسفیوں کے لیے یہ بات لائیں ہے "سدا" واپس بادہ اور توانائی میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو گھٹایا بڑھایا جا سکتا ہو۔ قدامت پسند۔ رائے یہ ہے کہ حقیقت کی مقدار ایک رہتی ہے اور ہمارے تجربے میں آئے والے مظاہر کھلی سطحی دکھائی دیے جاسکتے ہیں، جو گہرائی تک رسائی نہیں رکھتے۔

تاہم تجربے کے اندر مظاہر (Phenomena) آتے جاتے ہیں یہاں نئی نئی چیزیں بھی ہیں اور سدا بھی ہیں یہاں تو کئی حالت میں اور سرب کی یہ کیفیت میں نظر آتی ہے اور شوم پائی ہے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا قنای تجربہ ہم پر کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ کیا اس کی وجہ وجود (Inertia) ہے یا کیا اس کا سبب مستقل تخلیق ہے کیا نیا پر ہے کے

کہنے پر پیدا ہوتا ہے؟ مگر یہ بھی کچھ مبہم جی کی طرح مجھ کیوں جانتا ہے؟
 ہم بڑے غور سے بھی کہہ سکتے ہیں؟ فلسفے میں سب سے زیادہ تاریک سوال وجود کا سوال
 ہے یہاں ہم سب لوگ بھٹک بیٹھے ہیں کوئی کتاب فکر کسی دوسرے کے بارے میں حقارت
 سے بات نہیں کر سکتا اور نہ ہی خود کو غرور و افتخار سے نوازا سکتا ہے کیونکہ ہم سب ایک جیسے ہیں
 حیثیتیں یک بنیادی غلطی (Debum) کا تحفہ ہیں یا اویست ہیں جو ہم ادھار نہیں لے سکتے۔
 اور نہ کسی سے پوچھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے عقب میں جا سکتے ہیں۔ یہ کسی نہ کسی طرح
 اپنے آپ کو غور بخاتی ہے ہمارا تعلق اس کے ”کہاں“ اور ”کیوں“ سے کہیں زیادہ ہے۔

حواشی

۱۔ ریڈ وینچنی زبان میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت اور وجہ اتفاقی (Contingent) یا کسی حادثاتی طور
 پر پیدا ہو گئے ہیں جہاں تک ہماری عقلیت کا تعلق ہے ان سے طبعاً ہونے کی شے کا غیر ممکن نہیں اور پہلے
 سے دیکھی بھی نہیں جاسکتی مستحکم اور بھی ماضی مرآب نظر آتا ہے۔

گلبرٹ کیٹھ چیسٹرٹن (1874-1936) Gilbert Keith Chesterton

برطانوی مضمون نگار، ناول نگار اور شاعر، اس کا بہترین کام ادبی جرنلزم سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے جاسوسی کہانیاں جس میں مرکزی کردار ایک روسی کیتھولک پادری تھا اور جس کا *Innocence of Father Brown* سے ہوا تھا (1911ء) بہت مقبول ہوئی تھی وہ 1900ء میں *ہیلر بیلوک* (H. Belloc) سے ملا تھا۔ پھر این ڈیوے کا نام برٹارڈ شا (G.B. Shaw) اور ایچ جی ویلز (H.G. Wells) کے افسانہ کی مخالفت میں شمار ہوئے لگا چیسٹرٹن نے 1922ء میں روس کیتھولک چرچ میں شمولیت اختیار کی، اس کے بعد اس کی زیادہ تر تحریریں مذہبی موضوعات ہی سے متعلق ہیں۔ 1906ء میں اس نے ڈکنز (Dickens) کے تنقیدی مطالعے پر یہ کتاب لکھی تھی 1913ء میں *The Victorian Age in Literature* شائع ہوئی، اس کے علاوہ اس کی کہانیوں کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔

گبرٹ کیتھ چوسٹن

پریوں کے دیس میں منطق

میرا اولین اور آخری فلسفہ جس پر میں پورے اعتماد کے ساتھ یقین رکھتا ہوں میں نے سرسری میں سیکھا تھا اور عمومی طور پر یہ فلسفہ مجھے ایک س سے سکھایا تھا اور یہ بات میں پوری متانت سے کہتا ہوں کہ وہ واضح اور بے متناہوں نے مقرر کی تھی 'وہ ایک وقت جمہوریت اور روایت کی نما اندر تھی' اس بارے میں میرے شے پر عقائد تھا 'اسی شے پر میرا اب بھی عقائد ہے اور اس کا نام ہے پریوں کی کہانیاں (Fairy tales)۔ مجھے تو وہ کہانیاں ہی قابل یقین چیزیں لگتی ہیں۔ وہ مثلاً یا Fancies کہیں ہیں بالکل ان کے مقابلے کی دوسری چیزیں محض تخیلات ہیں، مگر ان سے سو رٹ یا چائے تو مدد سب در عقلیت (Rationalism) دونوں ہی ابعاد (Abnormal) لگتے ہیں اگر مذہب میری عمومی طور پر رہتی پر ہے در عقلیت غیر عمومی طور پر غلط ہے۔ پریوں کا دیس سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ وہ ہم مشترکہ (Sense common) کا دیس ہے یہ روشن نہیں ہے جو آسمان پر فیصد صادر کر رہی ہو بلکہ آسمان ہے جو زمین پر حکم کا رہا ہے۔ کم زلم میرے نزدیک تو یہ زمین نہیں تھی جس سے بھوت نگر پر عقیدہ کی تھی بلکہ بھوت نگرے زمین پر عقیدہ روا رکھی تھی میں سوچتا ہوں کہ عرصہ کا اس وقت بھی قائل تھا جب میں نے سوچا کہ کبھی بھی نہیں تھی مجھے اس وقت بھی پائندہ کے باشندے کے بارے میں یقین تھا جب مجھے چاند کے بارے میں اعتماد حاصل نہیں تھا۔ تمام مخلوقوں و انسانوں میں یہ شے مشترکہ ہے۔ جدید غیر ہم شاعر فطرت پرست (Naturalist) ہیں وہ جھاڑیوں اور جھروں کے بارے میں متکلم کرتے ہیں لیکن وہ کانٹک جو

مذہب اور داستانیں گا کر سنایا کرتے تھے فوق الطہرت پرست (Supernaturalist) تھے اور وہ جھاڑیوں اور جھروں کے دیوتاؤں کے لئے گاتے تھے۔ یہی وہ مفہوم ہے جس میں جدید یہ کہتے ہیں قد باطہرت سے طہر نمودار ہونے کی طہر نہ رکھتے تھے کیونکہ وہ یہ کہتے تھے کہ طہرت جلد جلاوحدی ہے۔ پرانی رستیں بچھ کر گھاس کے بارے میں کچھ نہیں بتائی تھیں بلکہ ان پر یوں کے بارے میں باتیں کرتی تھیں جو گھاس کے پتوں پر رقص کرتی ہیں اور قدیم ہونٹوں کو درست تو دکھائی نہ دیتے تھے مگر وہ بن پٹی (Dryads) دیکھ لیتے تھے۔

میں تو یہاں اس حقیقت اور فلسفے کا ذکر کر رہا ہوں جس کی حور ان پر یوں کا تذکرہ ہے۔ اگر میں ان کا تذکرہ تفصیل میں کرتا تو کچھ صحت مند اور شریفانہ امور بھی دریافت کر پاتا۔ ان میں ایک بہادرانہ سبق بھی ہے ”جنوب کو مار ڈال جیکب Jack the Giant Killer جنوب کو اس جہ سے بھی مار جا سکتا ہے کہ وہ بہت عظیم ہوتے ہیں یہ کہ در غرور کے خلاف مساوی بغاوت ہے کیونکہ ہائی تمام سلطنت سے بڑا ہوتا ہے جیکو بنٹ Jacobin کی روایت جیکو بائبل Jacobite سے کہیں زیادہ بڑی ہے۔ پھر ایک سبق سیندرلا (Cinderella) بھی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ شاندار سانی سکسار پھر حسن اور رستم Beauty and Beast کی عظیم کہانی میں ہے کہ کس شے سے اس وقت محبت شروع کرو۔ جب وہ بھی محبت کے قابل بھی نہ ہو پھر حسن خواب (Sleeping Beauty) کی ریمسٹ جنٹیل Allegory بھی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسد ظلو کو پیرانہ طور پر کچھ جنم دن کے تھوڑے سے وار گیا ہے مگر اس کے باوجود اس پر موت کی ظلمت بھی مسلط ہے اور پھر موت کی یہ ظلمت کم ہو کر نیند کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے۔ مگر میں پر یوں کے مگر کے لگ لگ جسموں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ میرے پیش نظر تو اس کے پس منظر کے قوانین کی روح سے جو میں سے اس وقت تک نے تھے جب میں یوں بھی نہیں سکتا تھا اور اس وقت تک وہ میرے ساتھ رہیں گے جب میں کچھ لکھنے کے قابل بھی نہیں رہوں گا۔ میرے پیش نظر تو رہا گیوں کو دیکھنے کے کچھ طریقے ہیں جو میرے مار پر یوں کی کہانیاں نے پیدا کئے تھے اور اس کے بعد ان کی توثیق روکھے سوکھے حقائق سے بھی کر دی ہے۔

اس کے بارے میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ترقی کی کچھ متعین منازل ہیں (یہی یہ کہ ایک چیز دوسری چیز کے بعد آتی ہے) جو صحیح معنوں میں قابل توجہ ہے جس طرح

ریاضیاتی اور منطقی مسئلے ہوتے ہیں جو صحیح معنوں میں لامرئی ہوتے ہیں چنانچہ ہم پریوں کے
 نگر میں (جو تمام مخلوقات سے کہیں زیادہ قابل توجہ ہیں) تسلیم کرتے ہیں عقل کو اور ناگزیر
 کو۔ مثال کے طور پر اگر بد صورت انٹل سینڈریلا سے بیٹی ہیں (یک آہنی اور خوناک کے
 معنوں میں) تو پھر یہ لامرئی ہے کہ سنڈریلا بد صورت بہنوں سے چھوٹی ہے۔ چنانچہ اس
 سے باہر کوئی راستہ نہیں ہے ہیکل (Haeckel) اس ناگزیریت (Fatalism) کے بارے میں
 جس قدر چاہے بات کرے سے حقیقی طور پر ہونا بھی چاہیے۔ مگر جب کسی پن ہنگی والے کا
 بیٹا ہے تو پھر پن ہنگی والہ جیک کا باپ ہے سر، مہر منطوق اپنے احکام اپنے حوالے۔ تخت
 سے چادی کرتی ہے مگر پریوں کے دس میں ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں، مگر تینوں بھائی
 گھوڑے پر سواری کریں تو پھر چھ گھوڑوں کی ضرورت ہوگی اور ۶۵ ٹانگیں اس میں شامل
 ہوں گی۔ حقیقت پسندی (Rationalism) ہے در پریوں کی کہا یاں اس سے بھری ہوئی ہیں
 مگر جب میں اپنا سہ جہاز پریوں سے اوپر اٹھاتا ہوں اور قدرتی یا کوڈیٹنا شروع کرتا ہوں تو
 پھر مجھے غیر معمولی چیزیں نظر آتی ہیں۔ میں مشاہدہ کرتا ہوں کہ بڑی بڑی بینکوں والے عام
 فاضل لوگ منطقی اشیاء پر گفتگو کرتے ہیں اور منطقی واقعات پر بھی مسج اور موت دونوں پر
 جیسے کہ عقلی وہ دونوں ہی ناگزیر ہیں۔ وہ جب گفتگو کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ درختوں
 کا بار آور ہونا ان کے سنے کسی ہی حقیقت ہے جس طرح واقعہ ایک ٹین بناتے ہیں مگر
 ایسا نہیں ہے۔ لیکن پریوں کے نگر کے حساب میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے وہاں تو اس میں ہے
 حد فرق آجاتا ہے اور وہی قوت تخیل کا امتحان ہے۔ آپ واقعی ایک کو تین نہیں سمجھ سکتے
 لیکن یہ تصور ضرور کر سکتے ہیں کہ درخت ہوں اور بار آور ہوں ان میں پھل نہ آئے آپ
 یہ بھی تصور کر سکتے ہیں کہ درختوں میں سہری رنگ کی مہم قیوں کی فصل گئے یا پھر دم کے
 ساتھ لگے ہوئے شروں کا پھل لگے یہ عینک پہننے والے لوگ ایک شخص کا بہت نام پتے ہیں
 نیوٹن (Newton) جس پر ایک سبب مگر تھا در اس سے ایک قانون دریافت کر یا تھا۔ مگر
 اب کا مفکر یہ نہیں ہے کہ وہ حقیقی قانون اور عقلی قانون کے مابین امتیاز کر سکیں، یہ سمجھ سکیں
 کہ سبب کا در میں پر آگرتا کس قانون سے متعلق ہے۔ یہ ایک حقیقی لامرئی (Necessity)
 ہے، کیونکہ ہم ایک شے کا تصور دوسری شے کے ذریعہ ہونے کے بغیر نہیں کر سکتے۔ مگر یہ
 تصور تو ہم کر ہی سکتے ہیں کہ سبب اس کی تاک پر نہ گرے۔ یہ بھی تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ

میبب ہوا میں آڑے اور اڑتا ہوا کسی اور ناک کو جا لگے۔ اس ناک پر جس کو وہ کسی بھی وجہ سے پسند نہ کرے ہو پر یوں کی کہانوں میں ہم سے دیکھا ہے۔ باہمی رشتوں کی سائنس میں بہت واضح اتنی رکھا جاتا ہے اور اس کے بھی کچھ قوانین واقعی ہوتے ہیں مگر طبیعی سائنس کی دنیا میں کوئی قانون تو موجود نہیں ہے البتہ ایک غیر ارضی حادثہ (Weird Repetition) ضرور موجود ہوتی ہے۔ ہم جسمانی ہجڑوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہی ممکنات پر ایمان نہیں رکھتے، ہم یہ تو دیکھا رکھتے ہیں کہ ایک پودے کا پھل آسمان تک پہنچ سکتا ہے مگر اس کے باوجود وہ ہمارے اس فلسفیانہ سوال کے بارے میں رویے کو متاثر نہیں کرتا کہ کتنے دانے پانچ کے حدود میں ہوتے ہیں۔

چھوٹے بچوں کی کہانیوں کے اندر ایک خاص طرح کا مکمل پن ہوتا ہے سائنس دے کہتے ہیں، مگر رشت کے ٹپے جیسے کوکالت دیا جائے تو رشت گر جاتا ہے مگر کہتے بہت پر سکون سمجھ میں ہیں جیسے ایک خیال دوسرے خیال تک لاری طور پر سفر کرتا ہے پر یوں کی کہان میں چاروگر کی کہتی ہے۔ غم (Gause) بھاؤ، چارو کا تھکد فور گر جائے گا مگر وہ یہ نہیں کہتی ہے اس کا معقول (Effect) علت (Cause) میں سے ضرور نکلے گا۔ بد شہ اس سے ٹی بیوں کو مشورہ دیا ہے اور بہت سے نکلے گرتے ہوئے بھی دیکھے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں غم بھاؤ اور نکلے کی اونچی برتی گرتے کے درمیان ایک تعلق ضرور موجود ہے۔ دوسری طرف سائنس دان بنا سر ضرور کہتے ہیں اور واقعی دیر تک پریشان قرار دیتے ہیں جب تک اس میبب کے ساتھ رشتہ تلاش۔ رشتوں، جو شاخ سے ٹوٹا تھا اور زمین تک پہنچا تھا۔ وہ اس طرح بات کرتے ہیں جیسے ان کو شانہ رشتہ حق کا ایک ذخیرہ میسر نہ گیا ہے لیکن وہ مختلف حقائق کو مدائے دان حقیقت ہے وہ یوں بات کرتے ہیں گویا انہوں نے طبیعی طور پر متعلق چیزوں کو فلسفیانہ طور پر متعلق کر دیا ہے وہ یوں محسوس کرتے ہیں کہ گر ایک سمجھ میں نہ آئے والی شے کے بعد کوئی اور سمجھ میں نہ آئے دان شے مستقل طور پر آتی ہو تو پھر یہ دونوں ناقابل فہم چیزیں کسی نہ کسی طرح قابل فہم بن جاتی ہیں۔ دو کالے پیستان ایک سفید جواب چلا کر دیتے ہیں۔

پر یوں کے دہلیں میں ہم قانون (Law) کے لفظ کا استعمال ہی نہیں کرتے مگر سائنس کی سر زمین میں لوگ خاص طور پر اس کے شوقین ہیں مثلاً وہ اس سلسلے میں ایسے دلچسپ مواقع

دھونڈ لگائیں گے کہ بھلاے ہوئے لوگ بچہ کے بعض حروف کا کیا تلفظ کرتے تھے۔ جیسے گرم کا قانون (Grim's Law)۔ مگر گرم کا قانون گرم کی پریوں کی کہانوں سے نہیں کم واثور۔ ہے یہ کہانیاں بہر حال کہانیاں ہی ہیں مگر یہ قانون تو قانون نہیں ہے ایک قانون کے اندر یہ قہری ہوتا ہے کہ ہم تعمیم (Generalization) اور منتج قانون (Enactment) کی نوعیت کو جاننے ہوئے دوہی صرف اس سے نہیں کہ ہم نے جس معلوم میں ان کی دہر اہر دہی دیکھی ہے۔ مگر یہ قانون ہو کہ جیب کتہ دل کو جیل میں بھیج دیا جائے گا تو اس میں یہ قہری ہو گا کہ جیل بھیجنے کے خیال اور جیب کتہ کے خیال میں کوئی۔ کوئی قابل فہم تعلق ضرور ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خیال (Idea) کیا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص جو سب سے پہلے تکلفی کرتا ہو اس کی ساتھ یہ تکلفی کی جاسکتی ہے۔ مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اندہ کیمر چورے کی شکل اختیار کرتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ پریوں کی کہانی میں رچھہ شہزادہ کی طرح بن جاتا ہے۔ ایک خیال کے طور پر اندہ اور چور اور رچھہ اور شہزادہ کے متعلق ہمیں کہیں زیادہ آپس کا مصاد رکھتے ہیں کیونکہ کوئی بھی اندویہ خیال نہیں سمجھا تا کہ وہ چور بن جائے گا مگر بعض شہزادوں کو کچھ رچھہ ضرور پتا آ جاتا ہے چنانچہ یہ مصاد تو ہیں کہ بعض تبدیلیاں (Transformation) تو ہوتی ہی ہیں مگر یہ لازمی ہے کہ ہم ان کو پریوں کے دہس کے طریقہ سے فلسفیانہ انداز میں میں سائنس کے طیر طبعیہ انداز میں نہیں اور تو میں قدرت کے انداز میں جب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اندہ چورے کی شکل کیوں اختیار کرتا ہے اور پھل خزاں میں کیوں گر جاتے ہیں تو ہم اسی طرح جواب دیتے ہیں جس طرح پری (Fairy Godmother) سینڈریلا (Cinderella) کو جواب دے سکتی تھی، مگر سینڈریلا یہ پوچھتی کہ چور ہے گھورے کیسے بن گئے اور رات کے بارہ بجے اس کے کپڑے کیسے غائب ہو گئے۔ ہمارا جواب تو ایک ہی تھا جادو (Magic) کی وجہ سے۔ مگر وہ تو قانون نہیں ہے کیونکہ ہم سے کسی عمومی فارمولے کی صورت میں نہیں دیکھتے یہ کوئی لازمہ بھی نہیں ہے اگرچہ ہم عمل طور پر اس کے ہوسے کی توقع کر سکتے ہیں مگر ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ کہیں کہ یہ ہمیشہ ہی ہوتا چاہیے۔ یہ کسی غیر متعین (Unfetterable) قانون کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے (جیسا کہ ہکسلی Huxley سمجھتا ہے جس کی توقع ہم اپنے معمولات میں کرتے ہیں۔ ہم اس پر بھروسہ ہی نہیں کرتے بلکہ اس پر شرط

ہے کو بھی تیار ہیں۔ ہم کسی دور کے مجرے کا خدشہ بھی مولیٰ لیتے ہیں جو دور ہر نمود میں
 کیلک (Pancake) اور دنیا کو تیار کر دینے والہ مدار استعارہ (Comet) ہم اس لئے سے شمار
 نہیں کرتے کہ یہ مجرہ ہے لہذا اس لئے مستثنیٰ ہے، سائنس میں استعمال ہونے والی تمام
 اصطلاحات (Terms) جیسے قانون (Law)، لامیت (Necessity)، تنظیم (Order)، رجحان
 (Tendency) وغیرہ حتمی طور پر دائرہ اشارہ میں کیونکہ یہ ایک باطنی تالیف (Synthesis) کی
 متقاضی ہیں، جو ہم میں نہیں ہے۔ وہ واحد الفاظ جو قدرت کے بیان کے سلسلے میں میری شکل
 کرتے ہیں صرف پریوں کی کہانیوں میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے افسوں (Charm)، سحر
 (Spell)، جادوگر (Enchanter)، یہ حقیقت کی مطلق انحرافی (Arbitrariness) کا ظہار ہے
 اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اس کے دوسرے کو بھی بیان کرتی ہے، ایک درخت ہار آور ہوتا
 ہے، کیونکہ وہ جادو کا درخت ہے، پانی نیچے کی طرف گرتا ہے کیونکہ وہ سم میں گرفتار ہے،
 سورج اس لئے چمکتا ہے کہ وہ ایک افسوں کا شکار ہے۔

میں اس بات سے کلی طور پر انکار کرتا ہوں کہ ہر شاعر ہے یا پھر سراسر ہے، ممکن ہے ہم
 بعد میں کسی امر دینے (Mysticism) تک پہنچیں مگر پریوں کی کہانیوں کی زبان مادہ عقلی اور
 غیر مذہبی (Agnostic) ہوتی ہے۔ یہ ایک واحد طریقہ ہے کہ میں اپنے ربانک کا ظہار اس
 طرح کر سکتا ہوں کہ ہر شے دوسرے سے الگ ہو جائے اور یہ کہ رہے اور انہی دوسرے
 سے عمل میں کوئی تعلق نہیں ہے یہ آئی جی ہے جو ایسے قانون کی بات کرتا ہے جو اس سے
 کبھی دیکھا نہیں ہوتا درنہ ہی جانتا ہے کہ اسرار کیا ہے۔ یہی سائنس کا ایک عام آدمی محض
 جذباتی (Sentimentalist) ہوتا ہے، وہ بنیادوں معانی میں جذباتی ہوتا ہے، کو محض ظاہر سے
 Association میں بیٹھا ہوا اور اسی کے اندر رہتا ہو اس سے ہے شمار ہار پردوں کو کرتے
 ہوئے اور طرے دیتے ہوئے دیکھ ہے اور وہ سوچتا ہے کہ ان دونوں اعمال میں کوئی خواب
 آلود اور تاریک تعلق ضرور ہے، حالانکہ نہیں ہے۔ ایک ہار ہوا عاشق ممکن ہے چاند کو محبوب
 سے لگے کہ کر سکتا ہو جیسے مادہ پرست چاند کو مدوجہ سے لگے نہیں کر سکتا، دونوں صورتوں
 میں ان کے درمیان یہ تعلق ہے سوائے اس کے کہ یہ دونوں سمجھے رکھے گئے ہیں، ایک
 جذباتی نساں ممکن ہے سیب کے درختوں کے گھرے پر آسویا ہے، کیونکہ اس کے لئے آئی
 تلافی کی وجہ سے اسے اپنا بھولا ہوا لڑکھن یاد آجاتا ہو ایسے ہی مادہ پرست پر دھیر

(گرچہ بے تنو پہنالتا ہے) مگر نئے باوجود وہ جذباتی ہے، سب کے درختوں پر پھوس
نے سے اسے صرف سبب ہی آتے ہیں، مگر ایک لحظہ دماغ کا دانشور حس کا تعلق
پر یوں کے دس سے ہو، یہ نہیں دیکھ سکتا کہ بھر طور پر سب کے درخت پر فروری
(Crimson) رنگ کے گل لاد (Tulip) آگ آئیں مگر اس ملک میں بعض اوقات ایسا ہوتا
بھی ہے۔

یہ بیوقوف حیرت کوئی ایسا تخیل نہیں ہے جسے پر یوں کے دس سے حاصل کیا گیا ہو بلکہ
اس کے، نیک پر یوں کے دس کی تمام آگ اس سے حاصل کی جاتی ہے، بے ہی جیسے ہم
سب جہت کی کہانیاں پسند کرتے ہیں، کیونکہ اس میں حس کی جہت موجود ہوتی ہے ہم سب
حیران کر دینے والی کہانیاں پسند کرتے ہیں، کیونکہ وہ حیرت کی قدیم جہت کو چھوٹی ہیں۔ یہ
اس حقیقت سے ثابت کرتا ہے کہ ہم بہت چھوٹے تھے ہمیں پر یوں کی کہانیوں کی ضرورت
نہیں تھی ہمیں صرف کہانیوں کی ضرورت تھی۔ محض رنگ بھی حاصل دیکھی گئی ہے۔ نیک
ساتھ برس کا بچہ اس بات پر ہی بہت دودھ انگیر کی محسوس کرتا ہے کہ اسے یہ بتایا جائے کہ
ریہ سے دروازہ کھولا اور سے ایک ڈا (Dragon) نظر آیا مگر میں برس کا بچہ ہی پر دودھ
محسوس کرتا ہے کہ ریہ سے دروازہ کھولا بچوں کو دانی لے کر پسند ہیں، مگر بہت چھوٹے بچوں
کو حقیقت پسند کہانیاں پسند آتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس کو دیکھ لیتی ہیں حقیقت میں بچہ وہ
وہ قدر ہے جسے حقیقت پسند ناس مگر پڑھ کر کیا چاہے تو وہ سے سن کر بولیں ہوتا
اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سرری کہانیاں بچوں سے پہلے کی دیکھیں اور حیرتوں کی
بارگشت سے لی ہوئی ایک جہت ہے، یہ کہانیاں کہتی ہیں کہ سبب منبری رنگ کے تھے، ایسا
اس نے کہا جاتا ہے کہ نہ بھولے ہوئے محسوس کیا جائے جانا کہ جب اس وقت ہر رنگ
کے ہوتے ہیں۔ وہ اس لئے دیاؤں میں شراب کو بہا دیتے ہیں کہ یہ یاد دلایا جاسکے کہ
دریا پانی سے بھرے ہوئے ہتے ہیں، میں یہ سوچتا ہوں کہ یہ عمل طور پر جائز ہے اور بہت حد
نیک میر لہری بھی ہے اور بلاشبہ اس مقام پر ایک اعلیٰ قسم کی لا اور (Agnosticism) کے
حق میں ہوں۔ اس کا بہتر نام لا علمی مقام (Ignorance) ہے۔ ہم نے سامی کتابوں میں
پڑھا ہے در تمام روڈی کہانیوں میں بھی، اس شخص کے متعلق جو پنا نام بھول گیا تھا۔ وہ شخص
گلیوں میں پھرتا رہا جو شے دیکھ سکتا سے پسند بھی کر سکتا تھا صرف سے یہ معلوم نہیں تھا کہ

وہ کون ہے، چنانچہ ہر آدمی اس کہانی کے آدمی کی طرح سے یہ بھول چکا ہے کہ وہ کون ہے! عکس ہے اس کا اسم (Cosmos) کو سمجھ لے مگر اپنے ایگو (Ego) کو بھی نہیں سمجھ پاتا۔ لگاؤ انسان کی دست ستاروں سے بھی نہیں دیا (دور ہے)۔ ہم اپنے خدا سے محبت کرو گے، جو تمہارا رب ہے، لیکن تم اپنے آپ کو نہیں جانتے گے۔ ہم سب ذاتی تہائی کے بارے میں سوچتے ہیں، ہم سب اپنے نام بھلا چکے ہیں، ہم یہ بھلا چکے ہیں کہ ہم حقیقت میں کون ہیں۔ ہم عقل سلیم یا عقل کہتے ہیں اور عملیت (Practicality) یا ثابتیت (Positivism) کا مطلب یہ ہے کہ پٹی رنگ کی ایک مردہ سطح تک ہم نے یہ بھلا دیا ہے کہ ہم کیا کچھ بھلا چکے ہیں۔ جس شے کو ہم روح (Spirit) کہتے ہیں، آرٹ یا دھرم (Ecstasy) کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم کسی غیر تاکہ لے میں یہ یاد کرتے ہیں کہ ہم نے بہت کچھ بھلا دیا ہے۔

کارل ساگان (Carl Sagan)

آپ نے لیلی دیمین پر فلم کاسموس (Cosmos) ضرور دیکھی ہوگی اس کی کئی قسطیں پیسے
 انگریزی میں دکھائی گئیں اور پھر ان کا اردو ورژن پیش کیا گیا۔ اس میں ہر کے میزبان بھی خود
 کارل ساگان ہی تھے اس نام سے اس کی شہرہ آفاق کتاب شائع ہوئی ہے۔ برطانوی ماہر
 فلکیات سر رابرٹ ہال (Sir Robert Ball)، سر آر تھر سٹینلی (Sir Arther Stanley Eddington) اور سر جیمز جیمز (Sir James Jeans) نے سائنسی مضامین کے لئے ایک ادبی
 راستہ تلاش کیا تھا۔ یہ تینوں سائنس دان بھی تھے اور کمال کے لکھاری بھی۔ اسی راستے پر چلتے
 ہوئے کارل ساگان سائنسی موضوعات پر لکھے والے مقبول مصنف بنے۔ کون بتا سکتا ہے کہ کتنے
 لاکھ انسان اس کی تحریروں کو پڑھ کر پچھلی پارسا سائنسی بصیرت اور مہمت سے آشنا ہوئے ہیں۔
 سبھی جانتے ہیں کہ کارل ساگان کی سب سے بڑی خواہش ان سیاروں پر زچین زندگی
 کی تلاش ہے جو ہمارے نظام شمسی سے بھی ماور ہیں۔ وہ اس قدر صاحبِ علم ہے کہ اس سے
 عام لوگوں کی ان جہدوں کو کوئی اہمیت بھی نہ دی جو وہ خلائی فطرتی (UFO) کے بارے میں
 مانتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ ترقیوں کے پیغامات سنے ہیں، جو دور گھنٹی آیا
 ہیں۔ جیسا کہ ماہر کویات فلپ مورسن (Philip Morrison) نے کہا ہے "ہم اسی وقت تک
 کچھ نہیں کہہ سکتے جب تک ہم خود نہ س لیں۔ بل شہید ہم کبھی معلوم نہ کر پائیں گے سوائے اس
 کے کہ ہم سے پہلے ہی خود کو تباہ کر لیں۔" ساگان کی دوسری شاہدہ جو پیش اس لوں کو اس
 خطرے سے آگاہ کرتا ہے، جو ہر برس آباد ہو جاتا ہے کیونکہ کسی نہ کسی جاں جو ہتھیار میں
 کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

کارل ساگان

کیا ہم کائنات کو جان سکتے ہیں؟

نمک کے ایک دانے کے بارے میں کچھ خیالات

کوئی شے بھرپور نہیں ہے صرف قدرت کی دہمت ہی نہ ختم ہونے
واں ہے۔ وہ ہمیں صرف اپنی سطح ہی کا علم فراہم کرتی ہے، حالانکہ اس
کی گہرائی کوڑوں میل تک چلی گئی ہے۔

رالف والڈو ایمرسن

(Ralph Waldo Emerson)

ہائیس ایک انداز فکر ہے اس کو محض علمی شعبہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کا جوف یہ معلوم
کرنا ہے کہ دیا جلتی کس طرح ہے یہ دیکھنا کہ یہاں کون کون سے نظام کام کر رہے ہیں۔
چیزوں کے اتصال کے اندر جھانکنا، انٹیم کے اندر موجود پارٹیکلز (Particles) جو تمام مادے کو
تفکیک دیے ہوئے ہو سکتے ہیں، زندہ نامیہ (Organisms) جان سہتی معاشرہ اور اس کے
ساتھ ہی ساتھ پورے کائنات کی مجموعی صورت۔ ہمارا وجدان (Intuition) ایسی شے نہیں
ہے جو ہماری رہنمائی میں کبھی غلطی ہی نہ کر سکتا ہو۔ ہمارا ادراک (Perception) تربیت اور
تخصیب یا محض اس وجہ سے کہ ہمارے حیاتی عضو محدود صلاحیت کے مالک ہیں چیزوں کی
صورت کو بگاڑ دیں۔ (ہمارے جسمانی ذرائع) بلکہ واسطہ طور پر مظاہر دنیا کے محض ایک چھوٹے

سے جسے کو دیکھتے ہیں، حتیٰ کہ آئینہ سیدھا سا وہ سوال تھا یا مگیا کہ رگڑ (Friction) کی مدد سے موجودگی میں ایک پاؤٹر کے (Lead) اور ایک گرم روئی (Fluff) میں سے کوئی شے زیادہ تیزی سے گرے گی تو ارسطو سے جو جو سب دیا تھا وہ غلط تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ گلیلیو (Galileo) کے زمانے سے پہلے اس کا جواب کسی سے بھی درست نہیں دیا تھا۔ سائنس تجربے پر انحصار کرتی ہے وہ دعا (Dogma) کے چیلنج کو قبول کرے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی ہے اور وہ کہنے دل کے ساتھ کائنات کو اس صورت میں دیکھنا چاہتی ہے جیسی کہ وہ ہے۔ لہذا بعض اوقات سائنس کو جرأت کا، ظہار بھی کرنا پڑتا ہے۔ کم از کم اتنا تو کرنا ہی ہوتا ہے کہ روایتی حکمت کی پڑتال کرے کی جسارت کی جائے۔

اس کے علاوہ سائنس کا دوسرا ضلع یہ ہے کہ دو کسی شے پر واقعی غور و خوض کرے۔ مثلاً یہ کہ ہادب کی شکل کیا ہوتی ہے ان کا تیز پھلا کنارہ آسمان پر کیا ایک ہی بلندی Altitude پر ہوتا ہے۔ چتے پر شہنشاہ کے قطرے کی صورت کیا ہوتی ہے۔ بعض الفاظ کے مفہم کیا ہیں؟ جیسے شکسپیر (Shakespeare) یا دوست (Philanthropic) یا کہ سال کے معاشرتی رواجوں کی وجہ کیا ہوتی ہے، ہم فحشی رشتوں سے بھی فعل کو مسموم (Taboo) کیوں سمجھتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ عدم سورج سے آئے والی روشنی کی حد سے فائدہ کو جٹا دیتا ہے، سیر کر سہ واں چھتری درخت کی ٹہنی سے ملی جلتی کیوں ہوتی ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے کہ چلتے ہوئے ہم ٹھوس کرتے ہیں کہ چاند وہاں تو قب کر رہا ہے۔ ہم زمین میں سورج کرتے کرتے زمین کے مرکز تک کیوں نہیں پہنچ پاتے، کرڈی (Spherical) زمین کے سلسلے میں نیچے (Down) کی تعریف کیا ہے؟ جسم کل کے ٹھانے ہوئے ٹھانے کو آج کے معنی اور وتر (Screw) میں کس طرح تبدیل کر دیتا ہے یا کس حد تک وہ ایسا کر سکتا ہے؟ کیا کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اگر ایسا نہیں ہے تو کیا اس سوال کے کوئی معانی ہیں کہ دوسری طرف کیا ہے؟ ان میں سے کچھ سوال ایسے ہیں جن کا جواب دینا بے حد آسان ہے، دوسرے کئی سوال، خصوصاً آخری سوال ایک ایسا اسرار ہے جس کے پاس میں کوئی بھی آج تک یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا، پھر کچھ سوال ہیں جو قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں، ہر ثقافت نے یہ سوال کسی نہ کسی صورت میں اٹھائے ہیں، شاید ہمیشہ ہی ان کے جوابات کچھ یوں ہوتے ہیں کہ ”پھر ہوں ہوا تھا“ یہ کوشش ہے چیزوں کو تجربہ کیے بغیر بیان کرے کی، اتنا

بھی نہیں کیا جاتا ہے کہ مشاہدہ کرتے وقت ہی مورثہ اعلیٰ سے کر لیا جائے۔

مگر جو بدن سائنسی (یعنی کے حامل ہیں وہ دنیا کے امور کا تجزیہ کرتے ہیں۔ یوں جیسے بہت سی نیکی دنیا میں موجود ہیں، جو ایک دوسرے کی جگہ سے ملتی ہیں، جیسے کہ وہ شیا بھی یہاں موجود ہیں، جو موجود نہیں ہیں۔ اس پر ہم یہ سوال اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہی کیوں موجود ہے اور کوئی دوسری شے کیوں موجود نہیں ہے؟ سورج چاند اور سیارے پہ کرات سمیت موجود ہیں، مگر اہم مصر (Pyramids) و کعبہ (Kaaba) کی صورتیں (Dodecahedra) کیوں نہیں؟ بہت بے گاہکوں اور گڈے اشیاء کیوں نہیں؟ نیکی متوازن یا متشاکل (Symmetrical) ہی دنیا کیوں؟ اگر آپ کچھ وقت مفروضے بنانے میں گزاریں اور پھر یہ بھی اس کی کچھ مطابقت ہے کہ نہیں۔ کیا کوئی ایسا طریقہ آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کی پڑتاں کی جائسے تاکہ آپ کے مفروضے کے حق میں یا اس کے خلاف مواد مل سکے۔ مگر آپ یہ سب کچھ کریں گے تو یقیناً جائے آپ سائنس ہی میں مشغول رہیں گے۔ اگر اس طرح کام کرنا آپ کی عادت بن جائے اور آپ زیادہ سے زیادہ اس عادت کی گرفت میں آتے چلے جائیں، تو پھر آپ اس کام میں دور در دور بہتر ہوتے چلے جائیں گے۔ چیزوں کے باطن کے اندر داخل ہونا خواہ وہ شے کتنی ہی معمول کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ دھڑ دھڑ (Wall Whammy) کے کہنا تھا، دو گھنٹوں کا تھکا ہوا کیوں نہ ہو یہ بات انتہائی نشاط انگیز ہوتی ہے مگر یہ نیکی و لذت ہے جس کو اس سیارے میں رہنے والوں میں سے صرف انسان ہی محسوس کر سکتا ہے، اہم ایک ذہن نوع ہیں اور نیکی، انسانیت کا استعمال ہمارے لیے نشاط انگیز ہوتا ہے اس اعتبار سے ہمارا ایک پٹھہ (Muscle) کی طرح ہے۔ جب ہم بہتر سوچتے ہیں تو بہتر محسوس بھی کرتے ہیں، سمجھ لینا ایک طرح کی دھڑ آواز کیفیت ہے۔

لیکن ہم کس حد تک بچے گرد پھیل، کوئی کائنات واقعی جان سکتے ہیں بعض اوقات وہ لوگ ہر سوال اٹھاتے ہیں، جنہیں سمجھ سکتے ہیں کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا، وہ ایک نیکی کائنات سے خوفزدہ ہیں جس کی برائی کے بارے میں کبھی نہ کبھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا اور بسا اوقات بعض سائنس دان بڑے احماد کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہر وہ شے جسے جانا جانا چاہئے جدیدی جان کی جائے گی۔ پھر یہ کہ جان کی کئی ہے اور وہ جو سائنس دان

Dionysian یا پونی بیشیال (Polynesian) عہد کی تصویریں بناتے ہیں، جب انشور۔ ووق وشنو مرہیا گیا تھا اور اس کی جگہ ایک ملکی پھلکی وماندگی (Langour) اے نے فی تھی۔ پیم خود Lolus Eaters) کھوپرے کا خمیر آمود (Fermented) دودھ (ٹاڑی) یا کوکی اور بلکا نشہ (Hallucinogen) استعمال کرتے تھے۔ حالانکہ یہ پونی عیسین کی دوقب اقسام کے لیے میبلک تھی۔ لیکن نیکے نشے کی وجہ سے دانشورانہ درہاست کے بے محرک خیال کی جاتی تھی (بعض لوگسے سے بڑی اہمیت دی تھی۔ ب یہ کھل ہے کہ یہ بہت بڑی غلطی تھی جو وہ کرتے رہے تھے۔

آئیے ایک بہت ہی معمولی سوال پر غور کریں، سوال یہ نہیں ہے کہ ہم کائنات کو ملکی دے کھنکشاں (Milky way Galaxy) یا ستارے کو پارین کو جال سکتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ہم تھی طور پر نمک کے دیرے یا ذرے (Grain) کو پوری جزئیات میں جان سکتے ہیں، ایک مائیکروگرام (Microgram) کھارے واسے نمک کو مطالعہ کریں، یہ نمک میں اتنا سا ہو کہ بغیر خوردبین کے عام وضائی کا فغض اسے دیکھ سکتے۔ نمک کے اس ریزے میں سوانیم (Sodium) اور کلورین (Chlorine) کے ایٹم ہوں گے۔ گر نمک کے ایک ریزے کو جاننا چاہیں تو ایسے ان تمام ایٹموں کی سر ابعادی (Three Dimensional) حیثیت کا علم ہونا چاہیے (حقیقت یہ ہے کہ جاننے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے مثلاً یہ کہ ان ایٹموں کے درمیان کوئی قوتیں کام کر رہی ہیں مگر اس کے باوجود ہم ایک معمولی سی پائش کر پائیں گے) کیا مٹی گنتی تقریباً اتنی ہی ہے جتنی گنتی کو اار دماغ جان سکتا ہے؟

ہمارا دماغ کیا کچھ جان سکتا ہے؟ شاید دماغ کے اندر 10^{10} نروں (Neurons) موجود ہیں، پھر سرکٹ (Circuit) کے جزا اور سوئیچ (Switch) بھی ہیں، جوازمین کے برقی اور کیمیائی اصال کے دے دار ہیں۔ سانی دماغ ٹائیک عام یوروں شاید ہزاروں چھوٹے چھوٹے تار (Wires) رکھتا ہے، خوشخبریلی (Dendrites) کہلاتے ہیں، اور سے دوسرے نوروں کے ساتھ ملاتے ہیں، خیال یہ ہے کہ جو اطلاع بھی ہمارے دماغ تک پہنچتی ہے وہ انہیں را بطور (Connections) کے در پچے سے پہنچتی ہے، جس چیزوں کو اسانی دماغ جان سکتا ہے، ن کی تعداد 0 بھی ایک سو ملین سے زیادہ نہیں ہے، مگر یہ سارے اعدہ دوشمار علم کے ریزے کے اندر موجود یٹوں کا صرف ایک فیصد ہیں۔

چنانچہ ان معنوں میں تو کائنات ہماری گرفت میں آنے والی نہیں اور حیرت انگیز طور پر وہ ہر ایسی جان کوشش کے خلاف ہے جس میں ہر علم حاصل کرنے کی جو ہل موجود ہو۔ مگر اس سطح پر تو ہم تک کے ایک ریڑے کے بارے میں تعظیم بھی حاصل نہیں کر سکتے جو ہم کائنات کے منہ میں کر سکتے ہیں۔

لیکن آئیے ہم اپنے ہائیکروگرام تک پر ڈرا اور گہری نظر ڈالیں، تک قلم کی (Crystal) صورت میں، تیاب ہے یہ تک بات ہے کہ کرٹل کی ساخت میں جھل (Lattice) کا عنصر ہو اس کی ایک اسٹریکچر ہے ویسے تو سوڈیم اور کلورین کے ایٹموں کی ترتیب پہلے سے متعین ہوتی ہے اگر ہم خود کو اس قلم کو دنیا میں بکھر کر لے جائیں، تو ہم یہ دیکھیں گے کہ قطار اندر قطار ایک منظم طریقے سے پہلے ہوئے ہیں، یہ باقاعدگی سے ایک دوسرے کی جگہ پہنچنے والی ساخت ہے، سوڈیم کلورین، سوڈیم فلورین، یہ ہر تختے کی ایٹمی ترتیب ہے جس پر ہم کثرت ہیں، ہر جو ہارے سروں کے اوپر ہے یا بہت نیچے ہے، ایک مثل طور پر خاص تک کرٹل میں ہر ایٹم کی ایک مخصوص پوزیشن ہوتی ہے اور اس میں ایک جیسے دس نکڑے ہوتے ہیں۔ یہ اطلاع ساری دماغ کی معلومات دماغی صلاحیت کے لیے کوئی خاص چیز نہیں ہے۔

کائنات کے وہ قدرتی قوانین جن سے اس کا کردار متعین ہوتا ہے، اگر اس وجہ سے باقاعدگی کرتے ہیں جو تک کے کرٹل کے اندر موجود ہے تو پھر بلاشبہ کائنات کی تنظیم ممکن ہے۔ مگر یہ بہت سے قوانین بھی ہوں اور ہر ایک کے اندر اچھی خاصی پیچیدگی ہو، تو پھر بھی سالوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس سب کو سمجھ لیں، خود علم دماغ کی معلوماتی رسد کی صلاحیت سے بہت زیادہ ہی کیوں نہ ہو، ہم اپنے جسم کے باہر بھی تو معلومات جمع کر سکتے ہیں مثلاً کتابوں میں، یا کمپیوٹر (Computer) کی یادداشت میں، اور اس کے باوجود ہم بہت حد تک یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کائنات کو جانتے ہیں۔

یہ بات سمجھ میں آئے گی ہے کہ اس بات کا بہت قائل ہے کہ وہ قدرت کی باقاعدگی اور قدرتی قوانین تلاش کرے، قاعدے قابو تلاش کرنا تعظیم کا وہ دھڑور ہے ہے جو کہ قدرتی وسعت پدم اور پیچیدہ کائنات میں کارآمد ہو سکتا ہے اور وہ سائنس کہلاتا ہے۔ کائنات ان لوگوں کو جو اس کے اندر رہتے ہیں، مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کو سمجھیں۔ وہ مخلوقات جو دوسرے کے تجربات میں واقعات کو گنڈ کر دیتی ہیں، وہ پیش پیش کر سکتی ہیں اور

۔ یہی کائنات میں کوئی باقاعدگی دیکھتی ہیں، بری طرح رد و رد مہم ہیں۔ کائنات تو ہے ہی ان کے بچے جنہوں نے اسے کسی نہ کسی حد تک سمجھ لیا ہے۔

یہ ایک حیران کن حقیقت ہے کہ قدرت میں ایسے قوانین اور قاعدے موجود ہیں جن کی تفہیم آسانی سے ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی کچھ محض معیاری (Qualitative) ہی نہیں ہے، مقدار (Quantitative) بھی ہے۔ یہ دیکھنا کہ کائنات کیسے کام کرتی ہے۔ ہم ایک سی کائنات کا تصور کر سکتے ہیں، جہاں ایسے کوئی قوانین نہیں ہیں جن میں 10¹⁰ ہزاروں پارٹیکل (Particle) ہیں جن سے کائنات تشکیل پاتی ہے۔ دسی ہی جیسی کہ ہماری ہے یہ پارٹیکل آپس میں باہل تعاون نہیں کرتے۔ کسی کائنات کو سمجھنے کے لیے ہمیں جس رمارک کی ضرورت ہوگی، وہ بھی کم رکن س کائنات کے برابر ہوگا۔ یہ بھی ممکن نہیں لگتا کہ ایسی کائنات میں زندگی موجود ہو، اور دہانت موجود ہو کیونکہ دماغ کے وجود کے لیے کچھ بہ کچھ ضروری استحکام اور نظام ضروری ہے۔ لیکن ایک ایسی کائنات میں جو ہماری کائنات سے کہیں زیادہ بے قاعدہ (Random) ہو مگر ایسی خصوصیات ہوں بھی، جن کی دہانت ہماری دہانت سے کہیں زیادہ ہو، پھر بھی ہم سے زیادہ علم، جذبات اور حس نہیں موجود نہیں ہو سکتیں۔

یہ ہماری خوش قسمتی نہ ہم ایک سی کائنات میں رہتے ہیں جس میں کم از کم ایسے حصے تو موجود ہیں جس کو ہم جان سکتے ہیں۔ ہماری عقل سلیم کے تجربات اور ہماری رفتاری تاریخ سے ہمیں پتہ چلا ہے کہ ہم رد و رد کی دیاوی زندگی کے بارے میں کچھ جان سکیں۔ جب ہم دوسری عالم (Realms) میں داخل ہوتے ہیں تو ہمارا فہم مشترک (Common Sense) اور ہمارا عمومی وجدان بے حد ناقص، ضیاع و زعم ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بات انتہائی حیران کن ہے کہ جب ہم روشنی کی رفتار کے قریب ہوتے ہیں، تو ہمارے جسم کی کثرت غیر معین طور پر بڑھ جاتی ہے۔ ہم حرکت کی سمت کی طرف جمع مہنائی (Thickness) میں سکڑ جاتے ہیں اور وقت ہماری حواس کی مطابق دگنا چلا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تصور بکواس ہے اور ہر نئے پاپہر حواڑے میں مجھے کوئی نہ کوئی خط ایسا ضرور مل جاتا ہے جو اس کے بارے میں سخت شکاک کرتا ہے مگر اس کے باوجود یہ بات حتمی طور پر درست ہے اور اس کی بنیاد محض تجربہ نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ امبرٹن شائن (Albert Einstein) کا رمان و مکالم کا ایک ہیئت دہانت آمیز تجزیہ بھی ہے جس کو خصوصی نظریہ اصطلاح (Special Theory of Relativity) کہتے ہیں۔

(Relativity) کہا جاتا ہے، مگر یہ باتیں ہمیں ناقابل یقین لگتی ہیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، ہم کو روشنی کی رفتار کے قریب سفر کرے یا عادت بھی تو نہیں ہے، ہمارے قلم مشترک کی گواہی بہت زیادہ رفتار پر ٹھوک کا شکار ہو جاتی ہے۔

اب آپ ایک ایسے سالمے (Molecule) کا تصور کریں جو تنہا ہے مگر دو بیٹوں پر مشتمل ہے اور اس کی شکل ڈمبل (Dumbbell) جیسی ہے۔ گویا دو ٹمک کا سالمہ ہے یہ ہو بھی سکتا ہے، اب سامنے اپنے محور (Axis) پر اسے تھمے کے مقام پر حرکت کرے گا جہاں دو بیٹم ملتے ہیں، مگر کوانٹم میکینکس (Quantum Mechanical) کی دنیا میں بہت چھوٹی شے کی گھمرو (Realm) میں ہے جس میں ذیلی سالمے کی سمت بندی (Orientation) ممکن نہیں ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ سالمہ سمت بندی کے حساب سے افقی (Horizontal) حالت میں ہوا پھر عمودی (Vertical) حالت میں ہو، مگر اس کے درمیان ریادہ راویہ ممکن نہ ہوں۔ کچھ گردش جاتی ہیں انکی بھی ہو سکتی ہیں جو ممکن نہ ہوں مگر ان کو روکنا کون ہے، ایسا تو قدرت کے قانون ہی کرتے ہیں۔ یہ کائنات اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ یہ تو محدود کرتی ہے، یا مقدار ہی شکل میں لاتی ہے (Quantise) یا گردش میں رکھتی ہے (Rotation) یہ بھی کچھ بلاو خطہ طور پر نامورے روزمرہ کے تجربے کا حصہ نہیں ہے۔ ہمیں یہ بات بہت جبران کن اور پریشان کر دینے والی لگتی ہے کہ ہم کسی مشین کرتے بیٹھ جائیں کہ ہمارے ہر ایک طرف سے دپر کوٹھے ہوئے ہوں اور دو میدانِ آسمان کی طرف شام کو دپے ہوں مگر درمیان کی بہت سی پوریشیں مسوہ ہوں، ہم 'جہاں صلیب' میں تو رہتے ہیں وہ جہاں جڑ 13¹⁵ ملی گریڈ کی پیکش میں ہوتا ہے۔ ایک ایسی گھمرو میں جہاں اعداد یہ اور ایک کے درمیان یا ۱۰ صفر موجود ہوتے ہیں، لہذا ہماری عقل سلیم اور وجدان ہمارے کسی کام کے نہیں، جس شے کی ہمیں ضرورت ہے وہ ہے تجربہ اور موجودہ معاملے میں دو مشاہدات جو ساموں کے طیف (Spectra) کے سلسلے میں بہت فاصلے سے کئے جاتے ہیں۔ وہ یہ دکھاتے ہیں کہ سرمائی گردش محدودی ہو گئی ہے۔

یہ خیال کہ دنیا انسانی صلاحیتوں پر قدغن لگاتی ہے بہت حوصلہ شکن ہے، ہم اس کا بل کیوں نہیں ہو پاتے کہ ہم درمیان گردش مقامات پر جائیں؟ ہم روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر سفر کیوں نہیں کر سکتے؟ لیکن بھی تک ہم کچھ بنا نہیں سکتے یہ کائنات تشکیل ہی کچھ نہ

طریقے سے ہوئی ہے یہ معمولات ہمیں۔ صرف ایک نگاہ کی طرف دیکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ دیا کو یاد دہانے کے قابل بھی بناتی ہیں ہر رکاوٹ قدرت کے ساتھ ایک مطابقت رکھتی ہے اس سے کائنات میں باقاعدگی پیدا ہوتی ہے مادے اور توانائی پر جس قدر پابندی یاد دہانہ ہوتی ہے قدر، "ماں یکہ سنے گا" یاد علم حاصل کر سکے گا۔ یہ سوال کہ کیا کسی پہلو سے یہ کائنات بالآخر چائی جاسکتی ہے اس کا انحصار صرف اس بات پر نہیں ہے کہ یہاں کتنے قاتلہ قدرت موجود ہیں جو مختلف اقسام کے مظاہر کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہیں بلکہ اس کا انحصار اس بات پر بھی ہے کہ کیا ہم اتنا کھلے، ان اور دانشوران صلاحیت بھی رکھتے ہیں کہ ہم ان قوتوں کی تفہیم کر سکیں۔ قدرت کی باقاعدگیوں کے سلسلے میں ہماری تفہیمات یقیناً اس بات پر منحصر ہیں کہ خود ہمارے دماغ کی ساخت کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت حد تک یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ہوگی کہ خود کائنات کس طرح بنی گئی ہے۔

جہاں تک ہر اعلق ہے مجھے تو یہی کائنات بہت مرعوب ہوگی جس میں بہت کچھ ایسا ہو جو جاتا۔ گیا ہو مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ بہت کچھ ایسا بھی ہو جسے جان لیا گیا ہو۔ یہی کائنات جس کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی گئی ہوں ایک جھپکی اور ڈکٹا دینے والی کائنات ہوگی۔ ویسے ہی جیسے بعض کمزور دماغ دینی ماہرین کے لیے دوسری دیا ہے۔ جس کائنات کے بارے میں ہم جان ہی نہیں سکتے وہ کسی ایسی مخلوق کے لیے نہیں ہے جو سوچنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ہمارے لیے مثالی کائنات تقریباً ویسی ہی ہوتی چاہیے جیسی کہ وہ کائنات جس میں ہم اس وقت رہ رہے ہیں۔ درمیر سے خیال میں یہ ممکن اتفاق نہیں ہے۔

کھڑا ہونا ایک انتہائی سہل کام ہے جو ہر ایک کے لیے ہے۔ ہر ایک کے لیے ہر ایک کے لیے ہر ایک کے لیے ہر ایک کے لیے۔
 سائنس ایک تہذیب کی دعوت ہے جو پانی کو گھومنے کی آگ پلائی ہے مگر یہ دونوں لکڑی کے ایک۔ سکون اور میر جری
 شے جاتے ہیں جو دونوں تک پہنچاتی ہے۔ ان تینوں کے درمیان میں ہیں جو ان چیزوں کے اندر سمجھ جاتے ہیں
 Chemistry ہے جسے سمجھنے کے لیے علم لازم ہے۔ علم لازم (Bhak) کی ضرورت پڑتی ہے۔

ہوزے اور تیرگاوائی گاسیت (Jose Ortega Y Gasset)

ہوزے اور تیرگا گاسیت کو اس کی مشہور کتاب *The Revolt of the Masses* کی وجہ سے عالمی شہرت ملی تھی۔ یہ کتاب 1929ء میں ہسپانوں میں شائع ہوئی تھی۔ 1932ء میں اس کا ترجمہ شائع ہوا۔ وہ مارکسزم کی مقبولیت اور اشتراکیت کی توسیع کا زمانہ تھا۔ گاسیت نے اپنی کتاب میں اس سطحیت کی طرف توجہ دلائی تھی جو عوام اور عوامی فکرمندی کے نام پر یورپ میں پیدا کی جا رہی تھی۔ امریکہ کے ممتاز رسالے "اٹلانٹک" نے اس کتاب کے بارے میں لکھا تھا کہ "نہارویں صدی میں روس کی کتاب 'معاہدہ محرم' اور بیسویں صدی میں کارل مارکس کی 'وائس کونٹری' کو جو ہیبت حاصل تھی بیسویں صدی میں گاسیت کی اس کتاب کو وہی ہیبت حاصل ہے۔ گاسیت اسپین کی پارلیمنٹ کا رکن رہا اور میڈرڈ یونیورسٹی میں فلسفہ پڑھا تا رہا۔ 1955ء میں اس کا انتقال ہوا۔"

ہونے اور ترقی کا سیت

”تخصیص کاری کی بربریت“

میرا کہنا یہ ہے کہ انیسویں صدی کی تہذیب نے ایک خواہ کار طریقے سے فزواں انسان یا جنائی انسان (Mass Man) پیدا کیا ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ کوئی عمومی بات بغیر تخریے کے، اور اس خاص مطالعے میں پیداوار کی میکانیت کا مطالعہ کئے بغیر نہ کی جائے چنانچہ اس طریقے سے جب ہم انھوں ہیئت میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نظر سے کہ ایک کس سے جالی توانائی حاصل ہو جاتی ہے۔

میر خیال یہ ہے کہ بیسویں صدی کی تہذیب کی مجموعی صورت کو دو عظیم جہتوں میں جاس کیا جاسکتا ہے یعنی ”راہ خیال (Liberal) مشہوریت اور تکنیکیہ (Technicism) فی حال“۔ پے ہم دوسری جہت پر بات کریں ”جدید تکنیکیہ سرمایہ داری اور تجرباتی سائنس کے ملاح سے بھرتی ہے۔ مگر تمام تکنیکیہ سائنسی نہیں ہوتی۔ جس سے بھی مشلی (Chokan) عہد میں پھر کا کھڑا بنا یا تھا“ سے سائنس تو نہیں ”تی تھی مگر اس کے باوجود ایک تکنیک بناد ہو گئی تھی لیکن میں بہت اعلیٰ درجے ن تکنیک پیدا ہو گئی تھر اس کو بالکل علم ہی نہیں تھا کہ طبیعیات نام کی کسی چیز کا وجود بھی ہے۔ یہ تو صرف جدید یورپی تکنیک ہے جو سائنسی بنیادوں پر استوار ہے اور سی سے اس کا حاصل کردار بھی متعین ہوتا ہے اور یہ مکاں بھی کہ اس کی ترقی لامحدود ہے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی تکنیکیہ ہیں حوہ ان کا تعلق عراق العرب

(Mesopotamia) سے ہو، مصر سے ہو، یونان سے، روم سے یا پھر عربوں سے وہ ایک ایسے مقام تک رسائی حاصل کر چکے تھے جس سے آگے جانا ان کے بس میں نہیں تھا۔ اور وہ بھی اس مقام تک پہنچے ہی تھے کہ ان کے اندر ایک ہلکی ناک مزاحمت شروع ہو گئی۔

یہ شارمار مغربی تکنیک ہی ہے، جس نے یورپی نوع کی تخلیق خیزی (Proliferation) کو ممکن بنا دیا تھا۔ اس حقیقت پر یار کریں جہاں سے اس مضمون میں ایک یا مؤثر "یا تھا" اور جس کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ اس کے جراثیم میری موجودہ معروضات میں موجود ہیں، چھی صدی سے انھار دینا صدی تک یورپ بھی 180 ملین آبادی کی حد سے تجاوز نہ کر سکا تھا مگر 1800 سے 1914 تک اس کی آبادی 460 ملین ہو گئی تھی۔ یہ جہت ہماری تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ تکنیکیات کی وجہ سے ہوا تھا۔ اور اس اختراع میں آزاد خیال جمہوریت بھی شامل تھی۔ جس نے فراوان انسان کو مقداری معنوں میں پیدا کیا تھا مگر ان صحاح میں ہم سے یہ بتائے کی کوشش کی ہے کہ اس کی وجہ سے یہ اس میں یا فرداں "دی معیار" (Quantitative) سطح پر بھی وجود میں آیا تھا اور اس میں بے قدری برے و (Pejorative) معانی بھی شامل تھے جہاں انسان یا عمومی انسان (Mass) سے مراد جیسا کہ میں آغا میں بتا چکا ہوں صرف مزدور یا ورکر نہیں سمجھتی پانچ سو کا اشارہ کسی معاشرتی طبقے کی طرف نہیں ہے بلکہ ایک ایسے "دلی" کی طرف ہے جو آج کے زمانے میں سب طبقوں میں پایا جاتا ہے اور وہی صحیح معنوں میں ہمارے دور کا نمائندہ ہے اور وہی اس میں سربراہ دارو ہے اور طاقت بھی اسی کے پاس ہے، مگر ہم اس کے بارے میں بہت سی شہادتیں تلاش کرنے دے ہیں۔

وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں "ج" معاشرتی قوت ہے؟ وہ کون ہے جو پتی پتی ہتھوں (Forms) کو اس عہد پر مسلط کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ درمیائے طبقہ (Middle Class) کا آدمی ہے مگر درمیائے طبقے میں وہ کونسا گروہ ہے جسے آج کی "شرافیہ" (Aristocracy) اعلیٰ ترین خیال کرتی ہے؟ بلاشبہ وہ ٹیکنیشن (Technician) ہے، انجینئر ہے، ڈاکٹر ہے، سربراہ لگانے والا (Financier) ہے، استاد ہے، ویرہ ویرہ۔ مگر ٹیکنیشنوں کے اس ہجوم میں وہ کون ہے جو اعلیٰ ترین اور خاص ترین کی نمائندگی کرتا ہے؟ ایک بار پھر بلاشبہ وہ تو سائنس دان ہی ہے، مگر ستاروں کی مخلوق (Astral Personage) آج یورپ کی سیاحت پر آنے اور اس کے بارے

میں کوئی علم صادر کرنا چاہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں یورپ ایک بہت ہی اچھے تجزیے کا مستحق ہے تو وہ بھی سامنے کے آدمیوں کی طرف ہی اشارہ کرے گی۔ بلاشبہ ہماری ستاروں کی مخلوق کی انفرادی ہستی، Exception کی مثالیں میں نہیں ہوگی، وہ تو محض کس بیرونی نوع، Genetic type کا سامنے کا آدمی ہی دھوئے ہوئے جو یورپ کے عمومی آدمی کی تالی ہیں۔

اور یہ یہ مقدمہ کہتا ہے کہ حقیقی سائنس دان ماس میں کا اصل نمونہ (Prototype) ہے۔ مگر ایسا اتفاق سے نہیں ہے اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ ہر سائنس دان کے اندر کوئی کئی موجود نہ ہو بلکہ اس کا سبب تو خود سائنس ہے جو ہماری تہذیب کا مادہ (Root) ہے۔ وہ اسے ایک خود کار طریقے سے ماس میں کی شکل دیتی ہے اور اسے ایک کہہ (Primitive) اور جدید (Barbarian) کا جتنی ہے یہ حقیقت بھی کو معلوم ہے اور اس نے بار بار اپنا اظہار بھی کیا ہے لیکن جب اس موجودہ نظریے کے غائبے کے اندر جگہ ملتی ہے تو پھر سارے معانی نکلتے ہیں اور اس کی پیروی کرنے کا راستہ ہوتا ہے۔

تقریباً سائنس کا شمار سولہویں صدی کے آخر کے قریب ہوا تھا (مگلیو) اور سترھویں صدی کے اختتام سے پہلے وہ یقینی طور پر تکمیل پا چکی تھی اور گیارہویں صدی کے وسط میں اس کی ترقی کا شمار ہو گیا تھا۔ کسی بھی شے کی ترقی اور اس کا تکمیل پانا ایک سادہ نہیں ہوتا اس لیے میں کئی امور توجہ طلب ہونے میں چنانچہ علم طبیعیات (Physics) کا تکمیل پانا جو تجرباتی علوم کا مجموعی نام ہے ان سب کو ایک اکائی میں لانے کی ایک لاری کوشش ہے اور یہی کام نیوٹن نے اور اس کے دوسرے ہم عصروں نے انجام دیا تھا۔ مگر طبیعیات کی ترقی سے ایک ایسا گہوارہ متعارف کروایا جو وحدت تکمیل دہنے کے کردار سے بالکل علیٰ حق تھا۔ سائنس کو ترقی کرنے کے لئے تخصیص (Specialization) کی ضرورت تھی اپنے اندر نہیں بلکہ سائنس دانوں کے درمیان خود تو تخصیص کا نہیں ہوتی اور اگر کبھی ایسا ہو تو سائنس بھی وہی نہیں مکتی۔ تجربہ (Empirical) بھی نہیں وہ جی سائیت (Integrity) میں نورست ہو مکتی ہے اگر وہ واقعی ریاضی سے الگ کر دی گئی ہو یا پھر منطق (Logic) اور فلسفے سے۔ مگر سائنس کام کے لئے ضروری ہے کہ وہ تخصیص کا کام کرے۔

جیس کہ پہلی نظر میں محسوس ہوتا ہے، اس کے برعکس یہ کام عظیم دہچہ اور عظیم فادیت

کا حامل ہے نہ طبیعیاتی اور حیاتیاتی علوم کی تاریخ تحریر میں، کی جائے اور اس سے یہ ظاہر ہو کہ تفتیش کاروں کا کام کس طرح مہملی طور پر تخصیص کاروں ہوتا چلا گیا ہے پھر یہ دیکھا جائے کہ صد بعد صد کس طرح سائنس دان رفتہ رفتہ اپنے آپ کو اپنی طور پر چھوٹے چھوٹے میدان ہائے عمل تک محدود کرتے چلے گئے ہیں۔ مگر یہ ہمارے موجودہ حوالے سے زیادہ اہم نکتہ نہیں ہے اور یہی اس تاریخی حوالے سے ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں بلکہ ہمارے اس کے برعکس ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہر شعبہ و نسل کا سائنس دان جو اپنی کارکردگی کے دائرہ عمل کو نیکیڑتا چلا گیا ہے سائنس کے دوسرے شعبوں کے ساتھ اس کا رشتہ بھی کمرور پڑ رہا ہے کیونکہ اس کی کائنات کی یہی روایتی توجہ ہو سکتی ہے اور شاید اسی کا نام سائنس کلچر اور یورپی قبضہ ہے۔

تخصیص کاری اسی زمانے میں سامنے آئی جب مہذب انسان اپنے لئے ہمہ گیری (Encyclopaedia) کا لقب منتخب کر رہا تھا۔ بیسویں صدی کا آغاز ہی ایک ایسے زمانے پر تھا جو ان لوگوں کی طرف رہنمائی کرتا تھا جو ہمہ گیری کی سطح پر تھے مگر چاروں کی پیدوار میں کسی نہ کسی حد تک خصوصیت (Specialism) پیلے ہو چکی تھی، عقلی تسلسل میں تو زون خراب ہو گیا اور تخصیصیت سے اصرار ہی سائنس دانوں کے لئے کلچر کو پریشان کر رہا۔ پھر جب 890ء میں تیسری سل سے یورپ کے عقلی افق پر حوالہ دیا گیا تو وہ ایسے سائنس دان سے ہے جس کا موازنہ تاریخ میں کسی دور سے نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ وہی شخص ہے جس کو تمام لوگوں میں سے صاحب الزم قرار دیا جاتا ہے لیکن وہ تو صرف ایک سائنس دان تھا۔ ثنائی رنگت سے اور وہ اس سائنس کے بھی کسی کو نہ کھد رہا کو جانتا ہے۔ صرف اس کو ہے کہ جس کا وہ فعال تفتیش کار ہے۔ وہ تو اس کو بھی ایک حوبی قرار دیتا ہے اور اسے اس شے کی کوئی پروا نہیں ہے کہ اس چھوٹے سے دائرہ کار کے باہر کیا موجود ہے۔ جس کی اس نے خاص طور پر جاری کی ہے اور وہ علم کے عمومی شعبوں کے تجسس کو (Dilettantism) قرار دیتا ہے۔

یہ ہوتا ہے کہ جی ٹنگ بصری حدود میں قید رہنے کے باعث وہ حقیقی طور پر نئے حقائق معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور سائنس کی اجتماعی ترقی میں اس کی پیش قدمی بھی شامل ہوتی ہے مگر وہ اس کے بارے میں جانتا کچھ نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خیال کے عمومی

مرقاہ معارف Encyclopaedia سے لاعلم ہوتا ہے اور مصیر کی چھین بھی محسوس نہیں کرتا۔ مگر یہ سب کچھ ممکن کس طرح ہوا اور یہ بھی کہ بھی تک ممکن یوں ہے؟ یہ لاری ہے کہ اس میر عمومی لیکن ناقابل تردید حقیقت پر اصرار کیا جائے تجرباتی علوم کی ترقی کے لئے ہمیں ان لوگوں کے کام کا شکر گزار ہونا چاہئے جو درمیانے درجے کے لوگ تھے بلکہ اس سے بھی کم درجے میں آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جدید سائنس جو ہماری تہذیب کا مادہ بھی ہے اور عادت بھی اس کے اندر عقلی سطح پر عادی ہو گیا۔ لوگ اپنی جگہ رکھتے ہیں اور وہ ان کو کامیابی سے کام کرنے دیتی ہے۔ اس کی وجہ ان عوامل کے اندر پوشیدہ ہے جو ایک ہی وقت میں مجموعی حد تک مورد مدد بھی ہیں اور نئی سائنس کے لئے عظیم خطرہ بھی ہیں۔ در اس کے اثرات تہذیب پر بھی بلا وسطہ ہیں اس لئے کو میکانیسم (Mechanisation) بھی کیا جاتا ہے۔ بہت سا کام جو طبیعت اور حیاتیات میں کیا جاتا ہے وہ اس کا میکانیکی کام ہے جو کوئی بھی کر سکتا ہے اور شاید کبھی کر سکتے ہیں۔ مگر تعداد تقیث کرنے کے لئے سائنس کو چھوٹے چھوٹے شعبوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے اور پھر مسائل حور و ال شعبوں میں سے کسی کے اندر مقید کر دیتا ہے اور ہائی بھی پانچ فرموش کر دیتا ہے اس طریق کار کا ٹھوس اور درست ہونا عارضی طور پر اس کے حق میں چلا جاتا ہے مگر حقیقی طور پر یہ علم کا بکھرنا (Disarticulation) ہے اس طریق کار میں سے کسی کے تحت ہوسہ والا کام ایسا ہی ہے جیسا کہ مشین کی مدد سے کیا جاتا ہے اور بہت زیادہ نتائج نکالنے کے لئے یہ بھی دینی نہیں ہے کہ اس کے معانی اور مبادیوں پر ہی پورن طرح غور کر دیا جائے۔ چنانچہ اس طریقے سے سائنس دانوں کی اکثریت سائنس کی ترقی میں مددگار ثابت ہوتی ہے حالانکہ وہ تجربہ گاہ کے ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر قید ہے جس طرح شہد کی مکھی اپنے چھتے میں مقید ہوتی ہے یا کیوب بنائے وان سٹاپے پیسے میں۔

مگر یہ ایب غیر معمولی و عجیب و غریب قسم کا انسان تخلیق کرتی ہے ایک تقیث کار جس نے سچے کے بارے میں کوئی حقیقت دریافت کی ہو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے اندر قوت اور حور اعصابی محسوس کرے ایک سائنس کی مگر انصاف کی بات یہ ہے وہ خود کو یک جہانے والا دیتی سمجھے اور حقیقت میں یہی ہے کہ اس کے اندر یک ایسا حصہ ہے جسے اگر ان حصوں کے ساتھ مدد دیا جائے جو اس کے اندر موجود نہیں ہیں تو پھر حقیقی طور پر ایک علم تخلیق

پاتا ہے یہی تخصیص کار کی صحیح باطنی فطرت ہے جو اس صدی کے "عار کے برسوں میں ایک ایسے یونیک چیلنج ہے جو انتہائی شدید ہے، تخصیص کار یہ جانتا ہے کہ وہ اس کائنات میں محض ایک در سے گوشے میں موجود ہے اور وہ فیصد کن طور پر باقی سب سے لاعلم ہے۔

یہاں ہم اس عجیب و غریب شخص کی ایک مثال پیش کرتے ہیں جس کی تعریف متعین کرنے کی کوشش میں نے اس کے "دلوں متضاد پہلوؤں" سے کی ہے میں نے یہ کہا ہے کہ وہ ایک انسانی پیداوار ہے اور اس جیسی کوئی شے تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ تخصیص کار کا وجود ہمارے لئے نئے نوع انسان کی ایک ایسی نمونہ مثال ہے جس میں ندرت (Novelty) کی فیصد کن فطرت چھلکتی ہے کیونکہ اس سے پہلے تو انسانوں کو محض عام اور جاہل میں تقسیم کیا جاتا تھا اور لوگ کم و بیش یا اس درجے میں آتے تھے یا اس درجے میں نہیں آتے تھے مگر ہمارا تخصیص کار دونوں میں سے کسی درجے میں نہیں آتا وہ عام نہیں ہے کیونکہ وہ ہر شے سے لاعلم ہے جو اس کے مخصوص دائرہ کار میں نہیں آتی مگر وہ لاعلم بھی نہیں ہے کیونکہ وہ بہر حال ایک مامس دال تو ہے اور وہ ہے جسے کی کائنات کو تو انجمنی طرح جانتا ہے چنانچہ ہمیں کہنا پڑے گا کہ وہ علم رکھنے والا لاعلم ہے اور یہ بہت ہی عجیب و غریب ہے کیونکہ اس بیان میں یہ مضمر ہے کہ وہ لاعلم (Ignorant) "دنی" ہے مگر وہ بالعموم کی طرح لاعلم نہیں ہے اور اس میں وہ تمام غلب مزاجی (Petulance) موجود ہے کیونکہ وہ ہے حاصل شے میں علم رعنا ہے۔

اور حقیقت میں تخصیص کار کا رویہ یہی کچھ ہے سیاست میں "آرٹ میں سماجی اعتبار سے اور دوسرے علوم کے متعلق بھی" کیونکہ وہ ان معاملات میں اپنے قدیم اور لاعلم مسال کا رویہ چناتا ہے مگر پھر وہ ان کو ہمدست طریقے سے قبول بھی کرتا ہے اور اس میں اس کی تکمیل و تسبیح بھی ہوتی ہے اگرچہ وہ نہیں جانتا کہ یہ ایک تناقض (Paradox) ہے ان معاملات میں تخصیص کار ہے۔

تخصیص کار کی عمل کی وجہ سے تہذیب نے اسے راہب بنا دیا ہے اور وہ اپنی انہیں حدود میں مطمئن ہے مگر اس کے باطن کے یہی غائب آنے کا اور کاٹل قدر ہونے کا احساس اسے اکساتا ہے کہ وہ اپنی تخصیص کار کی دائرہ کار سے باہر بھی غالب آنے کی خواہش کرے اور تمہ یہ لگا ہے کہ اس معاملے میں بھی جس کا تعلق مسال کی ریاور سے

دیارہ استعداد (Qualification) سے ہے یعنی تخصیص کاری۔ لہذا یہ ایک سکی چیز ہے جو ماس ملن سے بالکل متضاد ہے اور اس لئے نتیجہ یہ برآہ ہوا ہے کہ وہ زندگی کے تقریباً سبھی شعبوں میں ویسا ہی کردار ادا کرے گا جیسا کہ وہ شخص ادا کرتا ہے جو استعداد نہیں رکھتا

یہ کوئی بے بنیاد میان نہیں ہے۔ جو بھی خواہش رکھتا ہو وہ اس خیال مانے یا عمل کی عاقبت کا مشاہدہ کیا ست، آرتس، مذہب اور زندگی کے عمومی مسائل میں کر سکتا ہے اور ان کے ساتھ سائنس دانوں کی دنیا ہے جس کے پاس منظر میں ڈاکٹر، فینسٹر، ڈاکٹر اور دیگر موجود ہیں۔ وہ اپنی حالت جس میں کچھ سائنس جاتا اپنی میدان عمل کی تحریک کو درجہ دیتا نہیں سمجھتا جاتا اور میں نے بار بار یہ عادیہ کیا ہے کہ یہ ماس میں کی خاصیت ہے کہ وہ اپنا اپنی ترین مقام انہیں جزوی طور پر استعداد رکھنے والوں میں حاصل کرتا ہے وہ عداوت ہیں اور کافی حد تک وہ حقیقی عوامی اگلیم کا حصہ ہیں اور ان کی برہمیت یورپ کی رو عداقت (Demoralization) کا ثمری نتیجہ ہے اس کے علاوہ وہ ایک صاف درد مند مثال ہیں کہ پچھلی صدی کی تہذیب سے اس طرح اپنے ہی طائے ہوئے آلات کو رد کیا ہے اور اس طرح اس سے دیارہ کھٹکیت (Primitivism) اور برہمیت کو پھر سے جسم دے دیا ہے۔

اس میں متورن تخصیص کاری کا جو کل مردع ہے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اب دنیا میں جس قدر سائنس دان موجود ہیں نے کبھی نہیں تھے مگر جہاں تک ثقافت (Cultured) لوگوں کا تعلق ہے وہ تو نے کبھی نہیں ہیں جتنے مثال کے طور پر ۱۶۵۰ء میں تھے اور اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ اس صورت حال کی وجہ سے خور سائنس کی ترقی بھی سب بھٹی نہیں رہی۔ کیونکہ سائنس کو درجہ فوقانی پیش قدمی کے لئے ایک لاری ناظم صابطہ (Regulator) کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے اثر کو بھی پھر سے مرتب کرنا ہوتا ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں یہ سبھی کچھ ایک ایسی کوشش سے ہوتا ہے جس کے وسیع وحدت (Unification) حاصل کی جاتی ہے جو درجہ رفتہ مشکل سے مشکل تر ہوتی جاتی ہے کیونکہ اس کا سابقہ دیا کے ہر خط وسیع تر ہوتے ہوئے علم سے پڑتا ہے۔ یوش بنیہ دیارہ فلسفہ جاسے ہوئے اپنے طبعیاتی کلام کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوا تھا مگر آئین سائنس سے خود کو پوری طرح قطعے میں موٹ کر رہا تھا اس سے اپنی تالیف (Synthesis) تک پہنچنے سے پہلے

کانتھ (Kent) اور مارخ (Mach) کا تفصیلی مطالعہ کیا تھا۔ کانتھ اور مارخ محض دو نام ہیں جو فلسفے اور نفسیاتی فکر کی جہتیم جسامت کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہ غلط حس سے آئن شٹائن کو متاثر کیا۔ اور اس کو اپنی قیود سے آزاد ہونے میں مدد دی اور پھر وہ نئی نئی اختراع کر رہا۔ لیکن آئن شٹائن ہی کالی نہیں ہے طبیعیات اپنی تاریخ کے سب سے بڑے بحران میں داخل ہو رہی ہے اور اسے کوئی پیادہ رستہ المعارف ہی پی سکتا ہے بشرطیکہ وہ پچھلے سے کہیں زیادہ منظم ہو۔

چنانچہ وہ تخصیص کاری جس سے تجرباتی سائنس کی ترقی کو اس صدی میں ممکن بنایا ایک ایسے مقام کو پہنچا رہی ہے جہاں وہ اس وقت تک اپنی پیش قدمی کو قائم نہ رکھ سکے گی جب تک کوئی نئی نسل اس بات کی دوسری دہائی نہیں سیتی کہ وہ اسے زیادہ طاقتور صورت عطا کرے گی۔

لیکن اگر تخصیص کاری اس سائنس کے باہمی فلسفے سے بے خبر ہے جس کی ادوات وہ کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فیصد بن طور پر نئی تاریخی عوامل سے آشنا ہے جو اس کے جاری رہنے کی بنیادی شرط ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح معاشرے اور قلب انسانی کو اس طریقے سے منظم کیا جائے کہ تفتیش کاری کا یہ کام جاری رہ سکے۔ سائنسی آسامیوں میں کمی جو حالیہ سالوں میں ہونے لگی ہے جس کے بارے میں مجھے ڈر ہے کہ یہ اس شخص کے لئے ایک تشویش ناک علامت ہے جس کے دہان میں یہ بات صاف ہے کہ تہذیب سے کیا مراد ہے مگر یہ ایک ایسا خیال ہے جس کا خصوصاً سائنس دانوں میں عام طور پر فقدان ہوتا ہے حالانکہ یہی ہماری تہذیب کا اعلیٰ ترین نکتہ ہے۔ اس کا بھی ایمان ہے کہ تہذیب بھی اس طرح رہن پر موجود ہے جیسے کہ خود رہن کی چھال (Crust) اور وہ چھل جو قدیم زمانے سے یہاں موجود ہیں۔

نوجوان ماہرین طبیعیات بلاشبہ و شبہ سب سے زیادہ شور مچائے دے اور ٹھکڑے دے لوگ ہیں اور جتنے بھی گروہ یہاں موجود ہیں وہ اس سب سے زیادہ عقلی طور پر جبرور لوگ ہیں ان کے لیے دنیا ہر نئے تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس تبدیلی پر وہ بے پناہ خوشی محسوس کرتے ہیں چند دور پہلے میں سے ان میں سے ایک سے پوچھا (اس وقت جب وہ ایک بیہزار سے رہتے تھے) "کیسا رہا؟" اس سے جواب دیا "بہترین ہم جو کچھ دیکھتے

ہفتہ طبعیات کے بارے میں جانتے تھے درست نہیں تھا“

ڈاکٹر والٹر سٹوارٹ

Dr. Walter Stewart

ماہر اقتصادیات، ایڈوانس مطالعے کا ادارہ، پرنسٹن، این۔ جے۔

Economist at the Institute for Advance Study Princeton N.J.

ٹامس ہنری ہکسلی (Thomas Henry Huxley)

ٹامس ہنری ہکسلی (1825-95) برطانوی ماہر حیاتیات تھا جس نے حیاتیات اور فلسفے پر گہرے اثرات مرتب کیے وہ ایک مشہور سر جس تھا جسکے نے شرقی بعید جاتے ہوئے ایک جہاز کے سفر میں جس میں وہ دردم تھا قدرتی تاریخ میں کچھ پیسے کا آغاز کیا۔ وہ چارلس ڈارون کا دوست اور اس کا رہبر دست تھا۔ 1880ء میں اس نے ایک مناظرے میں ڈارون کی طرف سے حصہ لیا تھا اور آنکھوں میں یہ مناظرہ ہوا تھا۔ ہکسلی نے قدیم حیاتیات میں قابل قدر کام کرنے کے بعد بہت سے سرکاری عہدوں پر کام کیا تھا اور وہ نظام تعلیم میں قابل قدر تبدیلیاں لانے کا سبب بھی بنا تھا۔ 1880ء کے بعد سے اس نے ردائی دینیات کو چیلنج کیا تھا اور اپنے پیسے 'اگریہ' (Agnostic) ن اصطلاح استعمال کی تھی۔ 1883-89ء تک برائل موسائی کا صدر رہا تھا۔ اس کے تین بچے ساتیس اور ادپ کے میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے ہیں۔ اس میں جیمز ہکسلی (James Huxley) 1887-1975 حیاتیات دان، سائنس دان اور منتظم تھا 1948-49ء میں یونیسکو (UNESCO) کا پہلا صدر مقرر ہو تھا۔ اس کا بھائی 'ٹڈس ہکسلی' (1894-1964) آئیٹ ناؤر نگار اور مصنف تھا۔ 1920ء میں وہ ٹیلی گراف اور 1937ء میں کیٹھوریا میں رہائش پذیر ہوا اس کی کتاب 1932ء 'Brave New World' میں شائع ہوئی تھی۔ اس حاندر کا چوتھا عظیم فرد سر ڈیوڈ ہیلڈنگ ہکسلی (Sir Andrew Fielding Huxley) ہے جس سے عصائی نظام پر کام کیا تا اور 1983ء میں اسے ایل ڈاکٹر ہونگ (A.L. Hodgkin) کے ساتھ فوئل انعام دیا گیا۔

ٹامس ہنری ہکسے

سائنس اور ثقافت

چھ برس پہلے، جیسے آپ میں سے بہت سے لوگ گواہ ہیں، مجھے یہ سہری موقع ملا تھا اور میں اس شہر کے ہاسٹل کی ایک بڑی خدو سے مخاطب ہو گیا، یہ لوگ اس لیے جمع ہوئے تھے کہ وہ اپنی ہی شہر کے ٹیک نام فرد جوزف پریسٹ کے (Joseph Priestley) کو تاریخ عقیدت پیش کر سکیں، اور مرے کے بعد کسی کی شان میں کچھ کہنا اگر تسمیں کا باعث ہے تو پھر ہمیں یہ امید کرنی چاہیے کہ اس دن کے علم فلسفی کی روح بالآخر سکون کی غور تک پہنچ گئی ہوگی۔

مجھے یہ علم نہیں ہے کہ کسی کو اپنے نئے میزبان کی طرف سے بونے کا حق دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تو بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہاں ایک گوریلا فوج ہے، جو یاد دہانے کا قاعدہ (irregulars) پر مشتمل ہے اور اس میں سے ہر ایک اپنی طرح کے مطابق لڑتا ہے مگر کسی ایسے شخص کے تاثرات جو پوری طرح اپنے ہی خیالات بھرا ہوا مگر مختلف سامعوں کے ہجوم عامے تجربے کا حامل بھی ہو۔ اور موجودہ معاملات کے لیے حد ادب بھی رکھتا ہو، اور یہ بھی چاہتا ہو کہ دینی امن حاصل ہو جائے، اس کے لیے دلچسپی کی کمی نہیں ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس موقع کا اس سے بہتر کیا فائدہ اٹھا سکتا ہوں کہ میں ان سب کو آپ کے سامنے رکھ دوں۔

اس زمانہ سے جب کانوں کان ہی یہ تجویز حوالہ کروائی جاتی تھی کہ طبیعی سائنس کو بھی عمومی تعلیم کا حصہ بنایا جائے اور اب تک جب سائنسی تعلیم کی وکالت کرنے والے اور طرح کی جانفوس کا شکار ہوئے ہیں، ایک طرف تو تہذیب میں معروف لوگوں نے ان کا

فہم اذ کیا ہے اور وہ اپنے آپ کو عملیہ (Practicality) کا مانندہ بھی کہتے ہیں مگر دوسری طرف ان کا کہنا بھی دانشوروں (Scholars) سے نکال دیا گیا ہے کیونکہ وہ خود کو اپنی گروہ کے کارکن کی حیثیت میں ثقافت کا حصہ دیکھتے تھے اور آزاد خیال (Liberal) تعلیم بھی انہیں کا حصہ تھی۔

عملی لوگ یہ جانتے ہیں کہ وہ بہت جلد ہی کہہ رہے تھے۔ لبرل دینی کام کروانا۔ وہ پورے وقتوں کی خوشامیاد کا حصہ ہے۔ اور آئندہ کی بہتر حوصلہ و آرزو کی ہوا پیداوار کی اسی سے متعلق ہے، ان کا خیال تھا کہ سائنس محض خیالی پر گندگی ہے اور نظریہ اور عمل کا آپس میں کوئی رشتہ ناممکن ہے۔ وہ دینی کی سائنسی عادت محض ایک رکاوٹ ہیں، وہ نہیں ہیں حاصل طور پر روزمرہ کے کاموں میں۔

میں نے عملی انسانوں کی بات کرتے ہوئے ماضی کا صبر استعمال کیا ہے مگر چہ اس بات کو گزیرے ہوئے میں بڑی کا طویل عرصہ ہو چکا ہے۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ اس خاص نوع کی بیخ کنی ہو چکی ہے۔ حقیقت میں جہاں تک محض استدلال کا تعلق ہے، وہ اس طرح کے حالات میں تھے کہ ان کا بیخ جانا ایک معجزہ ہے، ہر خیال یہ ہے کہ ہمارے خاص عملی آدمی ملٹن (Millon) کے دوستوں سے خاص مشابہت رکھتا ہے۔ اس کے روحانی زخم، جو مطلق ہتھیاروں سے لگے ہوئے تھے، وہ چرچ کے دروازوں پر جیسے گہرے اور شاید چوڑے بھی ہوں۔ آسانی رہ رہ کر (Lichor) چند قطرے چھڑکے کے ماسوں سے کوئی اور حوالہ تو نہیں کی لہذا اگر اس کا کوئی مخالف بیخ گیا ہے تو پھر بھی میں اس بات پر اپنا وقت ضائع نہیں کروں گا کہ سائنس کی قدر و قیمت کے متعلق مظاہراتی شواہد کو ہر اوس یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کبھی وہاں کوئی حفاظت جانتی ہے جہاں دلیل کو داخل نہیں مل سکتا۔

میرے لیے دو عملی تصورات انتہائی اہم ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تو کھائیں تعلیم کا نظم و ضبط (Discipline) اور نہ ہی اس کا رازہ کار بلاؤ۔ خطہ طور پر اس پر اس قدر وقت کا حامل ہے کہ طبیعی سائنس کا کوئی طالب علم اس دونوں پر صرف کئے گئے وقت کا کوئی جوہر تلاش کر سکتا ہو، دوسری بات یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے کہ حقیقی ثقافت تک رسائی حاصل کی جائے ایک عمل طور پر سائنسی تعلیم دینی ہی کا رازہ ہے جیسی کہ رلی تعلیم کا رازہ بھی جاتی ہے۔

مجھے بمشکل یہ ضرورت ہے کہ میں یہ آزاد آپ کے سامنے پیش کروں، خاص طور پر وہ جس کا ذکر بعد میں آیا ہے کیونکہ وہ تو تعلیم یافتہ انگریزوں کی اکثریت کے لیے انتہائی متعارف اور برعکس حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ ان پر سکولوں اور یونیورسٹی کی روایات کے اثرات خاصے گہرے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ کلچر صرف آزاد خیالی تعلیم ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور آزاد خیالی تعلیم کا مترادف Bynonymous ایک خاص طرح کا ادب ہے جو یونان اور رومن ادب کی ایک خاص قسم کی قدیم پستی میں پایا جاتا ہے، وہ اس لیے بھی محض تعلیم اور روایات اور اپنی نہیں سمجھتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس شخص سے لاطینی اور یونانی سیکھ لی ہے خواہ وہ شعوری ہی بھی کیوں نہ ہو تعلیم یافتہ ہے اور اس کے مقابلے میں وہ شخص جو ظلم کے دوسرے شعبوں میں دسترس رکھتا ہے خواہ وہ کیسا گہرا ہی کیوں نہ ہو وہ کم دیکھ بیک قابل احترام شخص کا رہے مگر اس کا کلچر والوں کی جماعت میں شامل نہیں کیا جاسکتا تعلیم یافتہ انسان اور یونیورسٹی ڈگری کی مہر اس کے لیے نہیں ہے۔

میں کیمٹلک روپے کی عیاضی سے پوری طرح آشنا ہوں، ان کا ساتھی خیالات سے حقیقی ہمدردی رکھتا جو ہمارے کلچر کے اعلیٰ ترین ماکندوں کی عیروں میں جھلکتی ہے اور وہ اسی نقطہ نظر سے مماثلت رکھتے ہیں۔ فیلس ٹاکس (Philistines) کے نکتہات سے یہ خیالات جمع کیے جاسکتے ہیں۔ ان لوگوں کی حوشی کا باعث ہیں جہن ناموں اور مصلوں پر توجہ نہیں دیتے جو خود ان کے حق میں ہوتے ہیں۔

مسٹر آرنلڈ (Arnold) بتاتے ہیں کہ کلچر کے معانی ہیں 'جو کچھ دہائیوں کا اور سوچا گیا ہے۔ اس کے بہترین کو جاننا' یہ اس زندگی کی تنقید ہے جو ادب کے اندر موجود ہے۔ یہ تنقید یورپ کو بھی عقلی اور روحانی سطح پر ایک وجود (Being) قرار دیتی ہے، یہ ایک بہت بڑا اتفاق Consideration پر جو ایک مشترکہ نتیجے کے حصوں کے لیے کوشاں ہے اور اس کے رکنین اپنے مشترکہ ورثے کے لیے ایک دوسرے کو یونانی رومن اور مشرقی علاقے دیتے ہیں۔ خاص مقامی اور عامی فوائد کو خاطر میں نہیں لایا جاتا مگر یہ وہ جو ہے جس کی مدد سے ہر جدید نوع عقلی اور روحانی سطح پر پیش قدمی کرتی ہے اور اس پر مگر م پر پوری تفصیل میں عمل ہوتا ہے اور یہ کہنا تو محض کہنا ہی ہے کہ ہم بھی دوسروں کی طرح بطور فرد جس قدر اس پر عمل کریں گے اس قدر ترقی کر پائیں گے؟

لہذا ہمیں دو طرح کی واضح تفسیروں یا کلمات (Proposition) سے واسطہ پڑتا ہے۔ پہلا یہ کہ زندگی کی تنقید کچھ کی روح ہے اور دوسرے یہ کہ ادب کے اہم دو مواد موجود ہیں جن میں تنقید کو تشکیل کرتا ہے۔

میرے خیال میں ہمیں پہلے نقطے پر اتفاق کرنا چاہیے، کیونکہ کچھ ایک ایسی شے ہے، جو محض سیکھنا یا تخلیق کرنا نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک تیز ذہن کی تلاش کے ساتھ ساتھ نظریاتی معیار پر چیزوں کی تدوین کے تنقیدی نتیجے کی مقابلہ کی عادت بھی شامل ہے۔ ایک کمال ثقافت کو زندگی کا مکمل نظریہ فراہم کرتا چاہیے، اور اس کا اٹھارہ ایسے واضح علم پر ہونا چاہیے، جس میں امکانات اور حدود دونوں کا شعور شامل ہو۔

مگر ہم اس ساری بات سے اتفاق کرنے کے باوجود اس بات کی زبردست مخالفت بھی کر سکتے ہیں کہ دب صرف اپنے طور پر یہ بھی کچھ کر رہا ہے کہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا، یونان، رومن اور قدیم مشرقی علوم کو سیکھنے کے باوجود اس میں جو کچھ جدید ادب کو شامل کرتا ہے اس کی شہریت کے باوجود یہ بات بدیہی نہیں ہے ہم تنقید حیات کی کسی وسیع اور حقیقی بنیاد رکھ چکے ہیں جس سے کچھ کی تشکیل ہوتی ہے۔

ہاں بہ بردہ شخص جو طبیعی سائنسوں کے دائرہ کار سے بخوبی آگاہ ہے اس کے لیے یہ بھی کچھ بدیہی نہیں ہے، اگر ترقی کو محض عقلی اور روحانی حواس سے دیکھا جائے، تو میں نے یہ تصور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پایا کہ اس بنیاد پر نہ تو قوی اور نہ ہی اندرونی ترقی حقیقتاً ہو سکتی ہے۔ حاصل طور پر اس وقت جب طبیعی سائنس سے کسی طرح کسی سے بھی کوئی مدد حاصل کی گئی ہو شاید مجھے اس کی وضاحت کے لیے یہ کہنا پڑے گا کہ کوئی بھی حوج جس کے پاس پریکلن (Precklon) والے نظیروں ہوں اور نہ ہی اس کے پاس کارگزاری کرے کے لیے کوئی بیس (Base) موجود ہو وہ شاید ریاضیاتی توقعات کے ساتھ رائن (Rhine) کے مضامین میں داخل ہو سکتا ہے بمقابلہ اس شخص کے جسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ پچھلے ایک سو برس میں طبیعی سائنسی نے خصوصی تنقید حیات کے مسئلے میں کیا ترقی کی ہے۔

جب کسی حیاتیات دان کو کسی خلاف قاعدگی (Anomaly) سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ جلدی طور پر پیش قدمی کا مطالعہ کرتا ہے، تاکہ معاملہ واضح ہو سکے، متضاد آراء کے بارے میں فیصلہ کرنا تاریخی سطح پر ایک جیسے اقدام سے ممکن ہے۔

پراسے رہے میں اگر کوئی شخص اس علم کی تلاش میں ہوتا تھا جو اس کے وقتی مشاہدے اور مشق کہ بات چیت کی سطح سے بلند ہو تو اس کی پہلی فارسی ضرورت، لاطینی (Latin) زبان ہوتی تھی، کیونکہ اس وقت مغربی دنیا کا اعلیٰ ترین علم ان کتابوں میں محفوظ تھا جو اس زبان میں لکھی ہوئی تھیں۔ لہذا لاطینی صرف (Grammar) جس کے ساتھ منطق اور خطابت (Rhetoric) بھی تھے، لاطینی زبان ہی کے ورہیے پڑھی جاسکتی تھی اور یہی س رہاے کی تعلیم کی بنیاد تھی۔ اس مواد کے جزاء کے باوجود جو بطور علم کے اس وسیلے سے حاصل ہوتا تھا خصوصاً یہودی اور عیسائی مقدس کتابوں کے بارے میں توجیہات، جن میں رومش (Romish) مگر جے کے اصرارے بھی شامل تھے، یہ سارا مواد ایک کھل اور جھٹکی نہ جاسکے والی معلومات کا ایک ذخیرہ قرار دیا جاتا تھا۔

اس رہاے کے مفکروں کے بے دینیاتی مسائل ویسے ہی ہم جیسے یوکلید (Euclid) کی جیومیٹری کی اسیات (Axioms) اور تعریفیں (Definitions) جیومیٹری دانوں کے لیے قرون وسطیٰ کے فلسفیوں کا کام ہی بھی تھا کہ وہ بنیاتی دانوں کے لہجہ ہم کردہ مواد میں سے استخراجی نتائج حاصل کریں اور نتیجہ نکالتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ نتائج مقدس مکتوب کے نتائج کے عین مطابق ہوں انہیں صرف یہ اجازت تھی کہ وہ اپنی اعلیٰ ترین توقعات کا مظاہرہ منطقی عمل کے طور پر اس طرح کریں کہ جو کچھ پہنچے کہا وہ صحیح ثابت ہو اور اس کے سوا کچھ نہ ہو، لیکن اگر ان کی ضروریات اس سے کم درجے کی ہوں یا حدود سے تجاوز نہ ہوں تو چرچ ان کی شرافات کے اعتبار کا بھی باور انداز حق رکھتا تھا۔

لہذا ہمارے "باؤ اعداد کے پاس مربوط اور کھل تنقید حیات پہلے سے موجود تھی ان کو بتایا جاتا تھا کہ دیا اس طرح شروع ہوئی کس طرح ختم ہوگی اس کو یہ بھی سکھایا جاتا تھا کہ مادہ، جو روحانی دیا کے خوبصورت چوے پر ایک کم درجے کا اور معمولی نوعیت کا اصرار ہے اور نیچر اپنے مکاس اور مقاصد میں شیطان کی "ماچگاہ ہے، اس کو یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ دیا اہم نظر سے وہی کائنات کا مرکز ہے اور اسات آسمانی چروں کا دب اصغر (Cynosure) یا قطبی ستارہ ہے اور حاصل طور پر دونوں میں یہ ڈال جاتا تھا کہ نظام کائنات کوئی باقاعدہ شے نہیں ہے اور یہ احمق دو "سمانی مخلوقات کی مد سے مستقل طور پر تبدیل ہوتی رہی ہے، اچھی یا بری شکل میں جیسے وہ اسے تبدیل کرنا چاہیں یا شاید دعاؤں کی مد سے اس سارے نظریے

کامب مہاب یہ تھا کہ وہ بحالہ conviction پیدا کیا جائے کہ جو شے اس دنیا میں واقعی جاننے کے قابل ہے اس کے لیے کیسے وہ محفوظ جگہ حاصل کی جائے، جس کا وعدہ چرچ نے بھس شراکتہ کے ساتھ کیا ہے۔

ہمارے آباؤ اجداد اس نظریہ زندگی پر اعتقاد رکھتے تھے اور تعلیم اور دوسرے شعبوں کے بارے میں غور و خوض کرتے وقت سے پوری طرح محفوظ خاطر رکھتے تھے۔ کلچر کا مطلب تقدس، Selfishness یعنی کہ اس دماغ کے مذہبی رہنماؤں کا اتہاخ تھا جو تعلیم اس طرف سے جاتی تھی وہ لادینی تھی اور ظاہر ہے وہ دینیاتی تھی اور دینیات کا میدان راستہ، طبعی سے ہو کر گزر رہا تھا۔

چنانچہ نظریات کا مطالعہ ایسا مطالعہ جو انسان کی روزمرہ ضرورتوں کی طلب کو پورا کرنے سے زیادہ جو ایسے لوگوں کی کلچر سے باہر ہے جو اس کا تعلق سماں زندگی سے تلاش کرتے ہیں۔ بلاشبہ چونکہ کلچر سماں کی وجہ سے مطعون ہوئی ہے یہ ایک سماں کا فیصلہ تھا کہ جو لوگ کلچر کے رازوں کو جاننے سے سیسے پوشش کرتے ہیں ان کو شیطان کا ساتھی قرار دے دیا جائے اور ان کو پیدائشی سانس دیا اپنی جہتوں کے تحت سرگرم عمل ہوا تو سے نیک نامی۔ کہا ہے وہی چاہے اور سے جادوگر کہہ کر سے ندی بھر کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔

اگر مغربی تہذیب لیکن ہمیں تنہائی میں کہلی چھوڑ دی جاتی، تو کچھ معلوم نہیں کہ یہ صورت حال کب تک چلتی رہتی مگر خوش قسمتی سے سپہ سالار پر نہیں چھوڑ گیا۔ تیرہویں صدی سے پندرہویں کے اندر جو عربی (Moorish) تہذیب برآمد ہوئی، اور اس کے بعد جو صلیبی جنگوں کا عظیم دور شروع ہوا جس سے ایک اصلاح کی تحریک شروع کی جو ابھی تک چلی جا رہی ہے۔ آغاز میں تو عربی سے تراجم کیے گئے مگر بعد میں مادہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یورپ کی قومیں قدیم فلسفیوں اور شاعروں کی تحریروں سے پوری طرح آگاہ ہوئیں اور یوں قدیم زمانے کا وسیع و عریض ادب ان کی دسترس میں آ گیا۔

جو کچھ بھی تھی، فرانس، جرمنی اور انگلستان میں دانشور نہ ذوق و شوق کا حامل تھا، اس لیے صدیوں تک اس تعلیم ورثے کا مطالعہ کیا، یہ ورثہ جو سدوم اور مردہ بوٹاں اور زمیں تہذیبوں سے آیا تھا، اور اس کے بعد سماں طریقے پر پرنٹنگ (Printing) کی ایجاد اس کی مدد

کو آئی اور یوں یہ علم دور دور تک پھلا اور پھیل بھی گیا۔ جو اس کے حامل تھے انہیں اس ہمت پر فخر تھا کہ انہوں نے اس اعلیٰ کچر سے استعارہ کیا ہے، جو سائیت کی معراج تھی۔
 بچہ بات تو یہ ہے کہ دانٹے (Dante) کی واحد عظیم روشنی کا بیٹا تھا اس کے علاوہ ہم عصر ادب میں کوئی شخصیت ایسی تھی جو قدیم اساتذہ کا مقابلہ کرے کے قابل ہوئی۔ کوئی آرٹ ایسا۔ تو جوان کی سنگ تراشی کا مقابلہ کرتا، اور کوئی طبعی سامس بھی۔ تھی، سوائے اس کے جو یونانیوں نے حقیقت کی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر کوئی اور مثال ایسی نہ تھی جسے کمال دانشور نہ قرار دی کہ جائے سوائے اس کے کہ عقل کو بلا تھک سچائی کے رہتے کے و جد رہنے کے طور پر قبول کر لیا جائے اور اسی کو کردار کا گہرا ن مقرر کر دیا جائے۔

نئے علوم کے گہرے اور وسیع اثرات تعلیم پر جلد ہی مرتب ہونے شروع ہو گئے پادریوں اور ^{مستقیمین} Schoolmen کی رہاں ناقابل فہم ہوئے کے معاملے میں درجہ (Virgil) اور سرور (Cicero) کے رہائے سے محققین سے کچھ ہی بہتر تھی اس لیے لائیک رہاں کو بھی نئی بیادوں پر استوار کیا گیا۔ چنانچہ لاطینی زبان علم کا واحد منبع رہی، وہ طلبہ جو قدیم ادب میں اعلیٰ ترین حیالات کی تلاش میں تھے، انہیں روشن ادب میں صرف دوسرے درجے کی جھلکیں ہی نظر آئے لیکس چنانچہ روشنی کا پورا رخ یونان کی طرف پھر گیا، اور ایک ایسی نرائی کے بعد جو آج کل بیسی سائکسوں کے سلسلے میں لڑی جانے والی نرائی سے کچھ زیادہ مختلف ہیں ہے، یونان رہاں کا مطالعہ اعلیٰ تعلیم کے لیے، رومی عصر شمار ہوئے لگا۔

لہذا سال و دہائیوں (Humanist) نے جو اس نام سے پکارے جاتے تھے، فتح حاصل کرن، اور جو فتح انہوں سے حاصل کی وہ انسان کی ایسی خدمت ہے، جس کا پوری طرح اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا، مگر کبھی مصلحوں کے لیے مکافات عمل (Nornia) ایک قطعیت (Finality) ہوتی ہے لہذا تعلیم کے مصمم بھی ایسی مصلحوں کی طرح علمی تہم (Profound) کے پیچھے لگ گئے وریوں انہوں سے ایک نہایت عامی غلطی کا ارتکاب کیا اور اصلاح کے کام میں آغاز کو انجام سمجھ لیا۔

انسان دوستی کے مانندوں سے بیسویں صدی میں یہ سمجھا کہ کلاسیکی تعلیم ہی کلچر کا دھندہ درجہ ہے اور یہ انہوں سے تکی تکی سے کیا کہ لگتا تھا کہ ہم نشاۃ ثانیہ کے عہد میں سانس سے رہے ہیں۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ موجودہ رہائے میں جدید دانش اور قدیم دنیا کے باہمی

رہتے تھے سو سال پہلے کے یا بھی شتوں سے انتہائی مختلف ہیں۔ اور اس ادب کو نظر انداز بھی کر دیا جائے، جو عظیم بھی ہے اور اپنی خاصیت میں جدید بھی ہے، یا پھر جدید مصوری اور خاص طور پر جدید موسیقی۔ ان سب میں کوئی نہ کوئی ایسا عنصر ضرور موجود ہے جو ان کو نشاۃ ثانیہ سے الگ پہچان عطا کرتا ہے، یہ فرق اس فرق سے کہیں زیادہ ہے جو نشاۃ ثانیہ اور قرون وسطیٰ کے درمیان تھا۔

یہ اتنی دلی کردار جس کا تعلق ہمارے زمانے سے ہے یہ بہت تیزی سے اور وسیع پیمانے پر بڑھنے والا واحد ہے، جو قدرتی علوم نے اس کا کیا ہے۔ صرف ہماری روزمرہ زندگی ہی اس سے متاثر نہیں ہوئی بلکہ ہر اتمام نظریہ حیات اس سے برقی طرح متاثر ہوا ہے، شعوری طور پر یا شعوری طور پر یہ تبدیلی عمومی تصور کائنات کی وجہ سے آئی ہے جو طبیعی علوم سے بہت درست ہم پر مسلط کر دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سائنسی تحقیق کے نتیجوں سے ابتدائی آگاہی ہم پر یہ کر دیتی ہے کہ وہ اس جوہر سے جو قرون وسطیٰ کے دور میں پڑھا دیا جاتا تھا اور وہ آراء جس پر بہت زور دیا جاتا تھا، جدید علوم ان سے وسیع پیمانے پر واضح اختلاف رکھتے ہیں۔

دنیا کے آغاز اور انقضاء کے بارے میں جو کچھ ہمارے آباؤ اجداد سوچتے تھے اب وہ توجہ کے قابل بھی نہیں رہ گیا، اب یہ بات یقینی ہو گئی ہے کہ ہادی کائنات یعنی زمین مرکزی نقطہ نہیں ہے، اور یہ کہ دنیا محض مادی استعمال تک محدود نہیں ہے، یہ بات پہلے سے کہیں زیادہ یقینی ہو گئی ہے کہ قدرت ایک متعین نظام رکھتی ہے، جس میں کوئی دخل اندازی نہیں کرتا اور انسان کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ اس نظام اور اس کے قوانین کے بارے میں آگاہی حاصل کرے اور پھر اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہ زندگی کی سائنسی تحقیق ہم پر مختلف درجہات کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کا رخ کسی صاحب اختیار کی طرف نہیں ہے اور نہ یہ کہ کہا گیا ہے اور کیا سوچا جیسے بلکہ اس کا رخ تو ہر طرف ہے، یہ تسلیم کرتی ہے کہ قدرتی حقائق کے بارے میں ہماری تمام توجہات نامکمل ہیں اور محض علامتی ہیں اور سیکھنے والوں کو حقیقت سے محض میں نہیں چیزوں میں تلاش کرنی ہوتی ہے۔ وہ ہمیں خبردار کرتی ہے کہ وہ ادعا جو خواہ پڑتی نہ ہو حقاقت ہی نہیں جرم بھی ہے۔

وہ خالصتاً کلاسیک تعلیم جس کی دکاست انسان پسند ال دلوں کرتے ہیں، اس کا دشمن ان حوالے سے نہیں ہے، کوئی بھی شخص اس میں سے کہیں بہتر سکالر ہو سکتا ہے وہ وہ آج کے

الشو درہ محامدات کو ہر س مس سے کہیں بہت طور پر جاں سکتا ہے۔ عالم فاضل در مقدس لوگ جو ہر طرح قابل احترام ہیں، قرون وسطی کے فکر کے مقابلے میں سائنس کی خود سری کارونا روستے ہیں اور ان کی بچھ میں یہ نہیں آتا کہ سائنس بچ کی صدی پاسداری (Versally) سے کیا مراد لیتے ہیں اور پھر سائنسی حقائق کا ایک لاشوری بوجھ بھی ہے، جوان کے نئے معقلہ خیر ہے۔

اس استعلا میں جان نہیں ہے ورنہ ممکن بھی تھا کہ سائنسی تعلیم کے ذکیل جائز طور پر ہدیہ اسان پندوب کو ترکی بہ ترکی جو ب دیتے، وہ پڑھے لکھے شخصیں کا ہو سکتے ہیں مگر ان کے پاس کسی شے نہیں ہے جو تنہید حیات کی اسی بیار فرہم کر کے جس کا نام طر رکھا جائے۔ گرہار حریف طلال۔ ہوتو ہم یہ تمنا کریں یہ ملاست اسمایت پسند پنے آپ پر کریں س نئے نہیں کہ وہ قدیم یونانی روح سے معمور ہیں، بلکہ اس لئے کہ اس کا شارب بھی ان کے پاس نہیں ہے۔

نقشہ خانہ 'Renaissance' جس کا عام طور پر ادبیات کا (Revival of letters) کہا جاتا ہے، جیسے کہ وہ سارے اثرات جو مغربی یورپ کے ذہن پر مرتب ہوئے تھے، ان کا تعلق سوائے ادب کے زندگی کے کسی در شیعے سے نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ سے عام طور پر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ سائنس کا عمارہ بھی اسی وسیع سے ہوا تھا، جو زیادہ نظر آئے والا نہیں تھا یہ ضروری نہیں کہ وہ زیادہ اہمیت کا حامل بھی نہ ہو۔

حقیقت میں اس زمانے کے گھرے ہوئے طلباء میں سے گئے چنے چند لوگ ایسے بھی تھے جو بچہ کے رازوں تک بالکل اسی طرح پہنچے جیسے کہ وہ ہر روں میں پہلے یونانیوں پر ظاہر ہوئے تھے۔ انہوں نے ریاضی کے نئے نئی ربر دست پیدا فرماہم کر دی تھی کہ ہمارے بچے دو ہزار برس بعد بھی جو میٹری کی وہی کتاب پڑھتے رہے جو اسکندریہ (Alexandria) میں مرتب کی گئی تھی۔ ہدیہ فلکیات تو گویا ہرخس (Hipparchus) اور بطلمیوس (Ptolemy) کی کے کام کا ایک قدرتی تسلسل ہے اور جدید طبیعیات دیموکرطیس (Democritus) اور چالیسوں (Galen) سے مقرر کیا تھا۔

ہم س وقت تک یونانیوں کے بہترین خیالات اور اقوال کو نہیں جان سکتے جب تک ہمیں یہ اندرہ نہ ہو جائے کہ وہ قدیمت کے مظاہر کے بارے میں کیا رویہ رکھتے تھے۔ ہم

اس وقت تک چدری طرح ان کی تنقید حیات کو نہیں سمجھ سکتے جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کس حد تک یہ تنقید سائنسی تصورات پر مبنی ہے۔ ہم غلط طور پر اس کی ثقافت کا وارث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جب تک ہم اس کے رنگ کے اندر دور تک داخل نہ ہو جائیں اور ہمیں اس بات پر یوں بھروسہ ہو کہ عقل کا سر وہ استعمال اور وہ بھی سائنسی طریق کار کی مدد سے حقیقت تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

پتا چپ میں یہ سمجھنا ہوں کہ ہمارے سماجیت پسند جو یہ روپ دھار رہے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ اور قدر کی مکمل درجہ کا تفہیم ہے ان کو سنا پڑے گا در پھوڑنا پڑے گا۔ لیکن مجھے یہ حد اوسط ہو گا اگر میری باتوں سے یہ حد کیا جائے کہ میں کلاسیکل تعلیم کی اہمیت کو کم کرنے کی کوئی پوشیدہ خواہش رکھتا ہوں اس کی وہی اہمیت میرے نزدیک ہے جو کبھی تھی۔ انسان کی مادی صلاحیتیں اسے مادی مواقع سے کم نہیں آتیں کچھ بھی ایک ہی شے ہے اس سے کہنے کو اختیار مرے سے بعد کون سا انسانی منزل تک پہنچ سکتا ہے جو مختلف بھی ہو اور دوسروں کے مقابلے میں زیادہ سو۔ منہ بھی ہو پھر یہ بھی ہے کہ سائنسی تعلیم ابھی غیر مرتب اور عارضی ہے جبکہ کلاسیکی تعلیم چونکہ اساتذہ کی نسیں دیتی چلی آ رہی ہیں چنانچہ وہ ہمیں زیادہ مرتب اور منظم شکل اختیار کر چکی ہے لہذا اگر کسی طالب علم کو کافی وقت مل جائے اور اسے ملے سب تک پہنچنے اور کیریئر (Career) کے حصول میں زیادہ جلدی نہ کرنی پڑے تو وہ محض اس سے پرہیز چلا رہے گا جو اس کے لئے پسند سے مقرر کر دیا گیا دو تو کوشش کرے گا جو کی روٹھی ہے سے وہ خود اپنی کوشش سے پورا کرے۔

مگر وہ لوگ جو سائنس کو ایک تنہید پسند کے طور پر قبول کرنا چاہتے ہیں یا جو طب اور ادب (Medicine) کو اپنا پیشہ بنانا چاہتے ہیں یا وہ جو مددگار جدوجہد میں جلد شامل ہونے کے خواہش مند ہیں میری رائے میں اس کے لئے کلاسیکی تعلیم ایک غلطی ہے اور سی ویہ سے میری شدید رائے ہے کہ محض ادبی تعلیم سر جو سائنس کا رخ کے صواب سے خارج کر دی جائے کیونکہ بظاہر تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان کا صواب میں شامل کیا جانا مکانی طور پر محض لاطینی اور یونانی کے عمومی مسائل کو اس کے ہی کی ایک صورت ہوگا۔

تاہم میں "حری" رہی ہوں گا جو حاصر ادبی تعلیم کی اہمیت پر کوئی اعتراض اٹھاؤں یا یہ عرض کروں کہ دانشور۔ کچھ اس کے بغیر تکمیل پا سکتا ہے مکمل طور پر سائنسی تعلیم بھی اس

طرح کی دہائی بھی پیدا کرے گی جو عمل طود پر ادبی تربیت کرتی ہے۔ اگر سماں ٹاؤس سے
بہار کا توڑن ہی حرب ہو جائے تو اس سماں کا کیا فائدہ اور مجھے یہ دیکھ کر بھائی اموس
جوگا کر سائنس کا جی ایسے طالب علم پیدا کرے جو ایک طرف جھکے ہوئے ہوں۔

ایسی کوئی ضرورت تو نہیں ہے کہ یہ جانیں ضرور آئے۔ انگریزی، فرانسیسی اور جرمنی اور
خصوصاً جرمن زبان میں وہ تعلیم مہیا کی جاتی ہے لہذا وہاں کی تیس رہائوں کا جدید سبب تو
بہر حال طلباء کی دماغی میں ہے ہی فرانسیسی اور جرمنی اور خصوصاً جرمن زبان ان کے لئے
ناگزیر ہیں وہ سائنس کے شعبے میں پورا علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہ
بھی سمجھ لیا جائے کہ ان رہائوں کو سیکھے فاعلم خالص سائنسی مقاصد کو حاصل کرے کے لئے
کافی نہیں ہے ہر انگلستان کے رہنے والے کے لئے کئی دہائی زبان میں رہی ظہار کے
لئے وہ سبھی کچھ موجود ہے جس کی اسے خواہش ہے اور خود اس کے زمانے میں ادب کے ہر
طرح کے بھلی ترین نمونے موجود ہیں۔ اگر انگریزی زبان کی پامٹل (Bible) اس کے شیکسپیر
(Shakespeare) اس کے ملٹن (Milton) سے دی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تو میرا خیال ہے
کہ ہومر (Homer) سوفوکلز (Sophocles) ورجیل (Virgil) اور ہورس (Horace) سے بھی یہ
حصول ممکن نہیں ہے۔

اور چونکہ اس کاٹ کا قائم کیا جانا ادبی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنسی تعلیم کی ضروریات
بھی پوری کرنے کا اس مسئلے میں دیکھنا ہوتا ہے کہ کبھی خیال رکھا گیا ہے لہذا مجھے یہ لگتا ہے
کہ چھ خاصہ مکمل کچھ ان کو پیش کیا جا رہا ہے جو اس سے فائدہ اٹھائے کے خوش مند
ہیں۔

اکثر اوقات میں محسوس کرتا ہوں کہ اطلاقی سائنس (Applied Science) کی اصطلاح
ایجاد ہی نہیں ہونا چاہئے تھی۔ کیونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی سائنسی علم ایسا بھی ہے
جو جبری طور پر عملی صورت اختیار کر سکتا ہے اور استعمال میں لایا جا سکتا ہے اور اسے دوسروں
قسم کے سائنسی علوم سے الگ رکھ کر بھی پڑھا جا سکتا ہے اور سائنس کے محدود علم ایسا بھی
ہے جس کا ہمیں افادہ نہیں ہے اور اس کو خالص سائنس (Pure science) کے نام سے یاد کیا
جاتا ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر کوئی معالہ (Fallacy) نہیں ہو سکتا۔ جس کو لوگ اطلاقی
سائنس کہتے ہیں وہ اصل میں خالص سائنس کا ہی کسی شعبے میں خاص مسائل کے حوالے

سے طلاق ہے۔ یہ استنباط (Deductions) پر مشتمل ہے جو انہیں عمومی اصولوں کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں اور ان کی بنیاد مشاہدہ اور تفکر ہوتی ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک یہ استنباط محفوظ طریقے سے کر نہیں سکتا جب تک اسے اس فوہ میں پر قدرت حاصل نہ ہو جو خالص سائنس کے قوانین ہیں اور اسے یہ گرفت صرف ذاتی تجربے ہی کی بنیاد پر حاصل ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مشاہدہ اور تفکر بھی اس کی مدد کرتے ہیں جو اس کی بنیاد میں ہوتے ہیں۔ تقریباً سبھی عمال (Processes) جو سائنس اور پیداواری عمل (Manufacture) میں استعمال ہوتے ہیں ان کا تعلق یا تو طبیعیات سے ہوتا ہے یا کیمیا (Chemistry) ہے ان کو بہتر بنانے کے لئے ان کو چمکی طرح سمجھنا ضروری ہے۔ تجرباتی دیر ان کو سمجھ نہیں چا سکتا جب تک ان کو اصولوں پر قدرت حاصل نہ ہو جائے اور حقائق سے ہر دور رہا ہوئے کی عادت نہ پڑ جائے مگر یہ سب کچھ اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب انسان صحیح رخ پر چلے گا۔ خالص سائنسی تربیت سے کسی طبیعیات دان کیمسٹری کی تجربہ گاہ (Laboratory) سے نہ گزرے۔ چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ خالص سائنسی صابہ کے لازمی ہونے کے سلسلے میں کسی کا شک و شبہ ممکن ہی نہیں ہے خواہ اس کا دائرہ کار اس کے مقاصد محدود ترین توجیہ تک ہی محدود رہیں۔

جہاں تک وسیع تر نظری کی اس سو مندی کا تعلق ہے جو محض سائنس سے پیدا نہیں ہو سکتی تو اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پیداواری عمل کو بہتر بنانا ان ترقیوں میں سے ایک ہے جن سے صنعت کی خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے۔ صنعت ایک ذریعہ ہے مقصد نہیں ہے اور اس بات محض دعویٰ ہے حاصل کرتی ہے جس کی اسے خواہش ہو وہ شے کیا ہے اس کا انحصار کچھ تو ان کی پیداواری خوشحالی پر ہے اور کچھ ان خوشحالی پر جو سب سے سیکمی ہیں۔ اگر خوش حال صنعتوں سے حاصل ہونے والی ترقی کو ان خوشحالی پر صرف کرنا ہے جو سو مندیوں میں ہیں اور مگر دور دور تک نہیں پاتے ہوئے پیداواری عمال کا تعلق ان لوگوں کی ترقی سے رکھا جاتا ہے جو ان عمال کو چلاتے ہیں تو پھر مجھے صنعت و خوشحالی میں حیرت نظر نہیں آتی۔

اب یہ بات بالکل درست ہے کہ انسان کس شے کو اپنے لئے سو منند سمجھتا ہے اس کا انحصار اس کے ذاتی کردار پر ہے اور ان پیداواری میلانات پر جن پر کسی طرح کی کوئی بھی

ہدایت اثر انداز نہیں ہوتی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی عقلی تعلیم غیر متعین مدد تک انسانوں کے کردار سے برآء ہوئے واسطے جمعی مظاہرے کو تبدیل میں نہیں کر سکتی خواہ اس کے لئے اس محرکات کو بروئے کار لایا جائے جو جانوروں کو معلوم نہیں ہیں۔ خوشی کا عاشق فرد کسی نہ کسی طرح خوش حاصل کرے گا لیکن اگر آپ سے چٹاؤ کا حق ملے دیں تو وہ اس خوشی کو فحشیت دے گا جو سے دوسروں کی نظروں سے گرانے والی نہ ہو اور یہ چٹاؤ برآء کی گواہی چاہتا ہے جو منظر عامہ اور اپنی کلچر رکھتا ہے جو کبھی ناکامیاب نہیں ہوتا اور نہ ہی عمر بڑھنے سے مر جھاتا ہے اور نہ ہی رسم و رواج سے مار کھاتا ہے اور نہ ہی بھد میں اس کے واسطے میں سوچنے سے خمیر کو تکلیف ہوتی ہے۔

ان یوروں کے مدد (Employer) فرد کا اثر مند (Artsen) کچھ دیر کے لئے باہم کھینچے ہو گیا کریں گے اور ساری عمر بے ساتھ اپنے دلوں پر نقش و تاثرات لگائے گئے پھر میں گئے جو ان پر یہاں اثر انداز ہوں گے۔ لہذا آپ کو یہ بتانا میرا مناسب نہیں ہے کہ صنعت کی خوش حالی کا انحصار محض پیداوار کی عملی بہتری پر نہیں ہے اور نہ ہی اس بات پر ہے کہ افراد کے کردار کو ریادہ و شریعہ بتا دیا جائے بلکہ اس کے لئے تیسری شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرتی عمل کے مشترکہ اصولوں پر ہو جائے تاکہ یہ مضمون ہوتا چاہئے کہ معاشرتی مظہر و چہرہ ہی قدرتی قوانین کا اظہار بھی ہیں جیسے وہ کسی اور چیز کا ہیں، حتیٰ کہ تک کوئی معاشرتی نظام مستقل نہیں ہو سکتا جب تک وہ معاشرے میں جمہوریت (Static) اور حرکیات (Dynamics) کو مربوط نہ کر دے اور حیرتوں کی نوعیت میں کوئی ایسا ثابت (Arbitrar) جس کے فیصلے خود بخود لاگو ہوتے چلے جائیں۔

حواشی

۱۔ اس کتاب میں شامل مضامین کو عام طور پر ادب نہیں کیا گیا مگر جلد کے اس مضمون کے بعض حصے اس لیے ایڈٹ کر کے چلے گئے کہ وہ بے حد مقامی اور آبی تھے۔

جان بروز (John Burroughs)

جان بروز 1837ء میں پیدا ہوا اور 1921ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس امریکی مصنف کو آج بہت کم پڑھا جاتا ہے۔ مگر چہ اس سے فطرت کی تائید میں کوئی تصانیف کیا لیکن اس کا فطرت کا مشاہدہ بہت نیر تھا۔ مشہور امریکی مصنف اور فطرت عناصر کے شہداء کی تھور کی طرح وہ بھی قدرتی مناظر و مادہ، زندگی پسند کرتا تھا۔ اسے سماں زندگی کے ساتھ حیوانی زندگی بھی بہت عزیز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امریکی شاعر والٹ ویس کا بہت بڑا مداح تھا۔ اس سے ویس کی شاعری پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ وہ سائنس اور ادب میں سنجیدگی پیدا کرنے کا قائل تھا۔

جان بروز

سائنس اور ادب

اگرچہ میں پچیس سالوں کے تمام شعبوں سے دلچسپی رکھتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کے مجھ پر حساسات ہیں مگر اس کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ قدردانی (Nature) سے میری دلچسپی صحیح معنوں میں سائنسی نوعیت کی نہیں ہے مثال کے طور پر ایسا واقعہ تم ہی ہوتا ہے کہ میں قدردانی (Natural History) کے کسی عجیب گھر میں جاؤں اور یہ محسوس نہ کروں کہ میں کسی جنازے پر آیا ہوں۔ وہاں خطوط مشرق پر بندھے پڑے ہوتے ہیں۔ اکڑے اور جکڑے ہوئے یہ گویا زندگی کی ایک بھونڈی فکان ہے۔ جو لوگ ان کو گھورتے ہوئے ان کے پاس سے گزرتے ہیں وہ بٹی صبر کے شیشوں میں سے بڑی سرد مہرگی اور بے سود حیرت سے انہیں دیکھتے ہیں ویسے ہی جیسے وہ اپنے مردہ ہمسائے کو کن میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں مگر پانی کے اندر پھلیاں درختوں، میدانوں یا جنگلوں میں پرندے ہم پر ہانکے غلط قسم کے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

پچیس سالوں سے قدرتی مناظر کو جس انداز میں پیش کرتی ہے۔ بہت سے انسانوں کے لیے اس انداز میں یکساں اب ہی ہے جیسے زندگی سے محروم جنازہ پر نظر اٹایا عجیب گھر میں رکھے ہوئے مومنوں کو یکساں یہ گویا ایک مردہ اور جڑے پھاڑ کی ہونے لگے (Nature)۔

ہے۔ جدوتب کی ایک ایسی الماری جس پر نیکل بھی لگے ہوں اور جس کی ہیئت بدن بھی یہ حد حیات سے نکل گئی ہو۔ یا بقول گوئٹے ”ہر مخلوق کو اپنے قدرتی ماحول سے الگ کر دیا گیا ہو۔“ اور اسے عجیب و غریب ماحول میں رکھا گیا ہو جس سے ہم پر ناخوشگوار تاثرات مرتب ہوتے ہیں اگرچہ وہ محض ہماری عادت کی وجہ سے غائب بھی ہو جاتے ہیں۔“ یہ کیوں ہوتا ہے کہ ایک شکاری، ایک دام پھیلنے والا، ایک سیاح، ایک کسان، بلکہ ایک چوہا، بچہ جیسے پتھروں کے پارے میں، پھوس کے پارے میں اور جانوروں کے پارے میں ایسی کچھ باتیں بتا دیتا ہے جو ہم جانتا چاہتے ہیں مگر کوئی پروفیسر، اپنے افکار علمی اور اپنے اعلیٰ مرتبت ہونے کے باوجود یہ کک کر پاتا؟ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہمیں کسی رحمہ مخلوق کی ایک بھلک سیسے، جوں میں نظر آتی ہے جہاں اس کا تعلق دوسری چیزوں کے ساتھ قائم و دائم ہوتا ہے۔ پھر اسی وجہ سے وہ حیات فطرت اور قلب انسانی کے ساتھ جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر دوسری صورت میں ہمیں یہ لگتا جاتا ہے کہ یہ مخلوقات انسانی علم کے ایک معنوی کلام کے ساتھ حلق ہیں۔

ورڈز ور تھ (Wordsworth) کہتا ہے۔ ”دنیا ہمارے ساتھ بہت زیادہ ہے۔“ میں نے یہ طعنہ بھی دیا تھا کہ ہماری سائنس اور ہماری تہذیب نے ہمیں فطرت سے بے بہرہ کر دیا ہے۔

اسے رب عظیم کاش میں

ایک ایسا بت پرست ہوتا جس کا مسلک گھبراہٹ ہے

پھر شاید میں اس بڑبڑار میں کھڑے ہو کر

ایک ایسا نگارہ دیکھتا جو میرے لیے کم از کم

میں ساگر دیوتا (Proteus) کو سمندر سے الٹا ہوا دیکھتا

یا بوزھے ساگر دیوتا (Triton) کو اس کے گلے میں چڑا ہوا لنگھتا جاتے ہوئے دیکھتا

سائنسی دہش کے لیے یہ رہاں محض بے معنی اور لغو ہے کچھ مصرعے قدیم کلنی قوم کے

شاعر اور گوئیے (Baird of Greenock) کے بھی ہیں جس میں وہ اپنے شاعر کے پارے میں

کہتا ہے۔

اسے سکون ملتا ہے مگر اسے ایسی چیزیں پسند آ جاتیں

جو دوسروں کی سمجھ میں آتی ہوں

جیروں سے لطف اندوز ہونا سائنس کا ویسا مقصد نہیں ہے جیسا کہ ادب کا ہے وہ نظمیں یا مثنویاں کے وہ ادب پارے جو دلوں کو تسکین دے سکیں بے قدر شمار ہوتے ہیں مگر سائنسی تحریروں سے ہماری لطف اندوزی محض اتنی ہے کہ ہمارے تخیلی علم کے دائرے میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ سوال ضرور باقی رہ جاتا ہے کہ ہمارا موجودہ ادب اور سائنس ایک دوسرے کو فک کی نظر سے دیکھتے ہیں یہ فک بدعتا ہی چلا جا رہا ہے آخر اس کی کون پیدا ہوئی ہے کہ نہیں ہے یہاں ایک دوسرے پر غناوت کرنے کا رویہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ پروفیسر ہکسلی (Huxley) شاعروں پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے ”وہ جیسی مستی (Catali waving) میں ملی کی سی چٹخیں مارتے ہیں۔“ اور شاعر ہکسلی کو دیاداری میں کھر جانے کا عندیہ دیتے ہیں۔

سائنس کو جمہوری کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ سائنس جدید تحریکوں کے مقاصد اور طریق کار میں ان کے ساتھ شامی ہے جبکہ ادب کے پارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی روح اور رویے میں اشرافیہ (Aristocratic) ہے ادب صرف چند لوگوں کے لیے ہے سائنس بہت سوں کے لیے ہے لہذا یہ دونوں ایک دوسری کی ضد ہیں۔

سائنس جیسے سکول اور کالج بناتی ہے جن میں سے ادب کی مطالعے کو یکسر خارج کر دیا جاتا ہے یا ایسا کر کے کی کوشش کی جاتی ہے قدیم انہوں کے قدیم لٹریچر میں جو تبدیلیاں کی جا رہی ہیں، اس کے بارے میں بہت شور مچا جا رہا ہے یہ ایک حائل ہے جو کلاسیک مطالعہ جات کے سلسلے میں انتہائی ایک جی کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ جیروں کی بجائے عاموں کا مطالعہ ہے جس کی کوئی گنجائش ہمارے تعلیمی نظام میں نہیں ہے یہ صحیح پکار موثر سے درحوش آئندہ ہے لیکن مگر اس کے پیچھے یہ حکمت عملی کام کر رہی ہے کہ سائنس اس عظیم ادب کی جگہ لے سکتی ہے جو اعلیٰ ثقافتوں و تہذیبوں دینے میں بدکار ثابت ہو رہے تو شرانگیز اور بے راہ روی کا مذہب ہے۔

جہاں تک سائنس کی اصل قدر کا تعلق ہے یعنی یہ کہ اس نے ہمارے تہذیبی جہز کے طور پر کیا کردار ادا کیا ہے تو اس کے بارے میں صرف ایک ہی رائے ہو سکتی ہے لیکن جہاں اس کا تعلق دانشوروں اور مفکرین سے ہے یا ان لوگوں سے جو صاحب اثر رہے ہیں تو

پھر بہت سے متنوع نقطہ نظر ہو سکتے ہیں۔

یہ بات یقیناً درست ہے کہ دنیا کے عظیم عہد قطعی (Exact) سائنس کے عہد نہیں تھے۔ درحقیق ان میں دو عظیم ادب پیدا ہوئے تھے جس میں کسی نسل (Race) کی قوت اور استطاعت رواں دواں ہو رہی تھی یہ اس دوروں کی تخلیق تھی جو طبعی کائنات کے بارے میں صحیح نظریات رکھتے ہیں بلاشبہ اگر سال کی اخلاقی اور عقلی مشروعت اور بوجہ (Maturity) کے مرتبے کا تعلق مادی آلات اور سہولتوں سے یا جن شدہ قطعی علم سے ہے تو پھر آج کی دنیا کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ ساری فعال کے میدان میں زیادہ بہتر کامیابی (Achievement) کا مظاہرہ کر سکے۔ در یہ کام انیاں ہی ہوں جن کی وہ مثال پہلے سے موجود ہو مگر ایسا وہ کر نہیں سکتے۔ ٹیکسیر سے اپنے کھیل ان لوگوں کے لیے لکھے تھے جو شاید جن بھوتوں پر ایمان رکھتے تھے اور امکان یہ ہے کہ وہ بھی اتنا پر ایمان رکھتا ہوگا۔ (Dante) کی مافیہ فہم نسبی سائنس عہد میں قطعی ہی نہیں چاہتی تھی یہ بھی ممکن ہے کہ عبرانی صحیفے (Hebrew Scriptures) اس سلسلے کے لیے اس قدر قیمتی نہ رہتے۔ درحقیق اس کا اثر زیادہ گہرا ہوتا۔ اگر وہ قطعی سائنس کے حوالے سے بڑے ارد گرد کا حال بیان کرتے۔

میر مقصد یہ نہیں ہے کہ میں قطعی سائنس کی عیب جوں کروں، ممکن ہے میں تھوڑی دیر میں لغت کو برا بھلا کہے لگوں، لیکن لغت چونکہ سچے طور پر کوئی مقصد نہیں ہے لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قطعی سائنس کا آخری مدب یہ ہے کہ وہ ہماری اندر اعلیٰ حیالات پیدا کریں اور وسیع تر اخلاقی نقطہ ہائے نظر اور روحانی ترقی کی طرف ہماری رہنمائی کریں جس حد تک وہ یہ خدمات سر انجام دے سکتی ہوں یہ ان کی قدر روائی کا پکا ہے۔ تعلیم دینے والوں کے لیے یہی پیمانہ ایک قدر ہے۔

عظیم سائنس یہ خدمت سر انجام دے سکتی ہیں۔ وہ ثقافت کے خاص آلات ثابت ہونے کی صداقت رکھتی ہیں۔ یہ آلات جس کی مدد سے تمام اخلاقی اور عقلی طبع صاف شفاف اور روحانیت سے سرے ہو جائے یہ بات بلاشبہ درست ہے مگر اس کے باوجود وہ انسانیت (Humanities) سے اس کی جگہ چھین نہیں سکتیں اور نہ ہی وہ عمومی ادب بن سکتی ہیں اس سلسلے میں بعض غلط افہامات موجود ہیں جو ہمارے زمانے میں بہت مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔

کہ اس سلسلے میں کوئی شبہ ہے کہ کسی عظیم کردار عظیم روح سے رابطہ جو ادب کے در پیچھے سے ہوتا ہے وہ اپنی حلقہ قدرت اور روحانی محرک کے اعتبار سے اس تعلیمی قدر سے آگے نکل جاتا ہے جو ہمیں سائنس کے طبیعی قوانین (حق کا تعلق طبیعی نظریات سے ہوتا ہے) سے حاصل ہوتی ہے۔ کیا یہ عظیم ادب میں کوئی ایسی شے موجود نہیں جو ہمارے ذہن کے دروازے کو کھولے؟ اس کو اپنی جدہات سے اور خیالات سے معمور کرتی ہے اور ان کو پرورش کرتی ہے اور ان کو ترقی دیتی ہے اور دل میں تر کر کر کے درجہ دینی داتی ہے؟ یہ سب کچھ سائنس کی رسائی سے یکسر ماوراء ہے۔ سائنس ذہن میں کچھ نہ کچھ اُصولات کو کرتی ہے جیسے مثال کے طور پر چلوں کی کھڑکیاں جیسے جالور اور پودے یا بارش اور شبنم زمین کو کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ جب تک سائنس جدہات کے ساتھ مل جل رہے ہیں تو درحقیقت کے لیے قابل قبول نہ ہو جائے وہ ایک مردہ غیر نامیاتی مادے کی طرح ہے اور جب وہ مل جل جاتی ہے اور ایک ہو جاتی ہے تو ادب بن جاتی ہے۔

مستقبل کے کاغذی بادشاہ قدیم زمانوں کی زبانوں پر بہت کم درودیں گے، لیکن اس طرح سے جو وقت بچے گا وہ طبیعی سائنسوں کے مطالعے پر اس طرح صرف نہیں ہوگا جس طرح ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) نے سوچا تھا بلکہ خود سائنس کا مطالعہ کیا جائے گا اس کے خیالات جیسے کہ تاریخ کے حوالے سے سائنس آتے ہیں یا عظیم ادب میں موجود ہیں، یہ جو "میکروسکوپ" (Microscopes) اور "ٹیلیسکوپ" (Telescopes) کے درمیان ہوں تو وہ انسانی آنکھوں کو ان سے قدرتی حکمت مند نہ اور نقشہ بخش نظر سے محروم کر دیں گی۔ اس بات کے اصرار شاید وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ مصنوعی علم جو ہم کو "حکمت" کی مدد سے حاصل ہوتا ہے اس میں ایک طرح کا تشویش ہے تعینات ہے جہر پھار اور لگ بھگ کر دینے کا عمل ہے۔ لہذا وہ تو مصحوم ہے۔ شیریں ہے اور نہ ہی ہر پودے قدرتی علم کو شکر ہے ہماری خطری صلاحیتوں کا اور اور آگ کا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ طبیعی سائنس جو کھوج نکاتی ہے اور جو نتائج اُٹھاتی ہے وہ وقت رفتہ باہج تجزیہ Analysis بننا چلا جاتا ہے اور اس کا تعلق دور دور سائنس سے انسان کے مدد مسائل سے اور مدد قوانین سے لوث چلا جاتا ہے اور بالآخر ہمارے ہاتھ میں کائنات کا ایک میکینکی تصور رہ جاتا ہے۔ درہم کائنات کو ایک مشین سمجھنے لگتے ہیں یہ جو کتنا ہی سائنسی تصور کہیں نہ ہو

روحانی طور پر اس کی نہ کوئی قدر ہے نہ مقابلہ کے لیے اس میں کوئی حسن ہے۔

آج کا انسان خوش قسمت ہوگا اگر سے چیزوں کے بارے میں پھر سے ویسے ہی فطری اوراک حاصل ہو جائے جیسا کہ پلوٹارک (Plutarch) اور درجل (Virgil) کو حاصل تھا۔ مشاہدہ کرنے والے قدمائے دنیا کو کیا زعمہ دیا ہندہ بتا دیا تھا، انہوں نے ہر شے کو زعمہ و جور کے طور پر دیکھا تھا، اس میں کبھی کچھ شامل تھا۔ اوپن (Primordial) ایٹم، سپس (Spasa) شکل (Form) زمین اور آسمان۔

ستاروں اور سیاروں کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ انہیں قوت بخش غذا (Nutriment) کی ضرورت ہے، وہ سانس لیتے بھی ہیں اور سانس چھوڑتے بھی ہیں، ان کے خیال میں ہر شے کو ختم نہیں کرتی تھی، بلکہ شیاء اس کی خوراک تھیں اس کا شکار تھیں، جیسا کہ جانوروں کی دنیا میں ہوتا ہے، وہ ایسی چھوٹی سانس لیں تھی بلکہ وہ زعمہ تر سانس تھی، جس کی وجہ سے وہ ہر شے کو خاص اوصاف والی روح خیال کرتے تھے، چنانچہ ایک روح رب میں تھی، جب رب کھلتی تھی تو اس کی روح مر رہ جاتی تھی، جو پلوٹارک کے خیال میں ”روح ایک ہیج دھار لوک تھی، وہ کسی بھی جمید (Congealed) مادے (Substance) کی اعلیٰ ترین حالت تھی جس کی مدد سے یہ صرف گوشت بلکہ چاندی کو اور حت ہر تنوں کو بھی کاٹا جاسکتا تھا، لہذا یہ چیز دسپنے والی روح (Spirit) ہر شے کے شعلوں طرح ہے“ (یہ دیکھئے کہ ہر شے کس طرح شعلوں طرح ہے، ان کو جکڑتی ہے جو اس پر سر کرتے ہیں، اور ان کے جسم کے بیرونی حصے کو ہلا دیتی ہے، درہرگ کی طرح گوشت کے اندر داخل ہوتی ہے اور درہرگ پہلی جاتی ہے، ایک روح شہ کی ہے، حرارت کی بھی، درہر خوں کی بھی مقدس ایجیر کا درخت (Fig Tree) ایک ہی تندہ تیز حاصیت رکھتی ہے جو ایک مضبوط اور تندہ روح کی علامت ہے، نیک ہی شے جو شہ کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔

قدیم فلسفی یہ سمجھتے تھے کہ آنگہ ایک غیر فعال آلہ نہیں ہے بلکہ اس میں سے ایک روح خارج ہوتی ہے، یا اس میں سے پٹائی کی بہتیشیں شعاعیں نکلتی ہیں، جو باہر کی شہ کی شعاعوں کے ساتھ تعاہ کرتی ہیں، لہذا ہر شے میں ایک قوت ہوتی ہے اور وہ محبت کے معاملات میں فعال ہوتی ہیں۔ ”فطرت کی خوبصورتیوں کا باہم ایک دوسرے پر نگاہ ڈالنا، یادہ کچھ جو ہر شے سے لیا ہے، وہ خواہ روشنی ہو یا موج رب ہو وہ چاہے دے کو رہ

کر دیتا ہے پکھلا دیتا ہے اور ایک ایسا درد پیدا ہوتا ہے جس میں خوشی ہوتی ہے، اس کو محبت کی کڑوی مٹھاس کہا جاتا ہے۔ ”ایک ہی نظر میں بہت کچھ ہوتا ہے“ ایک ہی نگاہ ایسے شیطانی اضماع ہے، جو لوگ محبت کے چاند سے بالکل ہی نا آشنا ہیں وہ اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ چٹائی تیل (Median Naphtha) کس طرح جل اٹھا حالانکہ وہ تو بہت زیادہ قابض ہے پرتھو، پونا رک کھتا ہے، آسمانوں کا پانی ملکا اور ہوا آگوا ہوتا ہے اور جب وہ روح کے ساتھ ملتا ہے تو بہت سہل اور تیزی سے پودوں میں سے گزرتا ہے اور ان کو سرسبز کر دیتا ہے، اور اس کی وجہ اس کی لطافت ہوتی ہے ”وہ مزید کہتا ہے“ بارش کے پانی کی پرورش ہو، اور غصہ میں ہوتی ہے لہذا جب بارش گرتی ہے تو وہ خالص اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ سائنس اس طرح کے عقیدہ (قناتسیا) کا کیا جواب لاسکتی ہے، وہ اس قدر خوش کن اور دل سوز ایسے والا ہے اور اس میں کالی حد تک سچائی بھی ہے، ہر کی روح اور ہر کی تیسوں سے مل جل جاتا خالص اور خوش کن تدار میں گرنا بدشبہ اس سرور کی اصل شے ہے اور اس کو دھپال میں رکھنا ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے ”قدما آگ چلائے سے گر کر آتے تھے کیونکہ آگ کا تعلق مقدس دھپال سے بھی تھا اور آتش جاودا (Eternal Fire) سے بھی اس کے خیال میں کسی اور شے کی حیوان کے ساتھ وہ مماثلت نہیں ہے جو آگ کی ہے، وہ خود ہی بھڑکتی ہے اور خود ہی اپنی شعلہ کرتی ہے اور اس کے پس منظر میں اس کی روشنی ہوتی ہے جو روح کی طرح ہے اور ہر شے کو دریافت بھی کرتی ہے اور سے خوش منظر میں بھی آتی ہے، جب سے بھانا ہو تو وہ اصولی طور پر ایک قوت کا ظہار کرتی ہے جس کے پیچھے ہندو افسانوں ہوتے ہیں، مثلاً جب بجھتی ہے تو اس میں سے آواز آتی ہے اور حیوان کی طرح صوت اور ہندوہ بلاکٹ کی حرارت کرتی ہے۔

وہ احساسات جس کے ساتھ قدیم فلسفی ستاروں بھرے آسمان کو دیکھتے تھے، سائنس کے ایسے نئے حریفانہ ہیں جنہیں خوش کن ہیں اور ان کا تعلق قلب انسانی سے ہے، پونا نارک اپنی کتاب ”قدراتی فلسفہ“ کے جلد ۱۱۱ (Sentiments of Nature Philosophy) میں اس بات پر مسرت کا اظہار کرتا ہے، سائنیت کے ایسے یہ اجر مفلکی جو نظر آتے ہیں، پودوں کے بارے میں علم فراہم کرتے ہیں، ان پر فکر کرے سے یہ نوازہ ہوتا ہے کہ وہ سب ایک عظیم آہنگ کی وجہ ہیں، وہ اپنے ظلوغ و غروب کے ساتھ دن اور رات اور سردیوں

اور مریضوں میں باقاعدگی پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم ان چیزوں پر بھی غور کریں جو زمین پر ان کے اثرات کی وجہ سے مخلوقات کو حاصل ہوتی ہیں اور ان سے یہ حقیقت ہمارے اور ہوجاتی ہیں، یہ سماں پر کھولا گیا ہے کہ آسمان ان مخلوقات کا باپ ہے اور زمین ماں ہے، یہ بات تو پوری طرح واضح ہے کہ آسمان باپ ہے کیونکہ آسمان ہی سے پانی برستا ہے جس کے اندر توہد کی حاضرت ہوتی ہے اور زمین اس کو مہسوب کرتی ہے اور اس سلسلے کو آگے بڑھاتی ہے۔ انسان بھی اسی طرح ستاروں کے مقابلے میں ایک مستقل گردش میں رہتا ہے۔ اور سورج اور چاند کی قوت کے باعث ہم مناظر کو دیکھ سکتے ہیں اور اس بات پر غور کر سکتے ہیں کہ ان کو دیکھنا کیوں کہا جاتا ہے۔

قدما کے پاس وہ علم تھا جو دل کے درپے حاصل ہوتا ہے، لیکن ہم تو زری طرح اس علم میں پھنس گئے ہیں جو دماغ کے رے حاصل ہوتا ہے، اگرچہ اب کا بہت سا علم محض ہچکا۔ نظر فریبوں (Delusions) پر مشتمل تھا مگر اس کے مقابلے میں ہمارا علم بے لوث و بے غرور اور بے فائدہ تفصیل پر مشتمل ہے۔ محض ایک ریت کا دشت ہے، جہاں کوئی شے لگ سکتی ہے اور۔ اسی آہنی ہے، کتابوں میں بہت کچھ یہ بھی ہوتا جسے کوئی جاننا نہیں چاہتا۔ اس کو جاننا محض دماغ پر بوجھ ہے ایک ٹھکن ہے جس کو ہم ٹھائے بھر رہے ہیں۔ جدید طبی علوم کا بہت سا حصہ مردہ مڈبوں کی کڑواہٹ کی قدر ہے، یا ایک ایسا بھوسہ ہے جس کے اندر کوئی کام کی شے موجود نہیں ہے، ہم شاید رفتہ رفتہ ہی ایک ایسے غلط نظریہ کی رسانی حاصل کریں گے جو زندگی سے معمور ہوگا۔ اور ہمیں بہت حد تک اس کے قریب لے آیا ہے۔ بہر صورت کسی قدیم لکھاری کی، ہماری صحیح اور بچہ علم کے مقابلے میں انہوں پر کہیں زیادہ گرفت کرے والی ہوتی ہے۔

پران کتابوں میں جو علم ہے وہ شہنم کی خوشبو سے معمور ہے کیونکہ یہ علم بھی کسی وساطت سے کرہ ریش کی طلوع صبح پر حاصل کیا گیا تھا، ہمارے صحیح سائنسی علم میں عام طور پر یہ قبل از تہریب (Pristine) حاضرت موجود نہیں ہوتی اور ہی وجہ سے سائنس سے حاصل شدہ نتائج کی بھٹک ادب میں کم ہی دکھائی دیتی ہے، ادب تو انسانی واردات پر انحصار کرتا ہے۔

سائنس شاید ادب کی مشورہ کے لیے مددگار نہیں ہے، کیونکہ وہ انسان کو انسان پر انحصار کرے نہیں دیتی اور نہ ہی اس کا تعلق پرے عقائد کے ساتھ ہوتا ہے، وہ مہسوب کو

اس کی ذات سے دور سے جاتی ہے، اس میں اسالی دھتے۔ جدات درکنی دوسرے حوالہ شامل نکلن ہوتے ہیں، ہم ردادہ تر حیرت اور تعجب میں رہتے ہیں در ہمارے در خوف بھلک۔ محبت در دھردلی کم ہوتی جاتی ہے۔ جب تک بلاشبہ ہمیں آخر کار یہ احساس نہ ہو جائے کہ سائنس کی تمام کوششوں کے باوجود سررہ بھی تک ویسے ہی عظیم ہیں اور تحیک اور جدات کے لیے آج بھی میدان ویسا ہی جانی پڑا ہے۔

جہاں تک حاصد اور علم بن کار کا تعلق ہے، سائنس در ادب میں قدر مشترک بہت کم ہے۔ ایک کامیڈاں اسی حقیقت ہے جو نکالی جائے اور دوسرے کا میدان جدات ہیں۔ ایم ٹین (M. Taine) کہتے ہیں کہ "جس قدر کوئی کتاب جدات پر روشنی ڈالتی ہے، اس قدر اس کا تعلق ادب کے ساتھ ہوتا ہے" ہم اس میں یہ حاصد کر سکتے ہیں کہ در کتاب حقائق اور قویں قدرت پر روشنی ڈالتی ہے وہ سائنس کی کتاب ہوتی ہے جیسا کہ برکن سے ہے ایک ابتدائی مضمون میں لکھا ہے "ادب ایک ایسا پیٹ فارم میا کرتا ہے جس سے ہم موجودہ زندگی کا نظارہ کر سکتے ہیں یہ ایک ایسا حاصل ہے جس سے ہم زندگی میں حرکت پیدا کر سکتے ہیں" اسی طرح سائنس ایک ایسا پیٹ فارم ہے جہاں سے ہم اپنے طبعی موجودگی کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ "ایک ایسا حاصل جس سے ہم اپنی مادی دنیا کو حرکت میں لاسکتے ہیں۔ پہلی صورت میں اس کی قدر مثالی ہے اور دوسری صورت میں یہ اصل مادی صورتوں کا منظر ہے وہ علم جو ادب کو محبوب و مطلوب ہوتا ہے، زندگی کا علم ہے، سائنس کا مقصد اشیا کا علم ہے یہ نہیں کہ اشیا کا رشتہ اسالی دکن در قلب کے ساتھ کیا ہے، بلکہ یہ کہ اشیا کا تعلق "جس میں در اسالی جسم کے ساتھ کیا ہے اور وہ ہے طو پر کیا ہیں؟ سائنس ایک ایسا سرمایہ ہے جسے بار بار سرمایہ کاری میں لگایا جاتا ہے، وہ جمع ہوتا رہتا ہے، بڑھتا رہتا ہے اور سر آئے وال اس کھاتے سے نئے کھاتے کا آغاز کرتا ہے۔ سائنس دان کے سامنے وہ تمام سائنس ہوتی ہے جس سے اسے آغاز کرنا ہوتا ہے اور یوں وہ اس تہارت کی ابتدا کرتا ہے۔ وہ کتنا بڑا سرمایہ تھا جو دن دن کا ملتا تھا اور اس نے ایک بار پھر سے کاروبار میں لگادیا تھا۔ ادب میں ایسا نہیں ہے، ہر شاعر اور فنکار کے لیے ہر دن تخلیق کا پہلا دن ہوتا ہے اور وہ روز ہی ایک نئے کام کا آغاز کرتا ہے۔ ادب اس طرح کی سرمایہ کاری نہیں ہے جو بار بار کی جاتی ہو بلکہ وہ تو ایک حاصل ہے جو بار بار ہوتی در کاغذی پڑتی ہے جہاں تک سائنس کا تعلق ہے، در ویجائی

کو بوجھاتی ہے، سماعت میں تیزی لاتی ہے، پاؤں کو وسعت دیتی ہے پاؤں کو جیز رفتاری
 چلا کرتی ہے، وہ دھان لا پار پار فطری طریقے سے طہرت کی طرف بھاگتی ہے اور اس کی
 صدا صغیر اور توانائیوں کو مست دیتی ہے اور یوں وہ یقیناً ادب کی ایک خدمت سر انجام دیتی
 ہے۔ مگر جہاں تک وہ ہمارے اندر طہرت میں ناکسے بھاگنے کی عادت لاتی ہے، اور ہمیں
 طہرت کے نگاروں کی عظمت کے مسئلے میں اندھا کر دیتی ہے، وہ ہمارے بے گل کے معانی
 ہی ختم کر دی ہے۔ پتا چھو، ہمارے بعد اس کے خلاف ہونا چاہیے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ادب انسانی تہذیب کے ساتھ ساتھ چلا ہے، مگر چہ سائنس نے
 ادب ضرور کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ بغیر مہبط کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس ہی تہذیب
 (Civilization) ہے کہ وہ قدرت کی قوتوں کا اطلاق اسلوب زندگی پر کرتی ہے، ادب تہذیب
 کے ساتھ قدم بقدیم کیوں نہیں چل سکا کیونکہ وہ علم شخص سے کہیں زیادہ بڑی چیز ہے وہ معلوم
 اور نظر آئے دے تحقیق پر بھی انحصار نہیں کرتا بلکہ وہ ال کو تشکیل دیتا ہے۔ اس کے علاوہ
 بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو حاضری سائنس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، بد شہادتانی مسطرت
 جو تہذیب کی طرح ادب کے اندر بھی موجود ہے مثلاً دے کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتی، یہ
 سمجھتے تو خود انسان کے اندر موجود ہے، جیسی ادب کے مسئلے میں دیکھ ہی تہذیب کے
 معانی میں، یہ تو روح کا اثر ہے۔ یہ ہر صورت ہاتھ کا ہر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید
 ادبیت (Letter) میں کوئی بھی کامیابی ہماری مادی اور سامی کامیابیوں کے برابر نہیں ہے،
 کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ کہ ادب مستقل طور پر مرتبہ جاتے گا، ان کا یہ خیال
 بھی ہے کہ جو میدان اس وقت ادب کے ہاتھ میں ہے وہ مستقل طور پر سائنس کے پاس
 چلا جائے گا لیکن ادب بھی جو نہیں سکتا جس سے ادب کچھ دوسرے کے لیے روال پر ہے اور
 اسے جزدن گہن کا شکار بھی ہونے پڑے مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ انسانیت کی دھچکی قدرت اور
 کائنات میں بہت دیر تک محض سائنسی علوم تک ہی محدود رہے، یہی ہم صرف چیزوں کے
 بارے میں وہی علم رکھنا چاہیں جو درست ہو اور جس کی پیکش کی جاسکتی ہو جو یہ علم سائنسی
 نقطہ نظر کے ساتھ مطلقیت ہی کیوں نہ رکھتا ہو، اب آپ ان رپہڑیوں پر غور کیجئے جو کسی
 پھول، کسی پرندے، کسی لینڈ سکیپ (Landscape) ستاروں جیسے آسمان سے متعلق ہیں
 مگر ان کا انحصار محض اس مواد تک ہے جو درسی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے یا پھر اس کا تعلق

کسی ساخت Structures، تفاعل (Function) یا اشیا کے ساتھ رشتے سے ہے۔

قدرتی شیا کے ساتھ ہماری جو دلچسپی ہے وہ خاصی وسیع ہے اور اس کے کلی پہلو ہیں جس کے بارے میں، میں حوالہ دے رہا ہوں۔ ایک ایسی دلچسپی ہے جو اس قدر قدیم ہے جس قدر کہ ہماری نسل قدیم ہے اور جس کو سب ایک ہی طرح محسوس کرتے ہیں۔ حوا وہ پڑھے لکھے ہوں یا نہ ہوں۔ یہ دلچسپی ان چیزوں کے ساتھ ہمارے رشتے کے اندر پیدا ہونے کی طور پر سمجھو ہے اور اس وجہ سے بھی ہے کہ انہما ان سے ایک تعلق ہے۔ ان کی وجہ سے ہمارے ذہن تباہ جذبات پیدا بھی ہوتے ہیں اور نشوونما بھی پاتے ہیں، جیسے محبت کا جذبہ پائیدار کرنے کی خواہش یا پھر ان سے محروم ہونا یا خوفزدہ ہونا۔ یہ تمام جذبات حقیقت میں ادب کی دلچسپی کے ہیں جو سائنس سے بالکل الگ تھلک ہے۔ کسی پھول، شخص، خوش منظر یا مٹی کا کرکڑی کو دیکھ کر ہمارے دل میں جو پسندیدگی پیدا ہوتی ہے یا وہ خوشی جو بہار کے موسم میں صبح کی سیر سے ممتی ہے، ایک ایسی پھل قدرتی ہے جو سمندر کے کنارے ہم کرتے ہیں۔ صرف انی سوگوں کے دل میں یہ حساس کھلے طور پر درستی پکارتے پڑھتا ہے جو حساس ہوتے ہیں مگر زیادہ تر جن اس کو حیرت و شگ و اور دھندلا دھندلا محسوس کرتے ہیں سائنس کے لیے ان چیزوں میں اور طرح کی مسرت پائی جاتی ہے، مگر صراحتی نہیں کہ یہ کوئی ایسی مسرت ہو جو زیادہ شاعری آمیزی کے حصے میں آتی ہو کیونکہ اس کا رشتہ بلاواسطہ طور پر انسان کے لگاؤ اور جذبات سے نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قدرت کے بارے میں سائنسی رویہ۔ تو قدرت کے بارے میں ادبی رویے سے "کے نکل سکتا ہے اور نہ اس سے کچھ خلاصی کر سکتا ہے۔ کیونکہ ادبی رویے میں ہماری اہم روایاں اور ہمارے فطری جذبات شامل ہوتے ہیں اور ان میں ہمارے ارمانوں کی خوشبو بھی ہوتی ہے، ادبی رویہ مثلاً شاعروں کا ہوتا ہے۔ یہ تجربہ گاہوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا جہاں نامیاتی مرکبات خوراک۔ پان اور سو میں تلاش کیے جاتے ہیں۔

اگر اودوبون (Audubon) کی دلچسپی پرندوں سے صرف سائنس ہی کی حد تک ہوتی اور اس میں وہ دوسرے پہلو جن میں انسان دونوں دھوک جس کی بنیاد جذبات ہوتی ہے شامل نہ ہوتے، تو پھر وہ پرندوں کی زندگی کو اس طرح بیان نہ کر پاتا جس طرح اس نے انہیں بیان کیا ہے۔

یہ درست کہ ہمارے زمانے کے ماہرین طیو (Ornithologist) زیادہ تر پرندوں کو نیک
 ایسے ٹھہریں کے طور پر دیکھتے ہیں جس میں ہاتھ تو اس کی چیر چھاڑ ہوتی ہے یا پتہ ہوتی
 Classification کی جاتی ہے لہذا ان لوگوں سے اور جانوروں (Wilson) کی جاتی ہوئی
 تصویروں میں کوئی تضاد نہیں کیا۔ ڈارون کے بارے میں تو شاید یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس
 کے دماغ میں سائنس کے ایسے شدید جذبہ تھا۔ ڈارون ہر وقت کسی نہ کسی خیال کے پیچھے
 سرگرداں رہتا تھا۔ اسے ایک دماغ اور معانی اسوں کی تلاش تھی، وہ حقیقت کی مثالوں کو پیچھے کرتا
 چاہتا تھا اس سائنس کے اندر عہد تک وہ اور قدرتی توانائی اور سرکار کو جاننے کی
 خواہش کی سنگ بھردی تھی۔ یہ سبھی کچھ ایک انسان بلکہ شاعر۔ رخ رکھتا ہے اور ایسے ہی
 لوگ بلاشبہ ادب کے لیے وہ بہترین القاء (Inspiration) ہیں جو ہم سے بھی تک سائنس کے
 میدان سے حاصل کیا ہے۔ کیچوڈ (Earthworm) اور بائی مائل (Vegetable Mould) کی
 تخلیق کے بارے میں کی کتاب حقایق (Fable) کی طرح پڑھی جاسکتی ہے حالانکہ اس میں
 جلی ورسچے کا خوبصورت فلسفہ لکھا ہے۔ وہ تو گویا پودوں اور درختوں کو زندگی عطا کر دیتا ہے
 اور پھر ان کی حرکات و سکنات لایاں کرتا ہے، ان کا سونا جانتا بلکہ اس میں توان کا خواب
 دیکھتا بھی جاتا ہے، وہ بلاشبہ ان کے اندر ایک جند کی سطح کی روح یا رہانت بھی دریافت
 کرتا ہے۔ یہ روح پودوں میں گھلتے دے پھولوں کے کنارے پر ہوتی ہے۔ کبھی کسی شاعر
 سے پودوں کو اس قدر انسانی روپ اور تئیں کیا، مثال کے طور پر اس دریافت کے قابل قدر
 ہونے کا اندازہ کریں جو خواتین دنیا میں پیوند کاری (Cross fertilization) کے نام سے جانی
 جاتی ہے اور قدرت اس کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی وسیع استعمال کرتی ہے۔ یہ پیوند
 کاری صرف ہاتھی ویا ہی میں نہیں دانشور نہ میدان عمل میں بھی بہت نادر آتے ہیں۔ ویا
 کو تیار کرنے کا خیال بالآخر زور ہو کر مچھا جاتا ہے، دوسرے ذہنوں سے ڈرگلی
 (Pollen) حاصل کیے بغیر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے بار آور بچوں کی نسل تیار کرے؟
 چنانچہ ڈارون کی تمام کتابیں پھر سے لیے ادبی اور شاعرانہ (Substratum) رکھتی ہیں وہ
 قدیم کہانیاں جس میں کالامی (Metamorphoses) اور تبدیل (Transformation) کا بیان
 ہے، اور پھر اسے اپنے انواع کے (Origin of Species) اور راب بشر (Descent of Man)
 میں بیان کرتا ہے، قدرت کے سامنے اس ڈارون کی دلچسپی ہے کہ سائنسی ہے، مگر

تھارن ڈرون کی دلت میں دھپکی رہی، راویہ سے ہے، وہ ایک اھوں کی تلاش میں ہے، مگر تھارن ڈرون کی دلت میں دھپکی رہی، راویہ سے ہے، وہ ایک اھوں کی تلاش میں ہے، یعنی نامیاتی زندگی کا اصول، وہ اسے اپنی سوچوں، گروٹوں، دوپٹوں، کوششوں اور مزید کوششوں کی مدد سے ہوں۔ مٹی پانی اور ہاتھ میں درجیوں زندگی کے تمام شعبوں میں تلاش کرتا ہے، پھر وہ تخلیقی توانائی کے نقش قدم پر چلتا ہے، وہ یہ نہیں پوچھتا کہ کیوں، صرف، کیسے، کا سوال اٹھاتا ہے، ہم اسی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، جس طرح کسی تلاش کار (Explorer) کے پیچھے چلا جاتا ہے یا کسی تربیل کے پیچھے یا کونسی جیسے کسی جہاز دان کے پیچھے، ہم اس کی راست ہادی کے عرضیں گرفتار ہو جاتے ہیں اور اس کی آفتابی کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شاعری کے دہانتے کو جوں گیا تھا اور اسے مذہب کی بھی کوں گھر میں تھی، اس کی دھڑکیوں سے حد وسیع اور نہایت جامع تھیں، اس کے اندر خالص سائنس پر مستقل طور پر وہ شے چھوٹی ہوئی ہے، جسے میر سائنس کہتے ہیں۔ یہی عقائد Faith، بصیرت، تخیل، پیش بینی اور الہام (Inspiration) "پیر کا وہ جوہر جس کی توقع کی جاتی ہے، ان چیزوں کی شہادت جو موجود نہیں ہیں۔" سچائی کے ساتھ اس کی محبت ہے حد گیری اور قائم رہنے والی تھی، اس میں پیروں کو کیسے کا نظم، راویہ تھا، وہ حقائق کو ان کے رشتوں میں ایکٹھا تھا جیسا کہ وہ اصولی طور پر ہر سچے ہوئے نظر آتے ہیں وہ دیکھ ہی جائے گا جس سے میں جیسے کہ اس کا شاعرانہ یا مذہبی جذبہ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کے سائنسی میلانات پٹی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں اور یوں اس کا کھار ایک نئے کی صورت اختیار کر بیٹا ہے۔ یہ تو سائنسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ گویا جیسا وہ ہیں شخص اس کا مقلد بنا اور اس نے ڈارون کا اجراع کیا صرف اس کی سائنسی عظمت ہی کے حوالے سے نہیں بلکہ اس شاعرانہ طریق کار کے حوالے سے بھی جو ڈارون نے فطرت کے سلسلے میں رد کرتا تھا۔

پھر یہ بھی ہے کہ یہ جمہوریت (Humboldt) جیسے اعلیٰ انسان پسند (Humanist) ہی کے باعث اس کا نام بھی جانا گیا اور اس کی تعلیمات کو اس کے زمانے میں قبول کیا گیا جن لوگوں میں ایسی نسل پسندی نہیں ہوتی وہ کسی طرح بھی اپنی سائنس کا رشتہ زندگی کے ساتھ استوار نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ روحانی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں، بلکہ وہ صرف تکنیکی اور

ہے روح ظہور کرتے رہتے ہیں اور اس کا زیادہ تر حصہ گھاسٹر اور مصالحہ کروہنے والا ہے۔
 ہے۔ ہوسٹ کی تسان پسندی اس کو ایک محرک بنا دیتی ہے اور وہ فطرت کے تمام طلبہ کا
 سہارا بن جاتا ہے، اس کا اعلیٰ کردار اس کی شاخہ راجہ کے تمام کاموں میں چھلکتی ہے
 اور وہ اس کو ایک سنی قدر عطا کرتی ہے جو سائنس کی عمومی قدر سے ماور اور درج ہے اور وہ
 بلاشبہ خود اپنے طور پر عظیم ہوتی ہے۔ اس کے آفاقی (Universal) علم کی خواہش کے ساتھ
 خوبصورت مثال (Form) کی مہم کا بھی حصہ کیا اس کا کاسموس (Cosmos) اس کی
 دیگر تخلیقی ہی کی ایک کوشش ہے، وہ کائنات کی ایک مربوط نمائندگی ہے، جو صرف
 جمالیات ہی کو تسلیم کرتی ہے بلکہ فہم کو بھی، یہ فطرت کا واضح (Graphic) بیان ہے، مگر
 نہیں، جن لوگوں کا حواس سائنس سے تعلق ہے وہ اس کو سوائیہ انداز میں دیکھتے ہیں اور ان
 کو ہوسٹ پر بھی حیرت ہوتی ہے: ہر ایک کے ہر رنگوں سے کہا کہ وہ سائنس کی جتنی بلند یوں
 کو چھوے میں نا کامیاب رہا کیونکہ اس کے پاس طبیعی یا فیزیکی (Physico Mathematical)
 علم نہیں تھا، اس کی اس بات سے پوری تسلی ہوئی تھی کہ قدرت کی مردہ اش کو تو اسے اور
 اس کی پیدائش کرے، یہ اس کی خوش قسمتی تھی اور دیا ہی کہ کوئی ایسی چیز تھی جو اس
 کے لیے خبر کے فارمولوں سے زیادہ جاذب نظر تھی۔ ہوسٹ کو اس وقت تک جیس نہ پہنچا
 تھا جب تک وہ میکائی سائنس کے پھندے (Trammel) نہ دے اور اس کی تازہ اور کھلی
 ہوا کے لیے گنجائش پیدا نہ کرے یا فطرت کے ساتھ اپنی سلوک برقرار رکھے۔ اس کے
 مناظر فطرت (Views of Nature) اور اس کے سائنسی سفر (Scientific Travels) کو جو
 شے مدد رکھتی ہے وہ اس قدر خامس سائنس نہیں ہے، جس قدر وہ اچھا ہے جس کی
 صورت گرن کی جاتی ہے۔ وہ مشاہدات جو وہ صابہ تحریر میں لایا ہے اور اس کا تعلق گرم
 فطرتوں (Tropical) سے ہے، اور اس کے اپنے اور کاشمیر ہیں، جو اس نے بغیر کسی کی مدد
 کے حاصل کیے ہیں اور اس سلسلے میں اس کے مقابلے کا کوئی فنکارانہ دامن پھینکنے والے مسافریا
 کسانا وغیرہ نہیں ہے اور یہ سب کچھ کتنا خوش آئند ہے، خواہ کوئی ایسا شخص ہو جب وہ
 خوبصورت استدلال کر رہا ہو، بالطور ہاجر رصیت، Geologist، ماہر معدنیات
 (Mineralogist) یا طبیعی جغرافیہ دان (Physical geographer) کے طور پر نمود ظاہر ہو، وہ
 پیشپوں کو جواب دہ ہے، اور جو کچھ ان شعبوں کے ماہرین اور تخصیص نہیں ہوتی، وہ اس

کے بے وقت نہیں رکھتا جب وہ ہمیں یہ بتاتا ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ
 ممکن رہتے ہیں کیونکہ وہ انسان سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں، جب ان کی عقلی خصوصیات
 جڑ جاتی ہیں تو ان کی گفتگو حرجی کم ہو جاتی ہے۔ ہم اس وقت سے زیادہ توجہ سے پڑھتے
 ہیں جب وہ ایک باہر قدرتی دانشور (Naturalist) کے طور پر پتھروں کی تکلف انواع کے
 بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس وقت صطرت کے بارے میں ۱۲ سے علم میں واقعی اضافہ ہوتا
 ہے۔ سب سے زیادہ یہ بتاتا ہے کہ جنوبی امریکا کے اتوائی خطے (Equatorial) جہاں بہت گرمی پڑتی
 ہے اور گرمیوں میں خشک سالی ہوتی ہے، اس سے جواڑات مرتب ہوتے ہیں وہ دیسے ہی
 ہوتے ہیں جو شمال کی مردیوں کے نیچے میں پیدا ہوتے ہیں۔ درخت اپنے پتے بھاڑ دیتے
 ہیں، ساپ، مگر بچھ، درخت (Reptiles) اپنے آپ کو ٹیلی مٹی میں دفن کر دیتے ہیں، اور
 مددی کی کئی سطحوں پر جانور در پائے ایک ہی میدان میں جاتے ہیں، یہ علم حالہا سائنسی علم نہیں
 ہے، یہ تو اب علم ہے جو سب پر ہی موجد ہے، جسے کوئی بھی تکلف یا مہم جمع کر سکتا ہے۔ جب
 کون بھیل (Valencia) اور اس کے درگرو پھیلے ہوئے ماحول دیکھتا ہے تو اس کے اندر
 یہ رہنما پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس کے طبعی حدود ان تفصیل کو نظر انداز کر دے لیکن
 مسٹر ونڈر (Mestizo Indian) جو مسافروں کو بکری کا دودھ پلاتا ہے اور جس کی ایک
 خوبصورت بیٹی بھی ہے، وہ جو اس بھیل کے درمیان ایک چھوٹے سے گریس میں رہتا ہے،
 ہمارے جنس کو پیدا کر دیتا ہے، وہ اپنی بیٹی کی حفاظت یوں کرتا ہے جیسے ایک لاپٹی بچہ
 گرے کی حفاظت کرتا ہے، جب کچھ شکاری مباحث کے دوران اس کے گریسے پر رات
 گرے کے لیے پھرتے تھے تو وہ بھٹتا ہے کہ وہ اس کی بیٹی کی ناک میں آئے۔ اس سے
 اپنی بیٹی کو ایک نازک لکڑ کے درخت (Acacia) کے اوپر چڑھا دیتا تھا جو اس داوی میں اس
 کے چھوٹے کے بہت قریب کھڑ تھا، اور اس سے بیٹی کو درخت سے نیچے اترے کی اجازت
 اس وقت تک نہ دی تھی جب تک کہ جوان سیاح چلے نہیں گئے تھے، چنانچہ کسی بھی کام کے
 دوران جب سائنسی دلچسپی بہت زیادہ شدید ہو جاتی ہے تو پھر ادبی اور انسانی دلچسپیاں مائل
 پڑ جاتی ہیں، اور اس سے اہم صورت سماں دلچسپیوں کے سلسلے میں پیش آتی ہے۔
 کوئی بھی ادبی شخصیت سائنس کے معاملے میں اتنی کشادہ دل نہیں تھی جتنا کہ گوئے
 تھا، بلاشبہ جدید سائنس کے بہت سے حالات یہ ہیں، جس کا اندازہ یہ ہے کہ

ہو گیا تھا، تاہم اسوں نے اس کے ہاں ادب پا جڑے ہی کی شکل اور رنگت اختیار کی تھی اور وہ حاضری سانس نہیں بن پائے تھے، وہ گویا اس کی روح کی توسیع تھے، اور ان کی مدد سے اس نے فطرت کی مثال کھون پر پٹی گرفت مضبوط کی تھی۔ مگر وہ فہم کے منطقی اقدام کو خاطر میں نہ لایا تھا اور طبیعیات کے سلسلے میں اس کی ساری تلاش طبیعیات سے ہال حقیقت کی تلاش تھی۔ تاکہ وہ اس اسرار سے رو دیک نہ ہو جاتے جیسے پچر کہا جاتا ہے۔ اس سے انکار من (Eskermann) سے کہا تھا، ”فہم اس تک نہیں پہنچ سکتا، اسان جب تک اپنے آپ کو اس حد تک روش خیال نہ کرے اور اس کی دانش اتنی ارفع نہ ہو جائے کہ وہ الوہیت (Divinity) سے رشتہ قائم نہ کرے، وہ الوہیت جو قدیم ترین مظاہر میں اپنا عکس رکھتی ہے اور اس کے ہی منظر میں موجود ہے اور جس سے ہر شے تخلیق ہوتی ہے۔ اور ایسی ہی مثال کو بیان کرنے کے لیے کہ یہ کیا تھا کہ وہ عمومی مشاہدات جو سائنس فطرت اور اس کے عوامل کے سلسلے میں کرتی ہے۔ انہیں خواہ کسی بھی زبان میں کیوں نہ بیان کیا جائے وہ حقیقت میں صرف علامت (Symptoms) ہی ہیں مگر ان مطالعات سے واقعی کوئی حقیقی حکمت اور فائدہ ہوتا ہے کہ فطرت (Physiology) اور لہذا فطرتی عوامل تک لگانا چاہئے جس کے یہ فائدے ہیں۔“

میں کہتا ہوں کہ ادب اسالی تہذیب کا ساتھ نہیں دیتا۔ ایک ایسا جس میں بہتر رہائش ہو، بہتر لباس ہو، بہتر خوراک ہو، بہتر سواروں ہو، جنگ کے لیے بہتر تیاری ہو، امن کے لیے بہتر سطح ہو، رعایت میں زیادہ مہارت ہو، یہی صورت حال چھوڑائی، اٹھنڈا رنگ اور سرجس کے سلسلے میں بھی ہو بھاپ، ٹکلی پارو اور فنانامیت (Dynamite) میسر ہو یوں لگتا ہے کہ جیسے ادب میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کیا لوگ بہتر ہیں؟ کیا نساں عظیم تر ہے، کیا رنگی زیادہ شیریں ہے؟ یہی معیار کی سوالات ہیں، مگر وقت بچا لیا گیا ہے، یا اس معدوم ہونے کے قریب قریب ہے، بھاپ درنگی مہیا ہیں، مگر فرغت (Leisure) کہاں ہے؟ جس قدر وقت ہم بچاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ کم رہتے ہیں، مشین کی جلد باری اسان میں سریت کر جاتی ہے، ہم جو ڈس در طوفانوں سے توڑ لیتے ہیں مگر ہم جلد باری کے خطریت سے نہیں بڑھ سکتے۔ یعنی دور ہم اس کے ساتھ چلتے ہیں اتنی ہی زیادہ وہ ہمیں مہیر لگاتا ہے، جو کچھ ہم سماں (Time) میں بچاتے ہیں وہ مکان (Space) میں ضائع کر دیتے

ہیں، ہمیں زیادہ خاصے عیور رے کی ضرورت پڑ جاتی ہے، جو کچھ ہم قوت (Power) اور بہت میں حاصل کرتے ہیں اسی قدر ہمارے کام کم اور نقص ہوتا چلا جاتا ہے۔ دو عورت جو سوتی سے ملتی تھی سب مشینیں چلاتی ہے، مگر پہلے جہاں وہ دکن ٹانگے لگاتی تھی اب دکن ہر دنگے لگاتی ہے اور یہ بات شاید درست ہے کہ دوسری حالت پہلی حالت سے بدتر ہے، حقوق کی ٹیکنری، چاقو چھری جانے کی ٹیکنری، قمیصوں کی ٹیکنری، یہ سب کچھ پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ذہن اور جسم کو تھکا دیتے والا ہے۔ شاید پرانی صنعت بہتر ہو جاتی تھی، مشین کا لوہا روح میں داخل ہو جاتا ہے۔ انسان محض ایک ٹکڑا، ایک دنگ نہ چرخ (Cog)، ایک پن (Bell)، ایک پیسہ کا Spoke یا Spindle بن جاتا ہے۔ کام زیادہ ہوئے لگتا ہے مگر اس سارے کام سے حاصل کیا ہوتا ہے؟ جہاں تک جمالیات (Beauty) طاقت، کردار اور دکن بہن کا تعلق ہے کچھ نہیں، ایک بہتر مرد یا عورت کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اس سے کہ چند لوگوں کو دوست اور لڑاغت میسر آتی ہے اور وہ اس کو یہ ثابت کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ یہ دوست اور لڑاغت ان کے لیے سوزوں نہیں ہے۔

عقل ہے یہ کہا جائے کہ سائنس سے صحت میں بہتری پیدا کر دی ہے اور ہماری سلی کی زندگی کو بہتر بنایا ہے، سرچشمی میں ترقی بھی ہوئی ہے۔ علم الاطفا اور علم مرضیات (Pathology) اور علم معالجہ (Therapeutics) نے سال کے بکھوں میں کمی کی ہے اور زندگی کو طویل تر کر دیا، یہ بات بلاخوف ترویج دوست ہے مگر اسی صورت میں سائنس ہمیں وہ کچھ دہا کر رہی ہے جو کچھ اسی نے ہم سے چھین لیا ہے۔ اس نے اپنے آلات، مشینوں، سہولتوں، جسمانی مدد سے قدرتی انتخاب کے قانون میں دخل اندازی کی ہے۔ اس نے نسل سازی کو زیادہ نازک مزاج اور کردار بنادیا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو کہ ہم بیماری کے خلاف نیرو آور ہو سکیں تو ہم سب صحتی ہی سے غائب ہو جائیں۔ ایک بوڑھے طبیب نے یہ کہا کہ میں اگر اب مریض کے جسم میں قسم لگاؤں یا سے جلاب آور دوں تو جیسا کہ میں ابتدائی دنوں میں کرتا تھا، تو میرے مریض جان بھر کر ہو سکیں گے۔ کیا ہم اپنے آپ کو جہاد سے زیادہ مضبوط ہیں، زیادہ صحت کو ش ہیں، زیادہ مردانہ قوت کے مالک بن گئے ہیں؟ ہم اپنے بزرگوں کے مقابلے میں زیادہ آرام سے رہتے ہیں، بہتر تعلیم حاصل کرتے ہیں، مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ان سے زیادہ عقل و سے اور خوش طبع بھی ہیں؟ علم بتاتا ہے مگر حکمت

قیام کرتی ہے، جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے ویسا ہی ہوتا رہے گا۔ مہاں زندگی کی لاری شراکت
 جتنی تھیں ویسی ہی رہیں گی، مگر غیر ضروری تہذیبی ہر فرد کے ساتھ ہرے ہوئی رہے گی۔
 ادب سائنس کے بعض شعبوں میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کی دلچسپی موسمیات
 (Meteorology) میں معدنیات (Mineralogy) سے زیادہ ہے، اعلیٰ علوم جس میں فلکیات
 (Astronomy) اور دھرمیات (Geology) شامل ہیں اس کے مقابلے میں کمتر تہذیبی
 سائنس میں اس کی دلچسپی کم ہے۔ اس سائنس میں دلچسپی زیادہ ہے جو سائنس ہے اور اس
 سائنس میں کم ہے جو ماہر معدنیات ہے..... کوئی ادب نہیں ہے جس میں نازک خیال اور
 پیچیدہ کن حقیقت اور مشابہت کا اختراع موجود نہ ہو۔

بہت تک علم کسی نہ کسی طرح زندگی کا حصہ نہیں بننا، کردار، تحریک، حرکات، محبت،
 خیر و نیکی اور کسی نہ کسی زندہ سائنسی حاکمیت اور کارکردگی میں شامل نہیں ہو جاتا، اس کا تعلق
 ادب سے قائم نہیں ہوتا۔ صرف اور صرف انسان ہی سائنس کی (انجی) دلچسپی کا مرکز ہے۔ ہم
 فطرت کے درجہ بھی اس میں حواس کی حوشہ بگیتی کرتے ہیں۔ صرف وہی چیزیں ہماری قوت
 کو پہنچتی ہیں جن کی توجیہ اس حواس سے ہو سکتی ہو جن کے معانی اور عینیت انسان سے
 واسطہ دے سکتے ہوں، جب ہماری فہم جوئی کا تعلق کسی ایسے میدان، جنگل، زمین کے فہم اور
 سمندر کی گہرائی سے نہیں ہوتا جس میں انسان دلچسپی کا کوئی پہلو نہ ہو اور وہ کسی نہ کسی حواس
 زندگی کی تقریب کا حصہ نہ ہو، اس کو ادب قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

تمام لوگ زندہ پرندوں اور زندہ جانوروں میں دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ ان کو اپنی ایک
 بھلک اس کے اندر بھی نظر آتی ہے یا وہ اپنی زندگی کو سنے کر، روں میں، درختی سطح پر دیکھتے
 ہیں، پھول، درخت، دریا، بھینس، پہاڑ، چٹانیں، باؤں، بارش اور سمندر سب کے لیے
 دلچسپی کے حامل ہیں کیونکہ اس کا دستہ بن واسطہ طور پر قدرتی زندگی کے ساتھ ہے اور قدرتی
 ہڈیات کے انکسار کے لیے ایک موثر ذریعہ ہیں، اور وہ شے جو بلا واسطہ طور پر ہماری اس
 زندگی سے متعلق ہے جسے مصنوعی کہا جاتا ہے۔ یہی پناہ گاہ، لباس، خوراک اور سوار کی
 ضرورت، جیسے ٹیکسٹریل، لٹ، لوہار کی بھی، ریوے سٹیشن، کار آمد فنوں کا پورا کیٹلاگ
 (Catalogue) ہمارے لیے زیادہ دلچسپی کی حامل نہیں ہیں، لہذا سب کا ان سے برائے نام
 سرکار ہے، یہ بات خاص طور پر پیش نظر رکھنی چاہیے جب کسی شے کو مکمل طور پر فطرت کے

جوے سے لگ کر دیا جاتا ہے اور سے مصنوعی بنا دیا جاتا ہے تو ہی حساب سے ہماری دلچسپی اس میں کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ لہذا وہ داریانی نشئی جو سمندر میں لکھنیاں کرتی ہے۔ ہمارے لیے بھاپ سے چلنے والے جہاز سے کہیں زیادہ خوش کن منظر پیش کرتی ہے۔ پرانی چکی جو بہتے ہوئے پانی کی عو سے چلتی ہے، بھاپ سے چلنے والی مل سے اور کھلی لگ لگ (Stove) کے اندر پوشیدہ آگ سے کہیں زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ آلات اور اوزار دیے جادو اب نظر نہیں آتے جیسے کہ پہلے ہتھیار ہوتے ہیں۔ ادب کے لیے تجارت سے زیادہ دلچسپی جنگ کے اندر ہے، کیونکہ تجارت زیادہ مصنوعی ہے۔ فطرت اس کے اندر جوہری نہیں دکھائی دیتی۔ کسان ادب میں تاجر سے کہیں زیادہ ہیبت رکھتا ہے۔

یہ تمام اسباب ہمارے لیے بالکل واضح ہیں، ہم فطرت ہی میں لپکتے ہیں، ہم ایک سبب کی طرح ہیں جو درخت کے ساتھ لگا ہوا ہے: یا ایک بچے کی طرح جو ماں کی چھائی سے دھڑکتا ہے ہم قدرت کے اندر اور خدا کے سامنے میں زندگی گزارتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں اور اپنے وجود کو برقرار رکھتے ہیں۔ ہماری زندگی عبادت ہے ایک پائیداری کے ساتھ ایک مہربانی کے ساتھ اور تعلق کی توانائی کے ساتھ، ہماری خواہش اور ضرورت ہے کہ ہم فطرت کا ہاتھ تھامے رہیں۔ خوشی سے پانی پئیں، دھڑکتا ہوا ہمارے فہم سے حاصل کریں، روٹی مکدم سے بنائیں ہو کھلی غذا سے حاصل کریں۔ اگر ہم قدرتی فراہمی سے بے تعلق ہو جائیں یا اپنا رشتہ کمزور کریں تو ہم ناکامیاب ہو جاتے ہیں۔ ہماری تمام چلتیں، اشتہائیں (Appetites) اور افعال ایک بھرپور صورت میں ناول سطح پر پہنچ چکے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارا مکمل انحصار قدرت پر ہے، اور اس سے ہمارے ذاتی ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ ادب میں زندگی میں ہم کی طرف کھینچتے چلے جاتے ہیں جو ہمارے دس کے قریب ہو اور اس کے ساتھ ہم ایک رشتہ محسوس کرتے ہیں۔ فطرت علم یا وہ علم جو سکھاتا گیا ہو، وہ اس علم سے کہیں زیادہ قریب لگتا ہے جسے پیش درہ علم کہتے ہیں۔ مجھے فطرت کے قریب رہے ہو یہ وہ مطالبہ ہے جو ادب ہمہ وقت کرتا رہتا ہے، وہ کہتا ہے کھڑکی کے کھول دو، تازہ ہوا اور دھوپ آئے دو، کیونکہ ان کے ساتھ ہی صحت اور قوت بھی آئے گی، میرے خون کو آکسیجن کی ضرورت ہے اور میرے پیچھے رہے ہر لحاظ سے تازہ عنصر سے معمور ہونے چاہئیں۔ میں ایک مگرہ بتیس عنصر کی طرح کالک ایٹر (Cosmic Ether) میں سانس نہیں لے سکتا اور نہ ہی

میں سائنس دانوں کی تحریر کا ہوں میں ان کی دریافتوں کی گیمیں پھاٹک سکتا ہوں، مجھے صرف پھاڑوں اور میدانوں کی صاف شفاف ہوا ہی کافی ہے۔

ادب کے لیے جو پڑائی کی زندگی نکل کی زندگی سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے، ہاں البتہ یہ ضروری دیکھنا ہوگا کہ دونوں میں ایک ہی فطرت کی کاجڑائی ہے مصروفیت اور بے چینی سے جان چھڑائیں اور قدامت و رسوائی کو اپنائیں وہ مشین جو ہاتھ کرتی ہے چلتی پھرتی ہے، روتی ہستی سے اور عیب کرتی ہے وہ بہتر اگر آؤ بھی بھونٹا ہوتا آگ کی دھن ہرک بھڑکتی ہیں جو بغیر کسی واسطے کے پکپکتی ہیں۔

سائنس سے ہمیں کیا سیکھا ہے، حقیقت سے محبت کا روکھا پھکا سا ایک رویہ جس کو ہم پاسے چلے جا رہے ہیں، ایک خوش کہ ہماری ذاتی بصارت و فہم نہ ہو جائے یا محسوس ہو جائے یا ہمارے اندر بے خوف تفتیش کرے کی صلاحیت جاگزیں ہو جائے یا ہم چہروں کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا شروع کر دیں، مگر یہ سبھی کچھ حاصل کرنا کون آسان کام نہیں ہے اور نہ ہی اس رویے کو مشین کر سکتا آسان ہے، مگر یہ سبھی کچھ حاصل کرنا بلاشبہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے مگر اس جدید رویے کی قدر و قیمت کیا ہے، ہماری خواہش بہت (Emancipation) کسی حد تک ادب عالیہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ سبھی کچھ ابھی کھل کر سامنے نہیں آیا۔

سائنس بلاشبہ ہمارے لیے ایسی قوتیں اور خیالات و دریافت کرے گی، بلکہ شاید وہ کر بھی چکی ہے جو ہماری تک و رو میں یا محسوس ہے ہمارے فہم میں ہماری تہذیب میں اور تاریخی تفتیش میں مددگار ثابت ہوں گی، مگر یہ شاید نہیں کہا جاسکتا کہ اس عمل کی وجہ سے عظیم شعراء آرسٹو، دھانیا پرست، موسیقار اور خطیب بھی پیدا ہوں گے۔ سائنسی تفتیش کے بہت سے شعبوں نے گویے کوئی مہوٹی کے ساتھ اپنی طرف تھپتھپا کر س کی ان شعبوں میں، دلچسپی بڑھتی ہے منتخب میدان عمل سے بھی زیادہ شہ ہوتی، الیکٹرینڈر ڈس (Alexander Willson) سے علم بیور کے لیے شاعری کو شہرہ و بہرہ دیا، مگر اس کا یہ انتخاب کافی سمجھدار ہی تھی وہ اس نئے میدان میں بہت ممتاز تھا مگر دوسرے میں وہ عام سا تھا، سرچارلس (Charles Lyell) جس نے جب شعر گوئی ترک کی تھی اور جھڑپ کا اختیار کیا تھا تو یہ یقیناً ایک صحیح قدم تھا۔ جھڑپ کے میدان میں وہ پہلے مقام پر تھا اور جب اس سے "قدرت کے راز

کی لامتناہی کتاب (Nature's Infinite Book of Secrets) لکھی تھی جو جہز انبیاء کی طبقت کے مازوں کو بھان کرتی ہے، تو اس نے اپنی قوت تخلیق اور قوت توجیہات کا خوب خوب استعمال کیا تھا اور وہ ساری توانائی جو اس کے پاس تھی صرف کر دی تھی۔ اس سے جو نتائج خود کیے تھے وہ جماعت اعلیٰ اور تناظر سے بھرپور تھے اور اس کو پڑھنے سے ہمیں شاعرانہ تشکی حاصل ہوتی ہے۔

مصحح شاعر دور ہے مائیس دان میں کوئی جھگڑائیں ہے، دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سفر طے کرتے ہیں، دیکھو وہ دونوں ایک سہرہ ڈار میں اور جنگل میں بہار کے حسن کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ دونوں میں سے جو کم عمر ہے وہ زیادہ محال ہے اور زیادہ سوال اٹھاتا ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو زیادہ غور سے اور زیادہ تفصیل سے دیکھتا ہے۔ ایک چوں توڑتا ہے اور سہی کو دیکھتا ہے، ایک پرندے کو اڑتے ہوئے دیکھ کر حوش ہوتا ہے، تیلوں کی اڑال کا نظارہ کرتا ہے، پھر وہ پتھر ٹھا کر دیکھتا ہے، بدل پر غور کرتا ہے، چنار کے ٹکڑوں پر سوچتا ہے، اور ہر جگہ سے کوئی۔ کوئی کسی چیز نظر آ جاتی ہے، جس پہ سوچ بچار کرنا لازم ہو جاتا ہے، زیادہ عمر کا شخص حکمت سے چیزوں کو دیکھتا ہے ال پر غور کرتا ہے اور ان سے لطف اندوز ہوتا ہے، مگر وہ مخصوص شیا اور ال کے حدود حال پر خصوصی توجہ نہیں دیتا بلکہ وہ اپنے راس پہ صبیحے ہوئے آہنگ کی روح تک پہنچنے کا تردد مند ہوتا ہے، مگر جب اس کا بوجھ اس کی توجہ کی نئی چیز یا کسی چیز کے نئے پہلوں طرف لاتا ہے اور اس کے حواس کے ہارے میں کی معلومات فراہم کرتا ہے تو وہ اس کی بات توجہ سے سنتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کی بنا کی ہوئی شے کیسی ہے۔ ان باتوں کی پیشیاں اس کائنات کے وسیع میں جدا گانہ ہیں، تاہم یہ بات درست ہے کہ وہ کسی طرح بھی ایک دوسرے کے حریف نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کی قریب کرتے ہیں۔

آئزک ایسی موف (Isaac Asimov)

ایسی موف سوویت یو میں جنم 922 میں پیدا ہوا، اس کا خاندان پہلی جنگ عظیم اور
 روسی انقلاب سے کسی طرح بچ گیا تھا، پھر ۱۱ جنوری 923ء کو اس کے والدین اسے لے کر
 امریکا روانہ ہو گئے اور نیک تھا کا دسواں سالے بحری سر کے بعد 3 فروری 1923ء کو بھارک
 پانچہ واپس حریت اور کیمپریل ال کے انتقار میں تھی مگر اس پار بھی قسمت ال پر مہربان رہی
 اور وہ کسی نہ کسی طرح زخمی رہنے میں کامیاب ہوئے۔

اس کے والدین ڈیڈش (Yiddish) عبرانی (Hebrew) اور روسی رہاں تو یوں کہتے تھے مگر
 انگریزی نہیں ایسی موف سے انگریزی بڑی مشکل سے کہتی تھی۔ اس کا خاندان نام ایری موف
 Azimov تھا مگر اس کے والد کو چونکہ انگریزی کہتی تھی اس لیے اس نے اسے دیکھانے
 سے استعال کیا اور یہ نام ایسی موف (Asimov) بن گیا۔ بچپن ہی سے اسے سائنس فکشن کا شوق
 تھا، اور کوئی سوہ کہیاں لکھنے کے بعد اس کی پہلی کہانیاں ایک دسواں سالے تھیں کی پھر وہ ایک
 مدت تک سائنس فکشن لکھتا رہا۔ 1958 میں پہلی بار اسے ایک سائنسی کام لکھنے کے لیے کہا گیا
 اور اس کے ساتھ ہی اس کی سائنس فکشن کا آغاز ہوا، اس دوران میں اس سے ایک سی عاتوب
 سے شادی کی جو نفسیات دان ہونے کے ساتھ ساتھ سائنس فکشن اور سائنسی مصالحتیں میں
 دلچسپی رکھتی تھی، ایسی موف کا انتقال دسمبر 1992ء میں ہوا، اس نے سائنس فکشن کے کام کو
 سرایتے ہوئے امریکا کی فکشن لکھنے والوں کی فہرست میں اسے گراڈ ماسٹر (Grand Master)
 کا خطاب دیا۔

آئیزک ایسی موف

سائنس اور خوبصورتی

والٹ ویٹ میں (Walt Whitman) کی شہرہ آفاق نغموں میں سے ایک نظم ہے۔

جب میں سے ماہر فلکیات کے درشادات سنے۔

جب مرے سامنے ثبوت اور شاریات کاموں میں ترتیب کے ساتھ لکھے ہوئے پیش کیے گئے۔

اور جب مجھے چارٹ (Chart) اور اشکال (Diagrams) دکھائی گئیں۔

پھر ان کو جمع تفریق کیا گیا، ان کی جانچ ہوئی،

اور جب میں نے نشست پر بیٹھ کر ماہر فلکیات کو سنا اس کے خطبے پر بہت تالیاں بھینیں،
اور ان تالیوں سے ٹیکچر ہال گونج اُٹھا۔

میں تکی جلدی ساری دیکھی کھوپیل میں تھک گیا بلکہ اکتا گیا،

پھر میں اٹھا اپنے آپ کو گھیرا ہوا یا ہر لایا اور پھر میں حیرت میں ڈوب گیا،

رات کی ہوا میں پراسراری تھی۔ پھر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد میں مکمل خاموشی
میں ستاروں کو گھورتا رہا۔^{۱۰}

میرا اندازہ ہے کہ بہت سے لوگ جب یہ مصرعے پڑھتے ہوں گے تو غلط سرت سے

کہتے ہوں گے "کیسی درست بات ہے، سائنس تو ہر شے سے حسن کو خارج کر دیتی ہے ہر شے کو اعداد، گوشاؤں اور پیمائشوں میں تبدیل کر دیتی ہے، اس کوڑ کباڑ کو جاننے کی ضرورت کیا ہے؟ اس باہر نگلو اور آسمان پر ایک نگاہ ڈالو!

یہ بہت ہی قابل قبول نقطہ نظر ہے کیونکہ یہ نہ صرف سائنس کا نہ تو غیر ضروری بنادینا ہے بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ سب کچھ جمالیاتی طور پر نامناسب ہے کہ سائنس سے صراحتاً میدان میں خونا پسیدہ یک کیا جائے، سبکی کافی ہے کہ رات کے کھلے آسمان پر ایک لگاؤ ڈی جائے اور حسن پائیدار کا نظارہ کر لیا جائے اور اس سے بعد کسی نائٹ کلب کا رخ کیا جائے۔ مشکل یہ ہے کہ وٹ میں سے چنی ناک سے "گے دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی مگر اس غریب کو اس کے سوا کچھ آتا چاتا بھی نہیں تھا۔

اس بات سے انکار تو ممکن نہیں کہ رات کو آسمان بہت خوبصورت ہوتا ہے اور میں خود بھی ایسے رہا ہے میں ایک پہاڑی علاقے میں گھنٹوں آسمان کو بیکہ رہتا تھا اور ستاروں کی خوبصورتی مجھے مبہوت کر دیتی تھی۔ (مگر اس کے ساتھ ہی مجھے پلو (Bugs) بھی کاٹنے تھے جن کے نشانے میرے بدن پر ہفتوں موجود رہتے تھے)

میں یہ دیکھ کر تا تھا کچھ خاموش غنیمتی ہوں۔ دشمنیاں ہیں مگر ہمارے حسن بھی کچھ تو نہیں ہے۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں بہت محبت کے ساتھ ایک بچے کو دیکھوں اور جاں بوجھ کہ ہمارے جنگل کے حسن کو نظر انداز کر دوں؟ یہاں زیادہ بہتر ہوگا کہ میں ایک ٹھیکرے پر پڑتی ہوئی مودج کی روشنی سے مسکرا ہوا جاؤں اور مجھے ساحل سمندر کے پارے میں پلٹ جائے سے لڑت ہو جائے؟

وہ نقطے جو آسمان پر چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں انہیں سیارے (Planets) کہا جاتا ہے، وہ حقیقت میں دنیا نہیں ہیں۔ کچھ ایسی دینی نیکی ہیں جن کی فضا میں کاربن ڈی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) اور گندھک کے تیز سلفیوئک اسید (Sulphuric Acid) کی ایک موٹی تہہ موجود ہے کچھ دنیا کی ماس سرخ ہیں اور باقی حالت میں ہیں وہاں ایسے بڑے بڑے طوفان اٹھتے ہیں جو ہمارے گرد ارض کو آسانی سے نکل سکتے ہیں۔ کچھ مردہ دیا ہیں ہیں جہاں گرتے ہوئے شہاب ثاقب نے گہرے گڑھے ڈال دیئے ہیں، ایسی دنیا کی بھی ہیں جن میں جواں کھگی پہاڑ (Volcanoes) ہر لمحہ گرد کے بارلے ہوا میں اٹھتے ہیں۔ ایسی دنیا کی بھی ہیں

جہاں گلابی رنگ کے بے تہا درختاں ہیں۔ ہر ایک میں پر سر اور غیر مٹی حسن ہے، اور جب ہم آسمان پر اس کے وٹنٹ لگاؤ ڈالتے ہیں تو وہ کجا ہو کر کھنکھانے والی روشنی کا ایک دھبہ سا نظر آتا ہے۔

دوسرے روش دھبے جو سیاروں کی بجائے ستارے Stars ہیں، حقیقت میں سورج (Suns) ہیں، کچھ تو ایسے شاداب ہیں کہ ان کا مقابلہ ہی ممکن نہیں ہے، وہ اتنے روشن ہیں کہ ہمارے سورج جیسے لاکھوں مل کر بھی ان جیسے نہ ہو پا میں کچھ تو ایسے ہیں جو دیکھے ہوئے لاکھوں کی طرح ہیں اور اپنی تواناؤں کو بڑی کبوتری کے ساتھ آہستہ آہستہ صرف کر رہے ہیں۔ کچھ بہت چھوٹے جسم ہیں اور ان کی میت ہمارے سورج کے برابر ہے مگر وہ سکڑ کر اتنے چھوٹے ہو گئے ہیں کہ سب کا ہی زمین کے برابر نظر آتے ہیں۔ کچھ اس سے بھی کہیں زیادہ مضبوط Compact ہیں، اصل میں تواناؤں کی کثرت سورج سے برابر ہے مگر وہ سکڑ کر اپنے حجم میں صرف سیارے (Asteroid) کے برابر ہو گئے ہیں، اور کچھ ان سے بھی کہیں زیادہ گنجلان ہیں اور ان کی کثرت اس قدر سکڑ گئی ہے کہ ان کا حجم صفر (Zero) ہو گیا ہے اور وہ ایک ایسا مقام بنا گئے ہیں کہ وہ شدید قسم کا فوجہ (Gravitational) میدان ہیں، جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر شے کو جڑپ کر جاتا ہے اور کچھ بھی واپس نہیں بھیجتا، تمام مادہ (Matter) ایک معمولی طرح ایک یہ پیدا ہے کہ سورج میں گھومتا ہے اور اس سے ایک وحشیہ صوت کی چمک (X-Rays) کی صورت میں خارج ہوتی ہے۔

کچھ ایسے ستارے بھی ہیں جو ایک نہ ختم ہونے والے کائناتی (Cosmic) شخص (Breathing) کی طرح ایک نفسی شکل میں موجود ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو پتا ایذا میں ختم ہو چکے ہیں۔ وہ پھیلتے ہیں سرخ رنگت اختیار کرتے ہیں اور اتنی دور تک پھیلتے ہیں کہ اپنے سیاروں کو سڑپ کر لیتے ہیں (اثر طیف وہ موجود ہوں) اور اب سے اربوں سال بعد، ہمارا سورج بھی اسی طرح پھیلے گا اور زمین سکڑے گی ٹوٹنے کی اور سورج کی گیس کا گرد آلود باد بنے گی۔ اس میں چٹانیں ہوں گی مگر زندگی کا کوئی نشان موجود نہ ہوگا۔ زندگی جو کچھ اس پر ہو کر رہی تھی۔ کچھ ستارے چھٹ کر ایک طعناں (Cataclysm) بنا دیں گے جو بے حد وسیع و عریض ہوگا اور اس میں سے نکلنے والے کائناتی شعاعوں کا ایک ریزہ دست ریزہ تیز می سے باہر کی طرف پودش کرے گا اور اس کی رفتار تقریباً روشنی کی رفتار کے برابر ہوگی، اور وہ

ہزاروں نوری سالوں (Light Year) کا فاصلہ طے کرے گا، اس کی روشنی زمین کو بھی چھو جائے گی اور سب کی جہ سے زمین کو ارتقا کے لیے قوت ملے گی اور یہ ارتقا تغلب (Mutation) کے ذریعے ہوگی۔

جب رات کی مکمل خاموشی میں ہم آسمان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بہت سی تھوڑے سے ستارے نظر آتے ہیں (کئی 2500 اور اس سے زیادہ ہرگز نہیں، خود رات بے حد کان بچاؤ اور صاف سو) مگر ان کے علاوہ بے شمار اور بھی ہیں۔ اصل فکلی ہوتے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے۔ ان کی تعداد تین کھرب ہوتی ہے (300 000 000 000) یہ گویا سمس میں گھومے والا ایک بہت بڑا آنگ کا پہیہ (Pinwheel) ہے۔ یہ ہم دہلی سے بحر (Milky Way) کہلاتا ہے۔ زیادہ وسیع و عریض ہے کہ اگر سے نووی سال کے حساب سے ناپا جائے جس میں روشنی کی رفتار 262 186 میل فی سیکنڈ ہوتی ہے، تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرے میں ایک لاکھ سال لگیں گے۔ یہ کہکشاں اپنے مرکز پر گھومتی ہے اور بہت بڑے بڑے سورج جتنی ہے اور یہ ساں راستہ طے کرنے میں اس کو دو کروڑ سال لگ جاتے ہیں۔ انار سولر ج، ہماری زمین اور ہم خود بھی اسی طرح کی گردش میں گرفتار ہیں۔

جاری اس مگلی وے (Milky Way) کہکشاں کے مادہ کوئی نہیں اور کہکشاں میں جن کا تعلق اداری کہکشاں کے ساتھ ہے، یہ گولہ کہکشاں کا ایک جمرٹ ہے، زیادہ تر کہکشاں چھوٹی چھوٹی ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں صرف چند ارب ستارے ہیں لیکن کم ریم یک اور کہکشاں کسی ضرور سے جو ہماری کہکشاں سے دو گنا بڑی ہے۔ یہ ہے مرقا

ہلسنسل (Andromeda) کہکشاں۔

جس جوں ہم زیادہ سے زیادہ کھشایوں سے روشناس ہو رہے ہیں، ہمیں یہ بھی آگاہی حاصل ہو رہی ہے کہ ان کے مراکز میں شدید بیچان موجود ہے۔ دھماکے ہو رہے ہیں، تابکاری خارج ہو رہی ہے جو اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ، کھوں ستارے اپنی موت سے ہنسنا ہو رہے ہیں۔ خود ہماری کھشایوں کے مرکز میں ایک ناقابل یقین بیچان ہے مگر وہ ہمارے نظام شمسی سے دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اس کے باہری حصے میں گرد اور گیس کا ایک بہت بڑا بادل ہے جو ہمارے اور اس مرکز کے درمیان حائل ہو گیا ہے، جہاں بہت زیادہ اچھال ہے۔

بعض کھلکھائی مرکز اس قدر روشن ہیں کہ وہ اربوں فوٹو سال کے فاصلے سے بھی نظر آتے ہیں حالانکہ سنے فاصلے سے تو کھلکھائیں بھی دکھائی نہیں دیتیں درحقیقت وہ روشنی ستارے ہی نظر آتے ہیں۔ جس کے مرکزوں بہت زیادہ توانائی حریصاً طور پر نکھائی جا رہی ہے..... انہیں کواکسز (Quasars) کہا جاتا ہے ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کو دس ارب لوری سال کے فاصلے کے باوجود دریافت کر لیا گیا ہے۔

یہ تمام کھلکھائیں بہت تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے دور جا رہی ہیں اور ان کا رخ ایک ہی اتفاقی وسعت سے متعین کیا ہے جواب سے چندہ ارب سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ جب کائنات کا تمام مادہ ایک چھوٹے سے کمرے میں موجود تھا جو ہمارے تصور سے بھی بڑے دھماکے کی شکل میں پھٹا تھا اور پھر اس نے یہ کھلکھائیں نکلیں دی تھیں۔

حکس ہے یہ کائنات ہمیشہ ہی اس طرح پھیلتی رہے: یا پھر کون ایسا دہ آجائے جب یہ وسعت پذیری آہستہ ہو جائے اور وہ ایک ہار پھر سکر کر وہی چھوٹا سا کمرہ دوبارہ تشکیل دے رہے اور وہی کہیں پھر سے شروع ہو جائے اور پھر یہ کائنات اسی طرح سانس لینے اور خارج کرنے لگے جس طرح وہ اب سے کھربوں سال پہلے کیا کرتی تھی۔

مگر یہ ڈیڑھ یا مقررہ..... انسان کی سطح سے بے حد باور ہے..... اور اس کے بارے میں جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ ٹینکڑوں باہرین فلکیات کی کوششوں کا نتیجہ ہے، مگر یہ کبھی کبھار جی ہاں کبھی کبھار وٹ مین کی موت کے بعد معلوم ہوا ہے (وٹ مین کا انکشاف 1982ء میں ہو تھا) بلکہ زیادہ تر دوریا تیس چھپنے 25 برس میں ہوئی ہیں لہذا اس بے چارے شاعر کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کو نظر آنے والے محمد وحسن کے پیچھے کیا ہے، وہ تو مکمل سکون کے عالم میں رات کے وقت آسمان کے ستاروں کو گھورتا تھا۔

بہیں تو بھی تک یہ بھی انما قرہ نہیں ہے اور نہ ہی ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ مائنس مستقبل میں کس کس لاکھ و دھون کو مقرر عام پرے آئے گی۔

رتھیل کارسن (Rachel Carson)

رتھیل کارسن 1907ء میں امریکہ میں پیدا ہوئی اور 1964ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس سے ہماری حیات میں بہترین کی اور میری بیواؤں کیلئے یہاں پر ڈیڑھ سو سالوں میں کام کرتی رہی۔ اس کے بعد کئی یونیورسٹیوں سے پڑھا۔ اس کے بعد دو امریکی محکمہ وکس کے شعبے میں ڈائریکٹر لائف سروس میں شامل ہوئی۔ 1947ء سے 1952ء تک وہ اس ادارے کے رسالے کی ایڈیٹر رہی۔ 1962ء میں اس کی کتاب *Silent Spring* سے ہماری دنیا کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ کیمیاوی دوائیں چھڑکنے سے فائدہ مند کیڑے مکوڑے بھی تباہ ہو رہے ہیں۔ کتاب میں شامل مضمون اس کی کتاب *The Sea around Us* سے لیا گیا ہے۔

ریچل کارن

بے سورج سمندر

جہاں نیم شبیں دہلیزیاں تیرتی ہوئی آتی ہیں
وہ تیرتی ہیں، تیرتی ہی چلی جاتی ہیں مگر آنکھیں بند نہیں کرتیں۔

میتھیو آرنلڈ (Matthew Arnold)

دھوپ میں بہائے ہوئے کھلے سمندر کے پانی اور سمندر کی تہہ میں چھپی ہوئی پہاڑیوں
اور وادیوں کے فرش کے درمیان سمندر ہی ایسا علاقہ ہے، جس کے بارے میں ہماری
معلومات انتہائی کم ہیں۔ یہ گہرے اور تاریک پانی اپنے تمام سراور اور غیبی شدہ مسائل
کے ساتھ، ہماری زمین کے حاصیے بڑے علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ دنیا کا سمندر کرا کر
کی سطح کے تین چوتھائی حصے پر محیط ہے، گرم پانی یا سرد سمندر کے پورے پانی سمندر کو گوارا کرتے
ہوئے اس کناروں اور تھلے ساحلوں کو اس میں سے منہا بھی کر لیں جہاں کم اور کم دھوپ کا
پانی بھوت فرش سے اوپر حرکت کرتا ہو نظر آتا ہے پھر بھی زمین کا آدھا حصہ ایسا ہے جو
میلوں گہرائی میں ہے اور بے دھوپ پانیوں پر مشتمل ہے اور وہ اس وقت سے تاریک ہے
جب سے دیا کا آغاز ہوا ہے۔

دنیا کے اس حصے نے اپنے مازوں کو دوسرے علاقوں کی نسبت کہیں زیادہ شدت سے
چھپا ہوا ہے، اس اپنی تمام تر اختراع پسندی کی وجہ سے اس کا بل ہوا کہ وہ بالآخر اس کی
ڈیزینک یا پیچھے۔ اور وہ اپنے ساتھ بہت بڑی مقدار میں آبی ہوں ہوا لے کر گیا ہے اور اس

قابل ہو ہے کہ دو تقریباً 300 فٹ کی گہرائی تک جا سکے، لیکن گروہ پانی کو تقسیم کر کے وال
ہیلمٹ (Helmet) پہنتے ہیں اور اسکے ساتھ ہی رہ رہ کا پتا ہو سوٹ بھی زیب تن کر لے، تو وہ
500 فٹ کی گہرائی تک پہنچے تو ملتا ہے۔ سالانہ پوری تاریخ میں صرف چند ایسوں کو
سمندر میں نیچے اترنے کا موقعہ میسر آیا ہے اور ان میں سے بہت ہی کم زندہ حالت میں اس
مقام سے آگے گئے ہیں، جہاں دکھائی دینے والی روشنی موجود نہیں، سب سے پہلے یہ ہم
سر کرے والے وی بی بی (William Beebe) اور اوٹس بارٹن (Oils Barton) تھے وہ قصر بلیا
کڑی (Bathysphe) میں 3028 فٹ کی گہرائی تک بارمودا (Barmuda) کے کھلے سمندر
میں اترے تھے، پھر بارٹن اکیلا 1949ء کی گرمیوں میں آرتھور اور کیلی ٹوری
(California) کے ساحل سے 4500 فٹ کی گہرائی تک نیچے ترنا چلا گیا تھا اور یہ
ایک اکیلی قعر، Steel Sparo، جو قدرے مختلف شکل کا تھا، اور پھر 1953 میں فرانسیسی غوطہ خور
سمندر کی گہرائی میں ایک میل سے بھی زیادہ نیچے اتر گئے تھے اور کئی گھنٹوں تک ٹھنڈے اور
تاریک مطلقہ میں رہے تھے، اس علاقے میں ان سے پہلے بھی کوئی انسان جانے کی سوچ
بھی نہیں ملتا تھا

اگرچہ چند خوش قسمت لوگ ہی گہرے سمندر تک جا سکتے ہیں، بحری، جغرافیہ کے
ماہرین (Oceanographer) کے حساس آلات جو یہ بتاتے ہیں کہ روشنی کا دخول
(Penetration) کیا ہے، دباؤ (Pressure) کیا ہے، لکھیا (Salinity) کتنی ہے، درجہ حرارت
(Temperature) کیا ہے اس سے ہمارے ہاتھ وہ سوا آگیا ہے کہ ہم اپنی قوت محدود کی
حد سے اس آسیب راز اور مسموم مطلقہ کو پھر تکمیل دے سکتے ہیں پانی کی اوپ کی سطح کے
برعکس جو کہ ہوا کے جھوکوں کے سلسلے میں بھی حساس ہے، اس دردت و حیر ہے، وہ
چاند اور سورج کی تجلیب سے بھی آشنا ہے اور موسموں کے ساتھ بدلتی جاتی ہے، گہرے
پانی وہ جگہ ہیں جہاں جدلی بہت ہی آہستگی سے آتی ہے اور گر آتی بھی ہے تو سورج کی
کرتوب کی رسائی سے باہر جہاں روشنی در تاریکی کا بدلتی چلتی ہے والا کھیل موجود نہیں ہوتا
بلکہ ایک بہ ختم ہوئے والی رات ہوتی ہے، حتیٰ ہی قدیم جتنا قدیم خود سمندر ہے کیونکہ اس
کی مخلوقات میں سے اکثر اس کے سیاہ پانیوں میں غول غول کر ہمارے متلاش کرتی ہیں یہ
ایسی جگہ ہے جہاں بھوک بہت ہے، جہاں خود اک کم ہے اور آسانی سے میسر بھی نہیں آتی،

یہ آیت بے باب جگہ ہے، وہاں ہر وقت موجوں رہنے دے دشمن سے کوئی بھی محفوظ نہیں جہاں اس آگے ہی آگے بڑھا جاسکتا ہے، یہ سفر زندگی سے موت تک جاری رہتا ہے، ہر کوئی اپنے زندگی کا یہ میں قید ہے، سموری دنیا حاصل گہرائی کی سطح میں۔ کہا جاتا کہ سمندر کی پائیاں میں کوئی بھی شے مدہ نہیں ہو سکتی یہ آیت ایسا خیال تھا جس کو آسمانی سے قبول کیا جاسکتا تھا کیونکہ اس کے خلاف شواہد معلوم نہ تھے، آخر اس سطح پر کوئی زندگی کا تصور کس طرح کر سکتا تھا؟

ایک صدی پہلے ایک برطانوی ماہر حیاتیات ایڈورڈ فوبس (Ed Ward Forbes) لکھا تھا: ”ہم جوہر جوہر کے مطلقے میں بیچے اُترتے جاتے ہیں تو یہاں کے رہنے دے تبدیل (Modified) ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کی تعداد بھی کھتی چلی جاتی ہے آخر کار ہم ایک ہی گھا (Abyss) تک پہنچتے ہیں، جہاں زندگی یا تو ختم ہو چکی ہے یا پھر وہ پے پے ہوئے کا ثبوت کہیں کہیں فراہم کرتی ہے۔ تاہم فوبس نے خواہش کی تھی کہ گہرے سمندر کے گہرے مطلقے میں دور تک ہم جوہر کی حاسہ تاکہ یہ فیصلہ پیش کے لیے ہو سکے کہ اس کی تحت الکونی میں بھی زندگی موجود ہے یا نہیں ہے!

دیر تک شواہد جمع کئے جاتے رہے، سر جان روبن (Sir John Robin) نے 1898ء میں قطب شمالی میں چھان بین کر سہے ہوئے، جب 1800 قیوم (Fathom) کی گہرائی سے گارڈالاکو اس میں کیڑے (Worm) موجود تھے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ سمندر کی تہہ میں زندگی موجود ہے، اسے تاریکی، خاموشی، بکس سکوت، اور سبے پناہ واد کی بھی پردہ نکال ہے، جو صدیوں تک اُپر موجود پانی کی جہ سے پیدا ہوتا ہے۔

پھر سروے کرنے والے ایک جہاز میں ڈوگ (Bu dog) کو برفارو (Faro) سے لبراڈور (Labrador) تک شمالی راستے میں تاریخچائے کے لیے کام کر رہا تھا ایک رپورٹ دوسرے ہوئی، اس ڈوگ کی آواز لے جائے دے تار، جو ایک ہی مقام پر کافی دیر تک لٹکے رہے تھے اسباب سے 250 قیوم گہرائی میں تہہ کو چھو رکھا تھا، جب ڈوگ لائے گئے تو ان کے ساتھ 3 تار چھینیاں (Staw fish) چٹی ہوئی تھیں، ان تار چھینوں کی مدد سے جہاز کے نظریات پسند (Naturalist) سے لکھا، گہرائی سے تارے لئے ایک طویل مدت میں تاریکی خواہش کے خلاف ایک پیغام بھیجا ہے، مگر اس مراد کے تمام ماہرین حیوانیات اس پیغام کو

قبول کرے گئے تیار نہیں تھے، بعض شبہ کرے والوں سے کہا کہ تار پھل اس وقت تار سے چٹ گئی تھی، جب اسے سطح تک اُپر لانے کے لئے کھینچا گیا تھا۔

اسی برس 1880ء میں بحیرہ مدیترانہ (Mediterranean) میں سے ایک تار مرمت کے لئے اُپر کھینچا گیا وہ تار 1200 میڈم کی گہرائی سے کھینچا گیا تھا۔ یہ دیکھا گیا کہ اس پر مونگے (Coral) اور پیر متحرک (Seaside) جانور چپے ہوئے تھے اور وہ اپنی نشوونما کی ابتدائی حالت میں تھے درجہ ۲۰ چند ماہ یا ایک برس میں ابھرتے ہوئے تھے، اس میں دریا بھی وہی موقع نہیں تھا کہ یہ کہا جاتا کہ وہ اس وقت تار سے چٹ گئے تھے جب سے اُپر کھینچا جا رہا تھا۔

پھر چیلنجر (Challenger) کا گہرا دیا کا پہلا جہاز تھا جسے بحریہ (Oceanography) کے نئے حامی طور پر تیار کیا گیا تھا، وہ انگلستان سے ۱872ء میں روانہ ہوا تھا اور پھر اس سے ساری دنیا کا چکر لگا تھا، پھر وہ جنس جو میوں تک سمندر کے غدد تھیں، خاموش گہرے مٹی کے سرخ فرش گار (Ooze) سے رہے اور متوسط درجے کی غیر روشن درمیان سے، عجیب و غریب مخلوقات سے بھرے ہوئے جال کے جال اُپر اُٹھے اور پھر ان مخلوقات کو جہاز کے فرش پر پھینکا دیا گیا اور یوں یہ طبعی مخلوقات پہلی بار دن کی روشنی میں دیکھی گئیں اور ان مخلوقات میں سے کسی کو بھی انسانوں سے پہلے نہیں دیکھا تھا اور پھر سائنس دانوں نے یہ اندازہ لگایا کہ سب سے گہری پانی میں زندگی موجود ہے۔

حالی میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ بعض نامعلوم مخلوقات کا ایک ہاؤس کی سوئیم کے خاصے پرستار کے نیچے موجود ہے دریا بہت اُکسے والی بات ہے، جو پچھلے چند برس میں سمندر کے بارے میں دریافت کی گئی ہے۔

پھر جب چھوٹے صدی کی پہلی چوتھائی کے دوران صدائے بازگشت (Echo Sounding) کے نظام کو جہاز رانی میں ترقی دی گئی، تاکہ سمندر کی تہ کی گہرائی کا اندازہ کیا جاسکے، اس وقت کسی کو بھی یہ خیال نہیں تھا کہ اس سے سمندر کی گہرائی میں موجود زندگی کا بھی اندازہ ہو سکے گا۔ مگر بنیاد کو چلانے والوں نے جلد ہی یہ دریافت کر لی کہ سور کی وہ ہیریں جو روشنی کی کڑوں کی طرح نیچے بھیجی جاتی ہیں، وہ کسی بھی ٹھوس شے کو ٹکرا کر واپس آ جاتی ہیں جو اب دہیے والی بازگشت درمیانی گہرائی سے بھی واپس آئے گی غالباً اس

کے بعد دوسری ہزار گشت مند کی تہ سے آتی تھی۔

پھر 930ء سے آثار ہونے والے عشرے کے آخر میں یہ حقیقت پوری طرح قائم و دائم ہو چکی تھی کہ پھلی پکاے والوں سے پھلیوں کے گرد و سلاٹ کرے کے نئے لیم میٹر Fethometeres لگانے کے بارے میں گفتگو شروع کر دی، اس کے بعد جنگ کی وجہ سے یہ ساری تحقیق محض کے قواعد کے تحت آگئی اور پھر اس کے بارے میں کچھ بھی سنا نہ دیا۔

948ء میں ریاست پائے متحدہ امریکا کی مدد سے ایک ہم نوا (Bellini) جاری کیا۔ اس میں یہ کہا گیا تھا کہ بہت سے سائنس دان جو سمعی آلات (Sonic Equipment) کے ساتھ کئی فوہیا کے ساحل سے دور گہرے سمندروں میں کام کر رہے تھے، انہوں نے ایک تہہ (Lever) جسم کی شے دریافت کی، جو بہت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور وہ آواز کی ہروں بودا ہل دینا ہی تھی یہ منکس کرے وان تہہ لای معلوم ہوتا تھا جیسے بحر کمال کے فرش و سطح کے درمیان کہیں معلق ہے اور اس کی وسعت کون تین سو میل چوڑی تک تھی، دوسمدر کی سطح سے 1000 سے 500 فٹ نیچے تک چلی گئی تھی۔ یہ دریافت من سائنس دانوں نے کی تھی یعنی سی ایف ایٹنگ (C.F. Eyring) آری جے کرسلن من (R.J. Chisler Sen) ورتا میو انشہ (R.W. Rall) تھے جو سرنگی جہاز جیسپر (Jasper) پر 942ء میں سفر کر رہے تھے، اور ایک مدت تک اس پر اسرار مظہر کو جس کی نوعیت کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا ای سی آر (ECR) تہہ کہا جاتا رہا۔ پھر 1946ء میں مارٹن ڈیو جاسن (Martin W. Johnson) جو بحریت کے سکریٹا اور (Scrapes institution of Oceanography) میں بطور بحر کی ماہر حیاتیات کام کر رہا تھا اس نے ایک مزید دریافت کی جس کی وجہ سے اس تہہ کے بارے میں کچھ اندازہ ہوا جہاز کے باہر کام کرتے ہوئے جس کا نام کی ڈیو سکریٹا (E.W. Scripps) جاسن نے دریافت کیا، جو شے بھی تار (Rhythm) کے انداز میں ہار گشت کو اپر پیچھے بھیجتی ہے، سطح پر اس کی کارروائی رت کو ہوتی ہے اور سمندر کے اندر نا کو ہوتی ہے: اس دریافت سے یہ افکار تو جاتے رہے کہ یہ ایک ہار گشت کسی غیر جاندار شے سے آتی ہے، یہ تو شاید کسی طبیعی عمل کی لوٹ پھوٹ ہو سکتی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تشکیل کسی ایسی مادہ شے کے ہوسے سے ہوتی ہے جو حرکات کو قابو میں رکھنے کے قابل ہے۔

اس کے بعد سمندر کے پارے میں دریا قنیں تیزی سے ہوئی شروع ہو گئیں، جب آور ہارگشت کے آسمان کا استعمال حاصہ پھیل گیا، تو یہ واضح ہو گیا کہ یہ معاملہ صرف کیلی فورنیا کے ساحل کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ معاملہ ہر اس جگہ ہوتا ہے، جہاں سمندر کی گہرائی خاصی زیادہ ہے۔ دن کے وقت یہ عمل موہیدہ تک نیچے چلا جاتا ہے اور رات کو سطح تک آجاتا ہے اور آگلی صبح اُڑنے تک پھر سمندر کی گہرائی کا رخ کر لیتا ہے۔

پھر 1947ء میں جنوب ریاست ہائے متحدہ کا جہاز ہنڈرسن (Henderson) سان ڈیگو (San Diego) سے قطب جنوبی (Antarctic) جا رہا تھا تو راستے میں یہ متفلس ہوئی ہوئی تہہ دس کے ریپڈ ٹرنجس میں دریافت کی جاتی رہی اور پھر یہی کیفیت سان ڈیگو کو سوکا (Yakosuka) جاپان تک بھی جاری رہی۔ چنڈرین کا قیوم میٹری تہہ کو جرور لوٹ کر تارہا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شے بحر الکاہل (Pacific) کے ایک سرے سے دوسرے تک مسلسل موجود ہے۔

1847ء میں جولائی اور اگست کے دوران، امریکا کے بحانیں اٹلس، ٹی ری یوس (U.S. Navy) نے نرسس پرل ہاربر (Pearl Harbour) سے قطب شمالی تک قیود گرام (Fathogram) ڈالے اور پتہ تمام راستے میں اس تہہ کو جگہ جگہ بکھرا ہوا پایا۔ مگر ایسے دو تہہ برنگ (Bering اور چکچو (Chukchee) کے پیایب سمندروں میں وقوع پذیر ہوئے۔ بعض اوقات صبح کے وقت جب ٹی ری یوس کا قیود گرام روتھوں کی خبر دیتا اور یہ عمل پڑھنے کوئے لورائٹس (Luminating) پانیوں کے پارے میں مختلف قسم کی خبر رساں تھی، پھر یہ دلوں گہرے سمندروں میں اتر جاتے تھے مگر ان دلوں اترائیں (Descende) میں تقریباً جیس میل کا فاصلہ ہوتا تھا۔

اس کوشش کے باوجود کہ اس کا نمونہ حاصل کیا جائے یا اس کی تصویر بنائی جائے یہ کسی کو بھی اندرہ نہیں تھا کہ یہ تہہ کیا چیز ہے اگرچہ اس بات کا امکان تھا کہ یہ دریافت کسی دوسرے بھی ہو سکتی تھی اس کے پارے میں تین نظریات تھے اور ہر ایک کے ساتھ اتفاق کرے والوں کا ایک گروہ تھا ان نظریات کے مطابق یہ ممکن ہے کہ سمندر کا وہی 'Phantom' پیایب (Bottom) چھبیں کے چھوٹے چھوٹے حل چ (Planktonic) جگر (Shrimps) یا تیراہی (Squids) پر مشتمل ہو۔

جہاں تک پانکٹن نظر کے تعلق ہے، اس میں سب سے زیادہ موثر سیل یہ معروف حقیقت ہے کہ بہت سی جل چر مخلوقات ہزاروں فٹ کی عمودی ہجرت کرتی ہیں اور رات کو سطح سمندر کی طرف آتی ہیں اور پھر صبح ہوئے سے پہلے روشنی کے سطح میں داخل ہوئے سے پہلے ہی نیچے اتر جاتی ہیں اور بالکل بھی کردار نکھرے والی جہوں کا بھی ہوتا ہے چنانچہ جو کوئی بھی اس تہہ کو تشکیل دیتا ہے اسے روشنی سے گریز کرنے والا ہونا چاہیے۔ جو مخلوقات جن کا تعلق سمندر کے فرش کے ساتھ ہے وہ بالآخر اسی سطح کے قیدی ہو کر رہ جاتے ہیں اور سارا دن سورج کی روشنی سے پوری طرح گریز کرتے ہیں وہ انکار کرتے ہیں کہ ان کی روشنی اختصار کو پہنچے اور تاریکی پھیلتے ہی وہ اوپر کی طرف دریا کی سطح کی جانب آنے میں جلد بازی کرتے ہیں، مگر وہ ایسی کوئی قوت ہے جو انہیں گریز پر کساتی ہے اور کوئی طاقت ایسی ہے جو گریز کرے وہ قوت سے رہاں لے تو سطح کی طرف کھینچتی ہے یہ شمسوں سے متاثر ہوتا ہے اور شاید اسی باعث وہ تاریکی کی طرف جاتے ہیں۔ کیا فرش کے پاس حورک وافر ہے جو رات کے اندھیرے میں اس واپسی طرف رعب کر رہی ہے۔

کون کہتا ہے کہ مچھلیاں آواز کی ہروں کو منعکس کرتی ہیں اور عام طور پر اسی وجہ سے وہ ایک تہہ سے دوسری تہہ تک وہ افقی ہجرت کرتی ہیں اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مچھلیاں پانکٹن کو ایک شرمپ پرگزراؤں میں رہتی ہیں اور وہ اپنی حورک کے پیچھے آتی ہیں۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ مچھلیوں کا ہوائی مثلاً Air Bladder متعلقہ اقسام میں سے ہر قسم کا ہوتا ہے اور زیادہ تر ایسی مکان ہوتا ہے کہ وہ تیز ہارگشت پیدا کرتا ہے۔ اس نظریے کو قبول کرے کی راہ میں ایک رکاوٹ حاصل ہے۔ ہمارے پاس کوئی اور شہادت ایسی موجود نہیں ہے، جو سمندر کے اندھ مچھلیوں کے اس گروہ کے بارے میں یہ بتا سکتی ہو کہ وہ سمندر میں ہر جگہ موجود ہے حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس سے یہی امداد کیا جا سکتا ہے کہ یورپ کے کناروں کے نزدیک مچھلیوں کی آبادی خاصی گھٹان ہے یا کھلے سمندر کے پتھروں کے ایسے مٹاں دے کئے گئے ہیں جہاں خوراک خاص طور پر درج ہے۔ اگر بالآخر یہ فیصلہ ہو گیا کہ منعکس کرے والی تہہ مچھلیوں سے تشکیل پاتی ہے تو پھر مچھلیوں کے بارے میں موجودہ نظریات کو بہت زیادہ تبدیل کرنا پڑے گا۔

سب سے زیادہ حیران کن نظریہ (اور لگتا ہے کہ اس نظریے کو قبول کرے والے دگ

بھی ریادہ نکلی ہیں) یہ ہے کہ یہ تیرہ قیر مائی (Squida) بہت ریادہ اجتماع کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور سمندر کی روشنی روشن مٹھنے کے نیچے سرگرداں رہتی ہے اور اندھیرا ہو جانے کا انتظار کرتی ہے اور اندھیرا ہوتے ہی پانچک بولوں سے معمور سمندری مٹھ پر بیٹھا کر دیتی ہے۔ اس نظریے کو آگے بڑھانے والے یہ سمندر ما کرتے ہیں کہ قیر مائی بہت ریادہ مقدار میں موجود ہیں اور کئی طرف پھیلے بھی ہوئے ہیں لہذا ان کی جہ سے ہار گشت پیدا ہوتی ہے اور یہ ہار گشت قطب شمالی اور قطب جنوبی کے مطلقوں میں سنی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکوا یا قیر مائی (Sperm Whale) کی واحد خوراک ہے، اور یہ خوراک کھلے سمندر میں ہر درجہ حرارت پر اور گرم مٹھنے میں آسانی سے میسر آ جاتی ہے اور بہت سی دوسری مکی وکیل چھپیاں اس کو کھاتی ہیں جن کے دانت ہوتے ہیں اس کے علاوہ یہ بول جیسی دانت والی وکیل (Bohm Nosed Whale) کی بھی واحد خوراک ہے، اس کے علاوہ دریائی کچھڑے (Seals) اور بہت سے پرندے سے استعمال کرتے ہیں، اس تمام استودان اور حقائق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حیرت انگیز طور پر ریادہ مقدار میں موجود ہیں۔ یہ درست ہے کہ جو لوگ دانت کے وقت سمندر کے کنارے پر کام کرتے ہیں اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ انہیں کبھی طرح یہ معلوم ہے کہ سکوا بڑی دائرہ واسطہ ہوتے ہیں اور ان کی سرگرمیاں رات بھر نظر آتی جاتی ہیں، بہت پہلے جوں (Johan Hjort) نے لکھا تھا۔

’ ایک رات ہم فیرو (Faroe) کی ڈھلوان پر طویل ڈوری کو کھینچ رہے تھے اور ہم یہ کام بجلی کے میپ کی روشنی میں کر رہے تھے اور یہ میپ ایک طرف جھکا ہوا تھا تاکہ وہ دوری نظر آتی رہے، پھر بجلی کی طرح ایک قیر مائی کے بعد دوسری قیر مائی تیزی سے روشنی کی طرف نکل پھر کنویر 1802ء میں جب ہم ناروے میں کناروں کی ڈھلوانوں کے باہر سٹینک (Steaming) کر رہے تھے، تو ہم میپوں تک سکوا کو دریائی سطح پر روشن باہلوں کی طرح جھکاتے ہوئے دیکھ سکتے تھے، ان کی مشابہت دو دھیانگ کے بجلی کے میپ سے قائم کی جاسکتی ہے جس کو بار بار جلا دیا اور بجھایا جاتا ہے۔‘

پھر نورد ہانڈ (Thor Heyerdahl) یہ طالع دیتا ہے کہ ایک رات اس کی کشتی پر حقیقی طور پر یہ شمار سکوا برسی پڑے تھے اور رچرڈ فلیمنگ (Richard Fleming) کہتا ہے وہ

پائپر کے ساحل پر جب بحرِ چائی کے سسے میں کچھ کام کرے میں مصروف تھا تو یہ دور کا معمول تھا کہ رات کو سمندر کی سطح پر قیر مائی کے جھنڈ کے جھنڈ روشنی کی طرف لپکے ہوئے نظر آتے تھے۔

یہ روشنیاں اس لئے جلائی جاتی تھیں کہ رات کے وقت کچھ کام ہو سکے اور آلات چلائے جاسکیں اور ان کے ساتھ ہی جنگروں پر سمندر کے ساحل پر ایسا ہی تماشا دیکھا گیا ہے، مگر بعض لوگ سب بھی یہ ہیں جو سی پائپر پر یقین کر کے کو تیار نہیں ہیں کہ سارے سمندر کے عمیق قیر مائی کی اس قدر زیادہ میناٹ ہو سکتی ہے۔

جو ٹوٹو گرائی گہرے سمندر کے عمیق کی جاتی ہے، اس سے بجا طور پر یہ توقع ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے سمندر کی تہہ میں موجود اسرار کے بارے میں کوئی حل نکل آئے گا، مگر اس میں کچھ تکنیکی مشکلات ہیں، مثلاً یہ کہ گہرے کو کس طرح ملے جلنے سے محفوظ رکھا جائے کیونکہ ایک ہی نار کے ساتھ لگا ہوئے کے باعث وہ ایک جگہ پر ٹک بیٹھ سکتا وہ کبھی مڑتا ہے کبھی نیچے لٹک جاتا ہے پھر وہ ایک جہاز کے ساتھ بندھا ہو بھی ہوتا ہے اور جہاز کی اپنی حرکات بھی ہوتی ہیں، جو ٹوٹو گراف نے ملے ہیں ان کو دیکھ کر یہ لگتا ہے کہ ٹوٹو گراف سے کسی ستاروں جیسے آسمان کی تصویریں بنائی ہیں اور جب وہ تصویر، نار و تھا تو کمان کی شکل میں گھوم بھی گیا ہے، تاہم اس کا ایک ماہر خباہتات گنر رولف (Gunner Rollf) نے ایک حوصلہ مند تجربہ کیا ہے اور اس کے ذریعے اس نے سے ٹوٹو گرائی کو گونج گرام (Echogram) سے متعلق کر دیا ہے، یہ تحقیق جہاز جوہن ایچورٹ (John Horton) لوفٹن (Lofoten) جرے کے پاس سمندر میں مستقل طور پر 20 اور 30 فوٹ کے درمیان گھمبیروں کے جھنڈ کی آواز ستارہ، ایک خاص طور پر تیار کیا گیا کیمرہ نیچے لٹکایا گیا اور اس کے ساتھ گونج گرام بھی موجود تھا، جب فلم کو دھلایا گیا تو یہ دیکھا گیا کہ ایک فاصلے پر گھمبیروں کی حرکت کرتی ہوئی ٹھٹھکیں نظر آ رہی ہیں، اور ایک بہت بڑی اور پھیلا ہوا جسے وال تھر داں (Cod) روشنی میں بتایا ہوا کیمرے کے سامنے آ گیا، اور اس نے پورے حصے (Lens) کو ڈھانپ لیا۔

تہہ کا بڑا واسطہ طور پر سمور حاصل کرنا اس کی شناخت معلوم کرے کا منطقی ذریعہ تھا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ جہاں کس طرح بتایا جائے جواب تیزی سے حرکت کرتے ہوئے جاننا اور

کو اپنی گرفت میں لے سکے، (ڈاہوں مساپٹو مشین Wood Hole Massachusetts کے سائنس دانوں نے عام قسم کے جاب سمندر کے لرش پر تو لگائے تھے دراہوں سے یوفا سائینڈ مشین (Shrike Euphausioid) گلاس ورم (Glass Worn) اور گہرے پانیوں کے دیگر پانیوں کو دریافت کر لئے۔ کیونکہ وہاں ان کا بھرج تھا، مگر اس بات کا امکان بھی تھا موجود ہے کہ وہاں زندگی کی بڑی بڑی کچھ اور صورتیں بھی موجود ہوں جو ان شرمپ پر مگر کرتی ہوں۔ مگر وہ ہوں اتنی۔ کی یا تیز طرار کہ ان جانوں میں چھس۔ سکتی ہوں جو اس مقصد کے لئے نکائے گئے تھے ممکن ہے نئے جان کی مد سے یہ مسئلہ حل ہو جائے نیو یارک دوسرا مکان ہے۔

وہ پرچہ میں ڈیٹر مشین صورتیں بھی ہیں، حار ہی میں یہ شواہ ملے ہیں کہ ہم گہرائی میں زندگی وافر مقدار میں موجود ہے اور یہی کچھ اس سے پہلے کی رپا، ٹوبا میں بھی درج تھا، جو ان مشاہدہ بیوں سے دی تھیں: جو اس گہرائی میں حقیقی طور پر اترے تھے اور واپس اپنے ساتھ اس ماحول کا آنکھوں دیکھا حال لے کر آئے تھے۔ ویلم بی (William Beebe) نے حواس قعر (Bathysphere) سے یہ تاثر دیا تھا کہ وہاں زندگی ہمارے اندر سے کہیں زیادہ اور مستور ہے۔ اس کو خود بھی یہ توقع تھی کہ کچھ سال کی مدت میں اس نے سمندر میں سینکڑوں ہی چکر لگائے تھے۔ ایک چوتھا میل سے بھی کہیں زیادہ بیچے اس سے زندگی کا ایک یہ اجتماع دیکھا تھا کہ اس وہ اندر ہی کرتا رہ گیا تھا، آج میل کے فاصلے پر جو حواس قعر کے لئے گہرائیاں ہے، ڈکڑی کو یا تھا کہ کبھی یہ نہیں ہوا کہ اس نے روشنی کی چیز شعا میں ماری ہوں اور اس کو اپنی روشنی کی فلم کے سامنے پانکشن نظر آئے ہوں۔

گہرے سمندر کے اندر وافر مقدار میں حیوانیہ (Fauna) کو دریافت کر لیا گیا ہے ان کا تعلق شاید لاکھوں سال پرانا ہے شاید کسی دہائی سے یا پھر میل (دربائی چھڑے) سے۔ ہم یہ تو بہر حال جانتے ہیں کہ وکیل گھلی کے اب دھدر میں پر مہنے والے پستانی جانور تھے، اس کا نمونہ ہمیں فاسل (Fossil) سے ہوا ہے۔ دو یقیناً شکار خور جانور سے تعلق رکھتے تھے، اس کا نمونہ ہمیں ان کے مضبوط جیزوں اور دانتوں سے ملتا ہے، ممکن ہے وہ اپنی خوردنی ضروریات کی تلاش میں بڑے بڑے دریائوں کے لٹا (Delta) پانیوں سمندروں کے

ماطلوب کے قریب چلے گئے ہوں اور انہوں نے دیکھا ہو کہ مچھلیاں زیادہ بہتات میں موجود ہیں، تب کے علاوہ بھی سمندر میں زندگی پائی جاتی ہے در صدیوں کی تک دور میں انہوں نے سمندر میں آگے جانا بھی سیکھ لیا ہو اور پھر وہ سمندر میں آگے ہی آگے جاتے رہے ہوں پھر آہستہ آہستہ ان کے بدن پانی کے ساتھ خشک زندگی کے لئے موزوں تر ہوتے چلے گئے ہوں اور ان کی پچھلی ناکلیں حصہ ناکمل (Rudiment) بن گئی ہوں جس کا انداز سب جدید ڈنیل مچھلی کی چیر پھاڑ کے بعد ہوتا ہے اور انکی ناکلیں بھی ان اعضاء میں بدل گئی ہوں جو پانی کے اندر چھوڑ کر کی طرح چل سکتی ہیں اور اپنا توازن بھی قائم رکھ سکتی ہیں۔

آخر کار ڈنیل مچھلیاں شاید سمندر کی خوراک کو آپس میں تقسیم کرنے کے لئے تھکن گرد ہوں میں بٹ گئیں۔ پانکے بن کھا رہے وہی ڈنیل مچھلیاں کھانے والی اور سکڑا کھانے والی جو ڈنیل مچھلیوں پانکے بن کھاتی ہیں وہ صرف وہیں رہتے رہ سکتی ہیں جہاں چھوٹی پتھری پر سرطان غری (Shrimps، پتھری Cope-pods) کی تپاری بہت گنجان ہوتا کہ ان کی بے پناہ بھوک کی تسلی ہو سکے، لہذا یہی مجبوری کے باعث وہ خور و قصب جنوبی، قطب شمال یا زیادہ حرارت کے ارضی خطہ (Latitude) تک محدود رہتی ہیں مچھلیاں کھا رہے وہی ڈنیل مچھلیاں زیادہ سمندروں سے اپنی خوراک حاصل کر سکتی ہیں مگر وہ اپنے آپ کو ایسے علاقوں تک محدود رکھنے پر مجبور ہیں جہاں مچھلیوں کے گروہ واقف تعداد میں پائے جاتے ہوں، گرم خطوں کا ہل پالی اور کھلے سمندروں کا حاس (Basin) ان گرد ہوں میں سے کسی کے لئے بھی توجہ کا باعث قرار نہیں پاتا۔ مگر وہ بہت بڑی چوکور سر و ان ڈنیل مچھلی، جس کے انت بہت تیز ہوتے ہیں اور اس لقطنس (Cachlot) یا خنجر یا (Sperm Whale) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس ڈنیل مچھلی کو لٹاقوں نے اسی زمانے میں دریافت کر لیا تھا جو ان کے آثار کا ابتدائی زمانہ تھا۔ نظر نے وہی سمندر کی سطح کے کسی بہ ریدیم نیچے کے علاقوں میں حیاتیاتی زندگی بہت بہتات میں پائی جاتی ہے۔ سپرم ڈنیل نے ان علاقوں کا انتخاب جو بہت گہرائی رکھتے ہیں، اسی لئے کیا ہے کہ وہاں اس کا شمار واقف ہے۔ ان کے پیش نظر گہرے سمندروں کی سکڑا تپاؤ ہوتی ہے، جس میں کچھ شحم دارم (Architeuthis) بھی شامل ہیں، جو میان غری (Polagically) گہرائی میں 1600 فٹ بلکہ اس سے بھی زیادہ عمق میں ہوتے ہیں، سپرم مچھلی کے سر پر کڑاؤاوقات ہی اور موٹی ٹیکسٹریں ہی ہوتی ہیں، جس میں بے شمار چھوٹے

چھوٹے نشانے ہوتے ہیں، جو سکڑ کو نکلنے کی جگہ سے پڑ جاتے ہیں یہ شواہد ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ال کے درمیان کس طرح کی جنگ چارن ہے اور تاریک سمندر میں کیسے کیسے مناظر موجود ہوتے ہیں اور یہ کہ یہ دو بڑی مخلوقات کس طرح ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہتی ہیں۔ سپریم وٹکل جس کا عام وزن 70 ٹن جاتا ہے ورسکڑ کے جسم کی لمبائی 30 فٹ تک ہوتی ہے۔ وراس کے بے بارہ جو چروں کو پنی گرفت میں پیسے کے سے بے تاب ہوتے ہیں مگر ان میں مثال برائے جانیں تو شاہی مہائی 60 فٹ ہو جاتی ہے۔ وہ لڑاؤ سے زیادہ گہرائی جس میں یہ چٹائی سکڑ رہے ہیں، ابھی معلوم نہیں ہے مگر شہادت یہی موجود ہے جو ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ یہ وٹکل چھیدیاں کتنی گہرائی تک پہنچتی ہیں۔

اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ سکڑ کتنے فاصلے تک پائے جاتے ہیں، اپریل 1932ء میں کیبل (Cable) کو مرمت کر کے وال جہاز آل امریکا (All America) Balboa اور میں مارال ڈس ایکواڈور (Esmeraldas Ecuador) کے درمیان کنال زون (Canal Zone) میں یہ نولے ہوئے بار کے بارے میں تحقیق کر رہا تھا کوئیبیا کے ساحل کے قریب س مارکوٹخ سمندر کے اوپر لایا گیا، اس میں ایک 45 فٹ لمبی سپریم وٹکل پھنسی ہوئی تھی جس کی جگہ سے آبدور ناؤ (Submarine Cable) وٹکل سے جھپٹے جڑے اور ایک ہاتھ (Flippo) کے ساتھ پیٹ گیا تھا اس کے علاوہ وٹکل کرم ہتھکڑ (Caude) Fluke بھی اس میں بٹھے ہوئے تھے، یہ تاریخ 64 قریب 3240 فٹ کی گہرائی سے اوپر اٹھایا گیا تھا۔

دریائی چھڑے کی بعض قسم کے بارے میں بھی خیال ہے کہ انہوں نے بھی گہرے سمندر کے چھپے ہوئے خزانوں کو دریافت کر لیا تھا، یہ بات بہت دور تک سائنس دانوں کے لئے حیرت کا باعث بنی رہی تھی کہ جہت والے شامی دریائی چھڑے بحر لنگاہ کے مشرقی حصے میں سردیوں کے موسم میں کس طرح گزر جاتے ہیں۔ اس کا یہ علاقہ شامی امریکا میں لاسکا (Alaska) سے کیلی فورنیا تک پھیلا ہوا تھا اس بات کے شواہد موجود نہیں تھے کہ وہ زیادہ تر تھارن سمیت کی مچھلیوں مثلاً سارڈین (Sardines) اٹھری مچھلی (Mackerel) کو اپنی حوراک بناتے ہیں، اس بات کا امکان ہے حد کم تھا کہ چالیس لاکھ دریائی چھڑے (Seals) تجارتی پکے پکام کر کے والے چھیردب کے ساتھ لڑ سکتے ہیں، اس کا علم ال

پتھروں کو نہ ہو پانا، مگر کچھ شواہد ایسے ضرور موجود ہیں، جو یہ بتاتے ہیں کہ ان پتھروں کی خوراک کیا ہے اور یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے ان کے معدوں سے کئی پتھریوں کے اعضاء پائے گئے ہوئے ہیں جن کو کبھی مدہ حیات میں نہیں دیکھا گیا بلکہ حیرت تو کس بات پر ہے کہ ان کے جسم کے پچے کچے حصے بھی موئے فریٹل کے معدے کے کہیں پر دستیاب نہیں ہوئے سمبیت (Ichthyogists) دے یہ کہتے ہیں کہ یہ تیل مچھلی ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتی ہے، جو اپنی فطرت میں بہت گہرے سمندروں کے پاس ہیں، اور وہ پانی سمندر کے کنارے کے پاس ہی کچھ فاصلے پر قیام کرتے ہیں۔

یہ بات ٹھیک سے معلوم نہیں ہے کہ ڈنکل مچھلی اور تیل پانی کے اس ریزوسٹ دپاؤ کو کس طرح برداشت کرتی ہیں جو چند سو فیڈم کی گہرائی میں غوطہ کھانے سے محسوس ہوتا ہے وہ ہماری طرح گرم خون کے پستانی حیوان ہیں، اب دو قسمی شیٹ (Carson) کا مرض لاحق کیوں نہیں ہوتا، یہ مرض خون میں جمع ہو جانے والے نائٹروجن بلیوں کے باعث پیدا ہوتا ہے، جو دباؤ کے قورنی غوطہ پر کم ہو جانے سے پیدا ہوتے ہیں، سانی غوطہ حور اگر بہت تیزی کے ساتھ 200 فٹ کی گہرائی سے اوپر کی طرف آئے تو اس کے مر جانے کا خطرہ ہوتا ہے، وٹھلر (Whaler)، جو کہ ڈنکل بڑی ڈنکل (Baleen Whale) کہلاتی ہے جب اس پر بلا پھینکا جاتا ہے تو وہ آدھے میل تک سمندر کی تہہ میں تیزی سے سفر کرتی ہے۔ اس کا اندازہ اس رسی سے لگایا جاتا ہے جو بھالے یا ہارپون (Harpoon) کے ساتھ باندھی ہوتی ہے۔ اس گہرائی سے جہاں اس کے جسم کے ہر ٹکڑے پاؤں سے آدھے ٹن کا ہوا ہوتا ہے، وہ نہ ہی سٹیج پر واپس بھی آجاتی ہے۔ سب سے زیادہ کچھ میں آنے والا جو جزا اس سلسلے میں پیش کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ غوطہ خور اپنے اندر ہوا بھر کر رکھتے ہیں جب وہ سمندر کے پیچھے ہوتے ہیں، مگر ڈنکل کے جسم میں ہوا کی مقدار بہت محدود ہوتی ہے اس وجہ سے جب وہ گہرائی میں جا کر دیر آتی ہے تو اس کے بدن میں تخی نائٹروجن ہوتی ہی نہیں کہ وہ اس کو زیادہ نقصان پہنچائے، مگر یہی بات تو پھر بھی یہی ہے کہ ہم اس ر کو چاہتے نہیں ہیں، کیونکہ جدیدی طور پر یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی زندہ ڈنکل مچھلی پر تجربہ کیا جائے اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی مردہ مچھلی کی چیر بھاڑی سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

پہلی نظر میں تو یہ ایک ناقص لگتا ہے کہ ایسی مخلوقات جو بے حد نازک ہیں، مثلاً کانچ

اسٹنگ (Glass Sponge) اور جلم (Jelly Fish) ایسے حالات میں مدد دے سکتے ہیں، جہاں دباؤ بے حد زیادہ ہو، اتنا زیادہ جتنا گہرے سمندروں میں ہوتا ہے۔ ان مخلوقات کے سمندر میں خوش باش رسبہ کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے بافت (Tissue) کے اندر وہی دباؤ رہتا ہے، جو گہرائی کے بغیر ہوتا ہے۔ جب تک یہ قورسہ برقرار ہے انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اس پر جو وزن ہے وہ ایک ٹن ہے یا اس سے بھی زیادہ ہے، یہ بالکل اسی طرح ہے، جیسے ہم انسانی دباؤ کے اندر زندگی گزارتے ہیں۔ پانی کے اندر رسبہ والی مخلوقات کے بارے میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ مقابلہ متعین محیطے میں زندگی گزارتی ہیں اور ان کو کبھی یہ ضرورت پیش نہیں آتی کہ احتیاجی اور بدلتے ہوئے دباؤ کے ساتھ مطابقت پیدا کریں۔

لیکن اسٹنگی بہر حال موجود ہیں اور سمندری زندگی کا معجزہ صحیح معنوں میں عظیم دباؤ اور اس جہاز کے دستیاب شدہ نہیں ہے، جو اپنی تمام زندگی سمندر کے فرش پر گزار دیتا ہے اور اس پر ہر وقت پانچ سے چھٹے کا دباؤ موجود ہوتا ہے، بلکہ وہ مخلوقات ہیں جو باقاعدگی کے ساتھ سینکڑوں بلکہ ہر سو فٹ افقی تبدیلی میں نوپر نیچے آتی جاتی رہتی ہیں، چھوٹی شرمپ پلانک ٹونک مخلوقات جو دن کے وقت گہرے سمندر کے اندر اتر جاتی ہیں، مثال کے طور پر چشک کی چاسکتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے پاس ہوا کے بیڈر ہوتے ہیں اور اس کے برعکس وہ دباؤ کی چانک تبدیلی سے، بری طرح متاثر بھی ہوتے ہیں جیسا کہ سب کو علم ہے، درم کش کشتی (Trawler) اپنا جال بھی ایک سو فیڈم سے نیچے نہیں پھیلاتی سوائے اس حادثے کے کہ وہ کسی جال میں پھنس جائیں اور پھر اس کو دوپر کھینچ لیا جائے اور یوں اس کا دباؤ بخوبی سے کم ہونا شروع ہو جائے، بعض اوقات چھپیاں ویسے بھی گھومتے گھومتے اس محیط سے باہر نکل جاتی ہیں جس کے ساتھ ان کی مطابقت ہوتی ہے اور پھر اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتیں کہ وہ وہیں لوٹ سکیں۔ یہ خوراک کی تلاش میں وہ وہی طرف جاتی ہیں اور اس صحت کو چھو جاتی ہیں، جو ان کے محیط کی تخریب کر رہی ہے اور اس کے دور رس کے لئے ایک نظر سے آئے والی سرحد ہوتی ہے، جہاں وہ چا تو سکتی ہیں مگر وہاں کے حالات ان کے لئے نا آشنا اور غیر مہمان نواز ہوتے ہیں۔ ایک تہہ سے دوسری تہہ تک سر کرنے کے لئے راند پناہ مل گھاسے کھانے چلے جاتے ہیں اور یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنی حد کو عبور کر جائیں

پھر اوپر کے پائپ میں آئے سے دباؤ میں جو کمی واقع ہوتی ہے، اس کو پور کر کے لئے اس کے مثابے میں موجود ہوا پمپل جاتی ہے۔ پمپل ہلکی ہو جاتی ہے اور پمپل کو اس کے لئے زیادہ آسان پید ہو جاتی ہے۔ شاید اس وقت میں وہ نیچے آئے کی بھی کوشش شروع کر دیتی ہو اور پے پمپوں کی پوری طاقت کے ساتھ، وہ اوپر جاے کے عمل کو روک دیتی ہو۔ مگر کبھی وہ ایسا نہ رہا پائپ لادو سٹار پر گھومتی ہے اس وقت غمی ہوتی ہے اور موت کے قریب بھی کیونکہ اس کا دباؤ چاہے کہ ہو چکا ہوتا ہے اس کے ہائٹ لوٹ پھوٹ گئے ہوتے ہیں۔

سمندر کا اپنا ہی فشار (Compression) جو اس کے اپنے غل پچھ سے واقع ہوتا ہے مقابلت بہت معمولی ہے اور اس پر سے اور فرسودہ حیاں کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کہ گھبرائی کی سٹار پر پانی نیچے کی طرف آئے دانی چیر دس کی مزاحمت کرتا ہے۔ اس اعتقاد کے جوڑے سے ڈوبے ہوئے جہاز، مردہ انسانوں کو لاشیں اور بڑے بڑے سمندری جانوروں کے اجسام، جن کو بھوکے مردار خوار (Scavengers) اپنی خوراک نہ بنا سکے ہوں، کبھی سمندر کے فرش تک نہیں پہنچتے بالکل وہ رستے ہی میں کسی سکی جگہ پر رک جاتے ہیں۔ جس کا تعین اب کے پتے جسم کے وزن اور فشار کے باہمی تعلق سے بنتا ہے، اور پھر ہمیشہ کے لئے یہی کے ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اتنی رے تک دھکی لی جلی جاے گی جب تک اس کا مخصوص یا نوعی وزن (Specific Gravity) اس کے دیگر موجود، پانی سے زیادہ ہوگا اور بڑے سے بڑے جسم بھی چند دنوں کے اندر اندر سمندر کی تہ تک پہنچ جائے گا۔ اس کے خاموش شاہد شارک (Shark) کے وہ رستے ہیں، جن کو گہرے قریب سمندروں کی تہ سے برآمد کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی شکل کی سخت ڈھیاں بھی ملی ہیں۔

تاہم یہ بات بھی درست ہے کہ سمندر کے پانی کا وزن، میسوں تک دھپائی میں موجود پانی کی ٹنگی سطوح پر دباؤ تو ڈالتا ہے اور اس کا اثر خود پانی پر بھی پڑتا ہے۔ بشرطیکہ نیچے کی طرف رخ کئے ہوئے اس فشار کو اچانک ختم کر دیا جائے مگر ایسی صورت میں ممکن ہے جب کسی مچھڑے کے تحت قابض قدرت معطل ہو جائے تو پھر سمندر کی سطح 33 فٹ تک زمین کے اوپر پھیل جائے گی اور اس کی وجہ سے بحر الکاہل کے مغرب کی طرف واقع امریکی ریاستوں میں کوئی سو میل یا اس سے بھی کچھ زیادہ دور تک مدار چلا جائے گا اور وہاں کا دو جنر یہ جس سے ہم آشنا ہیں بالکل ہی برس کر رہ جائے گا

(برہوت وہاں جو گہرے سمندر کی زندگی کے لئے ایک لازمی شرط ہے اور دوسری شرط تازگی ہے۔ سمندر کے بندر موجود کبھی نہ بدلنے والی تاریکی کے غیر ادنیٰ حالات پیدا کر دیتے ہیں اور پانی کے اندر جس قسم کی حیوانیہ (Fauna) پیدا کی ہے، وہ زمین پر موجود زندگی سے کافی مختلف ہے، یہ نیک سیاحی ہے جو دھوپ بھری دیا سے بے حد الگ تھلک ہے جس کا اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں، جنہوں نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ جب ہم سطح سمندر سے نیچے جاتے ہیں تو روشنی تیزی کے ساتھ کم ہوتی شروع ہو جاتی ہے۔ سرخ شعاعیں دوسرے تین سوٹ کی گہرائی تک جاتی ہیں اور ان کے ساتھ ہی سورج کی تابانی اور رنگتوں کی تراست بھی ہوتی ہے اور پھر ہزار فٹ پر ہر رنگ بھی ختم ہو جاتا ہے اور پھر گہرائی میں صرف تیز بین رنگ ہی رہ جاتا ہے جو پاؤں بہت صاف شفاف ہوتے ہیں اب میں حشری (Violet) شعاعوں کا طیف Spectrum طریہ ایک ہزار فٹ تک جاسکتا ہے اور اس کے بعد تو صرف سمندر کا کالا پین ہی ہوتا ہے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ سمندری جانوروں کا رنگ اس محیط کے رنگ سے مماثل ہوتا ہے، جس میں وہ رہتے ہیں۔ سمندر کی سطح پر نظر سے والی مچھلیاں مثلاً اٹھری (Mackerel) مچھلی اور عاریسی (Herring) عام طور پر تیل یا سرخ ہوتی ہیں اور پرنگال کے جنگجوں کی کشتیاں بھی اس رنگ کی ہوتی ہیں، اور میرے واسے مگوٹھوں (Snails) کے بازو بھی اسی رنگ کے ہوتے ہیں اور اس پر نیلگوں شکات ہوتے ہیں۔ کائی گار (Diatom) کی چراگاہ اور جھوٹی ہوئی اور جس کے گلی بہت نیچے جہاں پانی اور مٹی زیادہ گہرا ہو جاتا ہے بہت ہی مخلوقات تیز سے رنگ میں بالکل شفاف ہوتی ہیں جن کی شیشے جیسی اور رگوں کی طرح شفاف ہستیاں کے ارد گرد کے ساتھ خصوصی مناسبت رکھتی ہے اور ان کو یہ موقع عطا کرتی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے جو ہمیشہ بھوکے ہوتے ہیں بچ سکے، اسی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں قیر (Arrow Worms)۔ رچائی کیڑے (Gass Worms) کلمی جنسی (Combellies) اور بہت سی مچھلیوں کا لاروا (Larvae)

ایک ہزار فٹ سے لے کر اس گہرائی تک جہاں سورج کی روشنی ختم ہو جاتی ہے یہیں مچھلی (Saverfish) عام ہے، بہت سی دوسری سرخ ہیں، لگی ہڈوں ہیں، سیاہ ہیں، پر پیسے (Pillipods)، گہرے بنفشی رنگ کی ہوتی ہیں، ہر دور جس کے رشتے داروں کی سطح میں

شعاف ہوتے ہیں، یہاں گہرے سرخ رنگ کی ہوتی ہیں۔ ٹائوڈہ پھلی (Medusae) جنرین کی ایک قسم ہے، وہ کی سطح پر شعاف ہوتے ہیں برائے کی گہرائی پر براؤں رنگ کی ہوتی ہے۔

500 فٹ سے زیادہ کی گہرائی پر تمام پھلیاں سیاہ ہوتی ہیں، گہرے بخشنی رنگ کی یا پھر براؤں، مگر پانی (Prawana) پھلیاں حیرت انگیز رنگوں کی ہوتی ہیں سرخ، نیازی، زعفرانی، Purple، ایسا کیوں ہے، کوئی نہیں جانتا، مگر چونکہ سرخ رنگ کی شعافیں اس سے بہت پیسے ہی جاتی ہیں، لہذا گہرے سرخ رنگ کی چیزیں دوسروں کو یا اسالیب کو سیاہ ہی نظر آتی ہیں۔

گہرے سمندروں کے بھی اپنے ستارے ہوتے ہیں اور شاید کہیں کہیں ایک خروٹاک اور عارضی چاندنی چھٹی روشنی ہوتی ہے، یہ پر سرار روشنی کا مظہر تقریباً آدھی پھلیوں میں موجود ہوتا ہے، جو تاریک سمندر یا کم روشنی سمندر میں پلایا جاتا ہے، روشنی کا یہ مظہر، رنگ کی ٹنگی صورتوں میں بھی موجود ہوتا ہے۔ بہت سی پھلیوں کے پاس روشنی کی ٹارچ (Torch) کی ہوتی ہے، جس کو وہ پلے مرضی سے جلا یا بجھا سکتی ہیں، وہ اس ٹارچ کو پناہکار ڈھونڈنے اور پھر اس کا تعاقب کر کے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ دوسروں کے سروں پر روشنی کی قطاریں ہوتی ہیں، وہ اپنی شکل و صورت، رنگ (Species) میں رنگ نکلتی ہیں یہ گویا پہچان کا ایک نشان ہے، جس کی مدد سے دوست اور دشمن کو پہچانا جاتا ہے۔ گہرے سمندر کے سکول روشنی کا ایک دھار (Spur) سارکتی ہیں جو ایک روشنی دار کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جو پانی کے رشتے دار کے لئے سیاہی کا بدل ثابت ہوتا ہے۔

نیچے ترے وان سوانج کی طویل اور تیز "بین شعافوں سے بھی ماوراء پھلیوں کی پھلیوں بڑی بن جاتی ہیں تاکہ روشنی میں دیکھے گا، راسا موقعہ بھی ضائع نہ کیا جائے، خواہ روشنی کسی جسم کی بھی ہو یا وہ دوربین (Telescope) کی طرح ہو جاتی ہیں، جس کے عدسے (Lens) بڑے بڑے اور "گے کو لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ گہرے سمندر میں وہ پھلیاں جو ہمیشہ تاریک سمندر میں شکار کرتی ہیں، ان کے لئے، راسی ہے کہ وہ اس مخروط (Cone) یا پردہ چشم (Retina) کے رنگ دیکھنے والے غلیوں (Cells) کو صاف کر لیں اور ان سماخوں (Rods) میں اضافہ کر لیں جو روشنی کا درجہ سکتی ہیں، بالکل ویسی ہی تبدیلی زمین پر بھی ان شب جہ

رندول (Nocturnal Prowlers) میں بھی پائی جاتی ہے جو پاتال کی مچھلیوں کی طرح کبھی سورج کی روشنی نہیں دیکھ پاتے۔

ان کی اندھیروں بھری دنیا میں، اس بات کا بھی بہر حال امکان تو ہے کہ بعض جاندار بالکل ہی اندھے ہو جائیں، جس طرح غاروں میں رہنے والے بعض حیرت انگیز جانور ہیں۔ جیسے جراثیموں میں سے بہت سوں میں آنکھیں موجود ہوتے ہیں۔ ان کی غریب حیرت انگیز طور پر حساس اور نازک (Slender Fins) اور اس عمل سے ہو جاتی ہے، جس کے ذریعے وہ اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں جس طرح بہت سے اندھے انسان اپنی چھتری کی مدد سے اپنے دوستوں اور دشمنوں کا اندر کر رہے ہیں یا پھر سونگھنے کی قوت سے آتی ہوئی خوراک سے بھی آشنا ہو جاتے ہیں۔

پھر وہ کے آخری نشانات پانی کی اوپر کی ہلکی سی تہہ کے پیچھے رہ جاتے ہیں، کیونکہ کوئی بھی پورہ چھ سوٹ سے پیچ رہا نہیں رہ سکتا اور وہ بھی بہت صاف پانی میں اور بہت کم ہی ایسے پورے ہوتے ہیں جو سپر خوراک پیدا کر سکیں۔ اس عمل کو 200 فٹ سے نیچے جاری رکھ سکیں، چونکہ کوئی بھی جانور اپنی خود پیدا نہیں کر سکتا لہذا کبھی پانی کی سطح پر بحیرہ زندگی گزارتی ہیں اور وہ طفیلیوں (Parasites) کی طرح رہتے ہیں اور ان کا مکمل انحصار اوپر کی تہہ پر ہوتا ہے۔ یہ بھوک کے مارے ہوئے گوشت خور (Carnivores) کا انتھارہ حشرہ طریقے سے شکار پر چھپتے ہیں، تاہم اس سارے معاشرے (Community) کا انتھارہ اوپر سے نیچے گرنے والے خوراک کے ریڑوں پر ہوتا ہے جو بارش کی طرح برستے ہیں، اس بارش میں برسنے والے جراثیم ہوتے ہیں یا ن کا تعلق اوپر کی تہہ یا درمیانی تہہ کے ریڑوں سے ہوتا ہے یہ اوپر کی تہہ یا درمیانی تہہ سے آتے ہیں۔ ہر افقی (Horizontal) سطح پر یا سمندر میں رہنے والے جانوروں کی خوراک کی فراہمی ہوا سمندر در فیش کے درمیان ہوتے ہیں، مختلف ہوتی ہے اور عام طور پر اوپر کی تہہ سے کتر ہوتی ہے، یہ ایک اشارہ ہے جو ایک خوفناک مگر معاصرت نہ کرے والے خوراک کے مقابلے کو ظاہر کرتے ہیں جس میں کبلی دار دانتوں (Saber Teethed) جیڑوں اور اڑوہوں کی شکل والی مچھلیاں تاریک سمندر میں پائی جاتی ہیں، ان کے منہ بہت بڑے ہوتے ہیں ان کے جسم پلک دار اور پھولنے والے (Distensible) جن کی مدد سے پھیلنے سے کئی گنا بڑی مچھلی دکھائی دیتی ہے،

یہ گویا کیف بے فائقے کے بعد تیزی سے حاصل ہوئے وہی توانائی ہوتی ہے۔

دوا، تیرگی، اور ہم صرف چند برس پہلے تک اس فہرست میں خاموشی و بھگی شامل کر سکتے تھے۔ یہ تین چیزیں گویا گہرے سمندر کی زندگی کی سروری شریک ہیں لیکن اب ہم یہ جانتے ہیں کہ سمندر کے بارے میں مکمل خاموشی کا تصور بالکل ہی غلط خیال ہے۔ آبی فوج (Hydrophone) اور دوسرے سمعی آلات کی مدد سے جو تجربہ حاصل ہو رہا ہے (خاص طور پر آبدوزوں کو تلاش کرنے کے سلسلے میں) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے ساحلوں کے بہت قریب بہت غیر معمولی شور ہے جو چھٹیوں، شرمپاؤں، پوس پھل (Porpoise) اور مدگی کی کچھ ایسی صورتوں کی وجہ سے ہے، جس کو ابھی متعین کرنا باقی ہے مگر سمندر کی گہری میں کس قدر شور ہے اس کی تفتیش کے سلسلے میں ابھی کوئی خاص کام نہیں کیا گیا اور نہ ہی ساحل سمندر سے دور کے علاقے کے بارے میں کام ہو پایا ہے مگر جب اٹلانٹس (Atlantic) نامی ایک جہاز سے برمودا (Bermuda) میں آبی فوج پاؤں کے بیچ اتنا توان جو آواریں سناں دیں ان میں بلی جھکی آوازیں، جھپٹیں، بھولوں جھپٹی راہیں وغیرہ سناں دی تھیں مگر ان کا بیج ابھی تک تلاش نہیں کیا جا سکا، لیکن، پچھلے پانچویں صدیوں کو پکڑ کر جب پچھلے کھربوں (Aquaria) میں رکھا گیا اور ان کی آوازوں کا مواد۔ ال آوازوں سے کیا گیا جو سمندر سے آتی رہتی ہیں اور کئی صورتوں میں اس کے مابین تسلی بخش مماثلت پائی گئی۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران ریاست ہائے متحدہ امریکا کی بحری فوجی نے آبی فوجوں کا ایک جہاز چھوڑ دیا تھا تاکہ فلجی چوسا بیگ (Chase Peak Bay) کی حفاظت کی جاسکے، مگر یہ سب کچھ اس وقت بالکل ناکام ہو کر رہ گیا جب 1942ء کے موسم بہار میں ساحل پر لگے ہوئے پٹیکروں میں سے ہر شاہی آوازیں آئے لگیں جیسے کوئی سنگ فرش پر ہوائی برما چلا رہا ہو وہ ربر دست آواریں جو آبی فوجوں سے آتی تھیں، انہوں نے مکمل طور پر کسی آواز سے جہاز کی آواز کا درست مکمل طور پر روک دیا تھا۔ بالآخر یہ دریافت کیا گیا، کہ یہ آوازیں ایک ایسی پھل کی تھیں، جس کو کرکر (Croaker) کہا جاتا ہے اور چھپیاں موسم بہار میں چوسا بیگ فلج میں اپنے سرو علاقوں کی رہائش سے ہجرت کر کے آ جاتی تھیں، چونکہ اس آواز کو پہچانا گیا اور اس کا تجربہ کر لیا گیا، تو یہ ممکن ہوا کہ مکمل کے ایک مقام (Feet) کے ساتھ اس کو ایک کر دیا جائے اور یوں ایک بار پھر یہ ممکن ہوا کہ آواز کے والے جہاز کی آواز سنی جاسکے اور

پتنگروں کے نظام کو کارآمد بنایا جاسکے۔

پھر اس سال کچھ مدت کے بعد کروڑوں کا ایک گورن (Chorus) بھی دریافت کیا گیا۔
 لا جولا (La Jolla) کے مقام پر سگریس انسٹی ٹیوٹ میں ہر برس مئی کے مہینے سے ستمبر کے آخر
 تک شام کو سورج غروب ہونے کے بعد، نیک گورن شروع ہو جاتا تھا اور وہ آہستہ آہستہ
 بڑھتا رہتا تھا اور پھر دو بہت بلند "ہنگ مینڈکوں" کے ٹرے کی تیز آواز بن جاتا تھا اور اس
 کے ساتھ ہی اس خطر میں ڈھونڈنے کی آواز آتی رہتی تھی، پھر یہ دو تیس گھنٹوں تک بطور
 کسی وقفے سے جاری رہتی تھی اور بالآخر دونوں کے بعد کوئی کوئی آواز شروع ہو جاتی
 تھی، کروڑوں کی بہت سی انواع جب مچھلی گھروں میں تیار کی جاتی ہیں تو ان کی آواز
 مینڈکوں سے فرائض کی طرح ہوتی ہے، جہاں تک اس منظر میں مثالی دینے والی ڈھولوں کی
 "آواز کا تعلق ہے۔۔۔ اس کے بارے میں حیاں ہے کہ وہ کروڑوں کی ایک اور نوع سے تعلق
 رکھتی ہیں، مگر یہ اٹھانہ نہیں ہو پایا کہ یہ نوع کونسی ہے۔

سب سے زیادہ غیر معمولی آروں میں جو سارے سمندر کے اندر سنائی دیتی ہیں وہ
 تڑپے اور تلنے کی آوازیں ہیں جیسے کہ سوکھی جھاڑیوں کو جلایا جاتا ہے یا چرپے کو گرم کیا جاتا
 ہے اور یہ آوازیں غلگ مزاج شرمپ کے علاقے سے آتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔ یہ نیک
 چھوٹی سی گول شرمپ ہے جس کا قطر "دو انچ کے قریب ہے اور اس کا نیک بہت بڑا پنچہ
 ہوتا ہے جس کو وہ اپنے شکار کو بے ہوش کرے کے سے استعمال کرتی ہے یہ شرمپ اپنے
 دووں جہڑوں کو برابر بجاتی رہتی ہیں جہڑے بجائے کی یہ جہڑوں آوازیں مجموعی طور پر وہ
 آواز ہیں کرتی ہیں جس کو شرمپ کا کڑکڑانا کہا جاتا ہے کسی کو بھی یہ دہرہ نہیں تھا کہ یہ
 چھوٹی چھوٹی کڑکڑے والی شرمپ اس قدر زیادہ تعداد میں ہیں یا اس قدر پھیلی ہوئی ہیں کہ
 اس کے شکل (Signal) آپ فونوں پر صاف سنائی دیتے ہیں اس کے یہ شکل فروغ بینڈ
 (Broad Band) پر سے جاتے ہیں جو رنی کے گرد ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ غرض "مہلہ 35
 این (N) اور 35 این (S) کے درمیان (مثال کے طور پر کیپ ہالمرس (Cap Hallers) سے
 اور نیوس آئرلینڈ (Buenos Aires) کے درمیان اس سمندروں میں جو 30 ایم سے کم گہرے
 ہیں۔

پستانی حیوانات، مچھلیاں اور حیوانات قشریہ (Crustaceans) سمندر کے اس گورن کے

شرکاء میں، ہر حیاتیات جو سینٹ لارنس دریا کے منصب (Estuary) پر آبی فون کے ذریعے
آوارہ ہیں، رہے تھے، اسہوں سے بہت بلند اور تیز سیٹیاں درنگھی جھانٹیں (Squeals) سنیں
ان میں گھڑی جیسی تک تک و مرغی جیسی کٹ کٹ بھی شامل تھی، یوں لگتا تھا جیسے کوئی بچے
سار کے تار سر کر رہا ہے۔ کبھی کبھی بلی جیسی میاؤں میاؤں اور چہچہاہٹ بھی شامل ہو جاتی
تھی، یہ عجیب اور کاٹل قدر اور غیر متجانس آوازوں کا مجموعہ اس وقت سنائی دیتا تھا جب سمند
پر پرواز کرنے والا (Porpoise) کا فلفلہ گزر رہا ہوتا تھا اور اوپر آتے دیکھ جاتے ہوئے اٹھان اٹھان
تھا، لہذا یہ فرض کیا جاتا ہے کہ آوازیں اسی سے آتی تھیں۔

ایک پراسرار منہ ایک خوفناک منہ، گہرے سمندر کی کبھی تبدیل نہ ہونے والی عظمت
سے بہت سے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا ہے کہ بہت قدیم زندگی کی کوئی قسم، کوئی درندہ
فاسل (Fossil) ممکن ہے سمندر کی تہ میں موجود ہو ممکن ہے کسی ہی کون بات ڈیپلیکٹر کے
سائنس دانوں کے رہن میں بھی ہو جو سمجھیں وہ بے جاں میں اٹال کر لاتے تھے وہ بھی
دیکھنے میں غیر ارسی لگتی تھیں اور ان میں سے، کلم کو انسان سے س سے پہلے کبھی دیکھا تک
نہیں تھا مگر بنیادی طور پر وہ جدید طریقہ تھیں، لائی کسی شے کیس تھی جو جبری رہا
Combian کی سد گوشہ چیزوں سے تعلق رکھتا ہوا سمندر کون ایسا عقرب (Scorpion) ہو
جس کا تعلق میلوں (Sturion) کی قدیم سے ہو کوئی ایسا غرمدہ (Reptile) بھی نہیں جو عقیم
بھی ہو اور سمندر سے بھی تعلق رکھتا ہو، ان غرمدوں میں سے ہو، جیہوں سے میان حیات
(Menozoic) زمانے میں سمندر پر چڑھائی کی ہو، اب کی بجائے وہاں تو جدید مچھلیاں تھیں،
سکوڑھے شرمپ تھے ان کی بڑی ہوئی شاندار شکلیں تھیں، یقیناً یہی وہ زندگی تھی جو دیا کے
گہرے اور مشکل سمندر میں پانی جاتی تھی مگر دو یقیناً ایسی چیزیں تھیں جو متعلقہ قریبی ارس
زمانے میں پیدا ہوئی تھیں۔

گہرا سمندر زندگی کا اصل منبع ہونے سے بہت دور تھا، یوں لگتا ہے کہ سمندر کی گہرائی
میں آہادی حایہ رہا ہے ہی میں ہوئی ہے جب زندگی سطح کے پانچوں میں پیش قدمی کر رہی
تھی اور شودھا یا رہی تھی یا کناروں پر موجود تھی، در دریاؤں میں بھی تھی یا پھر دروں
(Swamps) میں تھی۔ ان دونوں سے زمین کا بہت بڑا علاقہ گھیر رکھا ہے در بھی تک اس
میں زندہ اشیا کی بہتات موجود ہے، مگر زمین کے دو علاقے ایسے بھی تھے، جو بہت بڑے

نئے مکر زندگی کی وہاں پر بھرمار تھی اور یہ تھے یہ "عظیم" اور "قعر" (Abyss) جیسا کہ ہم جانتے ہیں سمندر سے زمین پر آباد ہونے والوں نے بے پناہ مشکلات برداشت کیں اور یہ واقعہ 300 ملین سال پہلے کا ہے۔ قعر البحر جو ایک بہ ختم ہونے والی تاریکی ہے، اس کا ریزہ ریزہ کر دینے والا وہاں اس کی کلیشہ کی طرح کی سرد قضا ان مشکلات سے بھی کہیں زیادہ دشوار رہیں کی حالت تھی۔ شاید اس مسئلے پر یہ ایک کامیاب پڑھاں تھی۔ کم رکن زندگی کی اعلیٰ مسوئوں سے تربیت ہی کیا تھا۔ مگر یہ واقعہ کچھ بعد کا ہے تاہم حال ہی میں دو ایک ایسے قائل ذکر واقعات ہوئے ہیں، جن کی وجہ سے یہ امید رہا ہے کہ گہرے سمندر سے ماسی کے ساتھ اپنے عجیب و غریب رشتے کو پوشیدہ رکھا ہو ہے۔ دسمبر 1938ء میں افریقہ کے جنوب مشرقی ساحل کے "گے" بڑھے ہوئے کناوسے سے کچھ دور ایک بڑے جال (Trawl) میں ایک حیرت انگیز مچھلی پھنس گئی۔ ایک سی مچھلی جس کے ہارے میں یہ خیال تھا کہ وہ کم از کم 80 ملین سال پہلے مردہ ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آخری باقیات جوٹی تھیں اس کا تعلق ایک ایسے زمانے سے تھا جس کو کچھ اور چاکر (Coelacanth) ماس کہہ جاتا ہے اور اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہ ملا تھا مگر حوش قسمتی سے وہ مچھلی موجودہ تاریخی زمانے میں ایک جال کے اندر پھنس گئی۔

وہ مچھلی سے جنہوں نے اپنے نراری کی حد سے اس مچھلی کو صرف 40 فیڈم کی گہرائی سے پکڑا تھا یہ جان گئے کہ یہ پانچ فٹ لمبی نیلے رنگ کی روشن مچھلی اپنے بڑے سر اور عجیب و غریب ساخت کے رملہ (Fins) فلس (Scale) اور دم کے ساتھ ان تمام شیاؤں سے مختلف ہے، جو جنہوں نے آج تک دیکھی ہیں۔ جب وہ بندرگاہ پر واپس آئے تو اسے اپنے قریب ترین غائب گھر میں لے گئے جہاں اس کو لینی میری (Letimaria) کہا گیا، یہ دریافت کر لیا گیا کہ وہ ایک نر کنڈ (Coelacanth) ہے۔ اس کا تعلق ایک ناقابل یقین کردہ سے ہے، جو کوئی 300 ملین برس پہلے سمندر میں ظاہر ہو تھا، وہ چٹا میں جس کی عمر 200 ملین سال یا اس سے زیادہ تھی، ان سے ان مچھلیوں کے فاصلے تھے اور پھر چاروں عصر کے زمانے کے بعد سے ان کے ہارے میں شہرہ ملے بند ہو گئے تھے۔ 60 ملین سال پہلے ایک پراسرار گمنائی کے دور کا آغاز ہوا تھا۔ اب اس گردنوں میں سے ایک ایسی مچھلی میری جنوبی افریقہ کے مچھروں کی مچھلیوں کے سامنے آگئی تھی اور اس کی قدیم ساخت میں

بہت ہی تم تہذیبی رویہ ہوئی تھی اور اس کی شکل اپنے قدیم جدا دھنسی تھی، مگر سوال یہ ہے کہ اس ساری مدت میں یہ مچھلیاں کہاں رہی تھیں؟

کولا کتھ کی یہ کہانی 1938ء میں ختم نہیں ہو جاتی اس یقین کے ساتھ کہ یہی اور بھی مچھلیاں سمندر میں موجود ہوں گی۔ مچھلیوں کے ایک ماہر (Ichthyologist) جنوبی افریقہ کے پریٹریس جے بی بی سمٹھ (J. B. Smith) نے ایک صبراً تحقیق کا آغاز کیا، 1940ء میں چارکی رہی اور کالہائی سے ہسٹنار ہوئی۔ دوسری کولا کتھ ایک جزیرے (Anjouan) سے جو مدقا سک (Madagascar) کے قریب واقع ہے پکڑی گئی۔ وہ اپنی میری سے حاصل مختلف تھی لہذا اس کو ایک اور نئی گروڈ (Genus) میں رکھا گیا۔ جدید عہد میں نئے دان پکڑی کولا کتھ کی طرح وہ ایک پرچھائیں جیسے باپ کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی تھی یہ باب وعدہ چروں کے ارتقا کا ایک اہم باب ہے۔

کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ انتہائی قدیم قسم کی شارک تھی ہے، جس کا اندازہ جس کے جھری دار لکام (Puckered Gills) سے ہوتا ہے سے مل شارک (File Shark) کہتے ہیں وہ عام طور پر چرتھان میل یا صاف میل کی گہرائی میں پائی جاتی ہے اب میں سے رہا، قرمانڈے یا جاپان کے سمندروں سے پکڑی گئی ہیں۔ ان میں سے 150 تک ہیں جس کو یورپ اور امریکا کے سیورسوں میں محفوظ کیا گیا ہے، مگر حال ہی میں ایک سانپا (Sania) Barbara کیپیورین میں پکڑی گئی ہے۔ فل شارک کے بہت سے ٹکڑے (Anatomical) حواس قدیم شارک سے مماثل ہیں یہ شارک کوئی 25 سے 30 ملین سال پہلے موجود تھی، اس کے بہت سے گل پلائے (Gills) تھے اور صرف چھ ہی پشتی (Dorsal) فلس (Fins) تھے ایسا جدید شارک میں بہت کم ہوتا ہے اور اس کے دانت بھی فاسل شارک کے مشابہ تھے اور وہ بے تھے درخانے دار جھڑکی کی طرح تھے (Bristlelike)۔ بعض ماہرین حکایت اس کو ایسا تھوب (Rallo) سمجھتے ہیں جو جدید شارک سے حاصل کیا گیا ہے جس کی موت اوپر کے پائندہ میں واقع ہو گئی تھی۔

اس بات کا مکان موجود ہے کہ اسکی تاریخی عطیہ (Anachronism) منسلقوں میں اوپر امریکہ میں رہی ہوں مگر وہ شاید چند ہی سوں اور کھری کھری ہوں، جو صورت حالات ان گہرے پانیوں میں موجود ہے، جو زندگی کی افزائش کے لیے غیر مناسب ہے، مگر اس صورت

میں جب زندگی سخت جالنا ہو اور ہے آپ کو تبدیل کرنے پر قدرت رکھتی ہو اور ان نامساعد حالات کا مقابلہ رکھتی ہو اور برو و فائدہ حاصل کر سکتی ہو۔ جو زندگی (Protoplasm) کی ہوتا ہے حاصل کرنا ممکن ہے۔ اور اس کے حالات ہیں اس پر حالات سے کچھ ہی کم خطرے کے حامل ہیں۔

☆☆☆

ایچ جی ویلز (H.G.Wells)

ہربرٹ جارج ویلز (1866-1946) برطانوی ناول نگار، ایک دوکان پر بطور شاگرد کام کرنے کے بعد اور ایک اور سٹا کی نوکری کرے کے بعد اس سے سادہ فکشن کے کارج آف سائنس میں جہاں سائنس ہنری کیسے پڑھاتا تھا۔ تعلیم حاصل کی اور 1890ء میں گریجویٹ بن گیا۔ 1895ء میں اس کو اس کے ناول ٹائم مشین (Time Machine) پر ادبی اعزاز دیا گیا۔ پھر اس کے بہت سے ناول شائع ہوئے اور سے خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ سائنس فکشن کے علاوہ اس نے سماجی موضوعات پر بھی کئی ناول لکھے، اور اس نے بہت سے معاشقہ اور سیاسی موضوعات پر جارج برنارڈشا سے بحث میں حصہ لیا، اس کی کتاب The Outline of History (1920) The Shape of Things to come، 1933ء، خاصی مشہور ہیں۔

چنگی ویز

توانائی کا ایک نیا ماخذ

بیسویں صدی کے اوائل ہی سے جو مسئلہ ماحرے (Ramsay) اور فورڈ (Rutherford) اور سوڈی (Soddy) جیسے سائنس دانوں کے پیش نظر تھا: یہ تھا کہ کس طرح تابکاری (Radio-Activity) کو ہماری عناصر (Elements) میں متعارف کروایا جائے، چنانچہ ایٹم کے اندر موجود توانائی پر کام کرتے ہوئے خوش قسمتی کے ساتھ 1933ء میں سنٹرل کی طریق کار (Induction) اور دھڑال (Intuition) کو بروئے کار لاتے ہوئے ہولسٹن (Holsten) نے بہت جلد کامیاب حاصل کر لیا۔ تابکاری کے پہلی وعدہ و پخت ہونے سے اس کی مقاصد کے لیے اس کے تسخیر ہونے کے درمیان صرف 25 سال سے زیادہ کا وقفہ نکلتا ہے۔ بیس برس تک ہواشہ جس چھوٹی چھوٹی مشکلات کی وجہ سے اس کامیابی کے عملی حلاق تک مسرور ہوسکا مگر سروری کام کر لیا گیا، اور اس برس سالی ترقی میں عالم ایک اور دیوار توڑ دی گئی۔ اس سے نئی شکستہ (Disintegration) کے لیے پھوس کا کی (Bismuth) ایک بہت ہی چھوٹا ٹکڑا استعمال کیا، وہ بہت شدت کے ساتھ پھل اور اس سے ایک ہماری گیس پیدا ہوئی، جس میں تابکاری بہت زیادہ تھی، شکستہ کا یہ عمل سات دنوں میں مکمل ہوا اور اس کے بعد ایک سال اور گزر گیا پھر وہ عملی طور پر اس قابل ہوا کہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ توانائی کا یہ تیز رفتار بہاؤ اصل میں سونے کی طرح قیمتی شے ہے، لیکن یہ سب کچھ کرنے کی اسے قیمت پکانی پڑی اس کی چھائی آہوں سے بھر گئی اور اس کی ایک انگلی خمی ہو گئی اور اس لمحے سے نظرت سے

واہی پھوس کا کسی ٹیک صرب کاری سے ٹرنے اور پھیلنے والی توانائی میں تبدیل ہوگئی۔ ہوسٹن کو علم تھا کہ اس نے الہامیت کے لیے ایک دروازہ کھولا ہے۔ خواہ ریا کی نامحدود طاقت کے سامنے وہ کیسا ہی تنگ اور تاریک کیوں نہ ہو۔ پھر اس نے یہ سب کچھ سوانح ماڈارنی میں لکھا اور دنیا کو خیر باد کہہ کر رخصت ہو گیا، وہ ڈری جو اس وقت تک محض خاص طرح کے بکھرے بکھرے خیالات اور پینٹنوں سے بھری ہوتی تھی وہ ایک لمحے میں جہانِ روئے والی دستاویز اور سہا سہا حیات و جدات کا ایک ایسا مجموعہ بن گئی جس کو تمام الہامیت سمجھے گی اور یاد رکھے گی۔

اس نے ٹوسٹے ہوئے جیسے اور ایک ایک لفظ کئی کئی بار لکھا ہے، مگر اس کے باوجود برہات واضح ہوتی چلی گئی ہے یہ رہکارا ہے ان پوئیں ٹھنوں کا جو اس مظاہرے (Demonstration) کے بعد گزرے ہیں، اس میں ایک کہانی ہے ان خیالات کی اور اندرونی جس سے وہ گزرتا رہا ہے۔ میں نے سوچا مجھے سونا بھی چاہیے۔ وہ نکلتا چلا گیا جو لفظ اس نے نہیں لکھا ان کو بریکٹ میں دے دیا گیا ہے (کیونکہ) میرے ہاتھ اور پیسے میں درد ہے، (میں حیران ہوں)۔۔۔۔۔ مجھ سے کیا سرزد ہو جائے۔۔۔۔۔ پھر میں بچنے کی طرح سو گیا

اگلی صبح اس نے خود کو کچھ عجیب سا اور بھی بھلا محسوس کیا، اس کے پاس کونے کو کچھ نہیں تھا، وہ پوسٹر بری (Blomabury) کے ایک فلیٹ میں اکیلا ہی رہتا تھا، پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ نیم سٹڈ ہیڈ (Hemstead Head) چائے، وہ اس جگہ کو چھین سے جانتا تھا، وہ ایک گھاس کا میدان تھا جس میں وہ کھیلا کرتا تھا، وہ ایک زیر زمین ٹیوب سٹیشن پر گیا، وہ اس ریلے میں لندن کی ایک جگہ سے دوسری جگہ جاے کے لیے ایک تسیم شدہ دروازہ تھی، پھر اس نے بیٹھ سٹریٹ کے ٹیوب سٹیشن سے کھلے ہونے والے میدان تک کا سفر پیوس طے کیا، اس نے دیکھا وہ خدق نما چرتھی جو ٹکٹوں سے بھری ہوئی تھی، اور ایک پار سے تھی، مگر تے ہونے گھروں کی دیواروں کے درمیان وقت کی روح گویا معدوم ہی ہوگئی تھی۔ ایک تنگ واصلوان اور ٹیز سے میڑھے سے رستے کے ساتھ ساتھ، گھر جو جارہین (Neo-Georgian) تھا پرستوں کے مراکب، جو مثالیت کا ایک دلچسپ احساس رکھتے تھے وہی جگہ روح بھی تھی اور دلچسپ بھی تھی یہ نہایت کی ایک فیر منطقی حاکمیت ہے کہ ہوسٹن

ابھی بھی اپنے اس کام سے لوٹا تھا، جو حدیہ تہذیب کی نشست کے نیچے بارود بھری بناری کی طرح تھا، اس نے ان تہذیبوں کو تاسف کے ساتھ دیکھا وہ ہر مرتبہ تھک سڑت میں جا چکا تھا، وہ کالوں کی تمام کھڑکیوں سے مانوس تھا اور اس نے سیرس قمیض میں نئی کھٹے گزائے تھے اور وہ دسپے اور نیچے جا رجین مکالوں اور گھائی کے مٹرنی کنارے کی ایک پرانی شاہرہ پر گھومتا رہا تھا۔ سے یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ اس کی مانوس چیزوں میں سے اب کچھ بھی موجود نہیں، جب وہ واٹ سٹون پونڈی (White Stone Pondy) کے مانوس مٹرن کے قریب آیا تو سے کچھ تسلی ہوئی کیونکہ وہاں راستہ ٹھنڈی کی وجہ سے بند تھا اور ان میں سورخ پر سے ہوتے تھے، اور کرینیں (Cranes) وہاں کھڑی تھیں، جب اس سے رستہ پار کیا تو سکھ کا سانس ہلکا۔ آخری مٹرن ایک پار میٹر دیکھا ہی ہو گیا جیسا کہ ہوا کرتا تھا۔

اس کے دائیں بائیں سورخ اینٹوں کے خوبصورت مکان ویسے ہی موجود تھے، پانی کی نیکی کے ساتھ ایک علام گردش کا صاف ہو گیا تھا۔ سفید سڑے میں سفید رنگ کے چمکدار پھوس رستے کی طرف جھکے ہوئے تھے اور ہیر و پہاڑی (Harrow Hill) کا بندہ چلن اور ہیر و خرد (Spore) ویسے ہی موجود تھا۔ پہاڑیوں اور درختوں کا منظر چمکتے ہوئے پانی اور ہوا کے شے پر گھر کتے ہوئے ہاں اوپر کی طرف بڑھتے ہوئے لندن کے نظاروں کے لیے ایک عظیم کھلی کھڑکی کی طرح تھے۔ ان نظاروں کو دیکھ کر حنا و جمال ہوتا تھا، ویسے ہی جھوم تھا تیر تیر چلنے والا، اور ویسے ہی موٹریں مستقل طور پر اس جھوم میں سے بغیر کسی کا نقصان پہنچائے دھوکہ دیتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ ہر کھلی نفا کی طرف بڑھ رہی تھیں، ایک بوجھل نفا ان کے پیچھے اور ان کے نیچے پھیلی ہوئی تھی۔ ایک جھوم ہانگل خاموش تھا۔ عورتوں کی کوئی بتائی دھا ہو رہی تھی، اور دھا کرنے والی عورتوں نے قناعت کی طرف لوٹنے کا راستہ پھر ڈھونڈ نکالا تھا، جھوم میں ایک ہلکی سی خوشی برپا تھی۔ سوشلسٹ مقرر یہ ست دان ایک جھوم در دہی کتوں کے بھونکنے کی بلند آواز گھروں کے پائوں باغ سے، ان کا آواز ہوتا رنجیر مسیت گھر سے باہر نکلتا اور ہفتہ وار آزادی کی اس خوشی سے نہال ہو جاتا۔ سڑک پر وہ ہسپانویں کا ایک جھوم یہ کہتا ہوا گزرا کہ آج لندن کا منظر میر معمولی طور پر صاف ہے۔

نوجوان ہوسٹلن کا چہرہ سفید ہو چکا تھا، وہ ایک ایسے پریشان کن حساس کے ساتھ چل رہا تھا جس میں ایک ایسا سکون ہوتا ہے جو میر معمولی طور پر تھکے ہوئے عصاب اور ورزش

سے محروم رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ تھک کر وارنٹ سٹوں تالاب کے کنارے ٹھہر گیا اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ وہیں جانے پڑا نہیں، پھر وہ ایک ایسے مقام پر آ گیا جہاں سے بہت سی سڑکیں نکلتی تھیں، وہ بار بار چھری کو اپنے ہاتھ میں بدلتا رہا، وہ بار بار وارنٹ پاتھ پر چلنے والوں کے راستے میں آجاتا تھا یا وہ اس کو دھکا لگا کر گزر جاتے تھے کیونکہ انہیں یہ انداز نہیں ہو پاتا تھا کہ وہ کس طرف کا رخ کرے گا۔ اس نے محسوس کیا اور پھر اس نے تسلیم کیا کہ وہ کسی عام سوجھ بوجھ کی حالت میں نہیں ہے۔ "سے پتا آپ یوں لگا جیسے وہ میرا ہی ہے، شرانگیز شے ہے۔ جو لوگ اس کے ارد گرد تھے خوشحال نظر آ رہے تھے، خوش تھے اور اپنی اپنی زندگی سے مطمئن تھے۔ کام کا ایک ہفتہ گزر تھا، الوار کا دن تھا اور وہ اپنے بھترین ماہی میں تھے وہ ہلکی ہلکی چال قدمی کر رہے تھے اور اس سے ایک ایک ایسی شے متعارف کرادیں تھی، جوان کے خوشیوں، ارادوں اور سکون کی چادر کے نالے ہاتے کو منتشر کرے وہاں تھی اس سے ایک ایسے نادان بچے کی طرح محسوس کیا جس سے ہاتھوں کا ہرا ہر دبا ہے گھبائوں کے حوالے کر دیا ہو۔ یہ بات اس نے خاص طور پر لکھی تھی۔

پھر وہ ایک ایسے شخص سے ملا جس کا نام لائن (Lawson) تھا وہ اس کا پرانا سکول کا ساتھی تھا اس کے بارے میں اب تاریخوں میں صرف یہ درج ہے کہ اس کا چہرہ سرخ تھا اور اس کے پاس ایک ٹیرر (Terror) لکھا تھا۔ وہ اور ہوسٹن کچھ دور تک ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ ہوسٹن بہت رمد تھا اور ماہی کے مقابلے میں دھچک دھچک کر چل رہا تھا، اس نے بتایا تھا کہ وہ بہت زیادہ کام کرتا رہا ہے اور اب اسے چھٹی کی شدت محسوس ہے، وہ گولڈ رزل پارک کی کوئی لوسل کے باہر ایک میز پر بیٹھ رہے تھے اور یہیں سے ایک جہز کے کوئل پینڈش۔ مسواریں میں دو جہزوں بولٹیں لائے کے لیے بھیجا تھا اور یہ بلاشبہ ماہی کی غذا پر ہوا تھا۔ جہز پیسے سے ہوسٹن کے مردہ جسم میں کچھ حرارت پیدا ہوئی۔ اس نے پوری کوشش کے ساتھ لائن کو یہ مانا شروع کیا کہ اس نے جو کچھ دریافت کیا ہے اس کی اہمیت کیا ہے لائن سے اس کی بات پوری توجہ سے سنی نہیں جاتی تھی۔ اس کی بات سمجھنے کے لیے اس کے پاس علم تھا وہ تہ تی قوت محکمہ تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا 'آزکار بہت سے برس گزر جائے کے بعد اس کی وجہ سے جنگ کرے کا طریقہ کار بدل جائے گا روشی، محاربات، تبدیل ہونے والے عمل، اور پیداوار کے تمام طریقے بدل جائیں گے، ذراعت

میں بھی فرق پڑے گا اور وہ تمام خام مال جو اسان کے استعمال میں آتا ہے جس چائے گا۔
پھر ہوسٹن بات کرتے کرتے رک گیا، لائن اپنے سروں کی طرف جھکا اور بولا "وہ
بکثرت کتا۔ سب دن دیکھو کیا گل کھلا رہا ہے، اسے ابھر آئی، چو، چو، چو، ابھر آؤ، یوب ابھر
تو۔"

لا جہاں سانس دان اپنے پٹی بندھے ہاتھ کے ساتھ سر میز پر بیٹھا تھا، وہ اس قدر
تھکا ہوا تھا کہ اس میں تھی امت بھی نہیں تھی کہ وہ اس شے کے عجائبات کو بیان کرتا، اس کا
دوست کافی دیر تک کتے کو تلاش کرتا رہا، پھر اس نے سیٹی بجا لی، حوب گل بچا اور دوران
اتوار کی چھٹی منانے والے لوگ موسم بہار کی دھوپ میں ان کے گرو آتے جاتے رہے۔
ایک لمحے کے لیے تو ہوسٹن حیرت کے ساتھ لائن کو دیکھتا رہا، اس کا پیچھا تھا کہ وہ اپنی
بات سناتے اور وہ سناتا بھی رہا تھا مگر لائن نے سنی ہی نہ سنی ایک کردی تھی۔

پھر اس نے کہا: چھو، وہ آہستہ سے مسکریا اور اپنے سامنے پڑا ہوا جیکر کالک ختم کیا،
لائن پھر آکر بیٹھ گیا، پھر اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا: "اسان کو اپنے کتے کی دیکھ
بھال ضرور کرنی چاہیے، ہم بھی تجھے کیا بتا رہے تھے۔"

شام کو ہوسٹن ایک بار پھر گھر سے باہر نکلا، وہ پیدل پہتا ہوا سینٹ پال کے گرجے
تک گیا، پھر وہ اس کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا، اندر سے شام کی عبادت کی آواز آ
رہی تھی۔ قربان گاہ (Altar) پر چلتی ہوئی موسم بہار کی دیکھ کر سب کچھ غیر معمولی طریقے سے
خالی سوس (Fissile) کے چکنو یاد آئے، پھر وہ شام کی روشنیوں میں پیدل چلتا ہوا ویسٹ منسٹر
(Westminster) واپس آیا، وہ بہت اداس تھا، وہ خاصہ ذرا اور سہا ہوا تھا، اسے اس بات
سے خوف آ رہا تھا کہ جو کچھ اس نے دریافت کیا ہے، اس کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں، اس
کے دس میں ایک دھند سا خیال تھا کہ اس رات اس نے جو کچھ دریافت کیا ہے اس کے
نتائج کو شوق نہ کر دے کیونکہ وہ بھی غائب ہیں۔ واپس مسدوں کی کوئی پوشیدہ کوسل اس
کے کام کو دیکھے اور اس کا جائزہ لے اور یوب وہ ایک سل سے دوسری سل تک منتقل ہوتا
رہے حتیٰ کہ دیوانہ جاتی بات ہو جائے کہ وہ اس کا عملی اطلاق کر سکے۔ اس نے محسوس کیا کہ جو
ہزاروں لوگ اس کے پاس سے گزرتے ہیں اس میں سے کوئی بھی متا بیدار نہیں ہے کہ
اسے یہ انداز ہو کہ تھی بڑی تبدیلی رونما ہو چکی ہے، وہ تو کسی دنیا میں مگن ہے جو اس دن

سے پہلے تھی۔ وہ اتنی جلدی کیسے تبدیل ہو سکتی ہے اس تبدیل سے اس کے اعتقاد و عقیمیں لگے گی۔ اس کی خود اعتمادی، اس کی عادت، وہ بریلک جس سے دو آشنا ہیں اور پھر زندگی میں حاصل کی ہوئی ان کی آسانیاں، سب ان کا اعتقاد کھودیں گی۔

وہ اس چھوٹے باغوں کی طرف گیا۔ جو ٹیٹک آؤنگیور (Overhanging) کے نیچے ہیں اور اس پر سونے ہوئے Savoy Hotel اور ہوشیل سیل (Cecil) کی تیز روشنیاں پڑتی رہیں۔ وہ ایک مشقت پر بیٹھ گیا اور اسے دو باتیں کرتے ہوا کی جو اس کے پاس بیٹھے تھے آواز آئے گی۔ یہ گفتگو ایک نوجوان جوڑے میں ہو رہی تھی جو لگتا تھا کہ بس شادی کرے ہی والا ہے۔ مرد اپنے آپ کو اس بات پر مبارکباد دے رہا تھا کہ اسے آخر کار نوکری مل ہی گئی، وہ کہہ رہا تھا ”وہ مجھے پسند کرتے ہیں اور مجھے نوکری پسند ہے، اگر میں کام کرتا رہا تو اس بارہ ہی برس میں اتنا کمائے لگوں گا کہ زندگی آرام سے گزرنے لگے گی“ اس نے (Hetty) یہی بات ہے، کوئی جہ سے ہی نہیں کہ ہم دونوں ایک آرام دہ زندگی نہ کر سکیں، اور پرسکون اور آرام دہ زندگی..... پلاشبہ۔“

چھوٹی چھوٹی کامیابیوں ان حالات میں معمر ہیں مگر محفوظ ہیں، چنانچہ یہ بات ہو سکتی ہے کہ اب کوئی اس سے اپنی ڈسری میں لکھا ”مجھے یوں لگا کہ جیسے مجھے ساری دنیا حاصل ہو رہی ہے۔“

اس جیسے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ گویا روحانی طور پر پوری دنیا کو اس کی آبادی سمیت دیکھ رہا تھا۔ اس میں کبھی شہر تھے قصبے تھے اور گاؤں تھے، ان کی بلند نہ کیوں تھیں جن کے ساتھ ساتھ مراٹھ بھی تھیں۔ ان کے باغات تھے، کھیت کھیاں تھے، اونٹنی بڑاگا ہیں تھیں، بٹھکی تھے، جہاز ران تھے اور ان کا جہاز پارے سمندر میں گھوم کر آیا تھا۔ در اس میں ہر مہینہ لگے تھے، آئے چارے دلوں کے نام لکھے تھے، اونٹنیوں اور قرضوں کا حساب کتاب تھا۔ در سبھی کچھ گویا ایک اکائی بھی، ایک نہ توٹنے والا نگارہ تھا۔ کئی بار پیسے نگارے اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے، اس کا دہن عظیم قسمیہ (Generalisatin) کا عادی تھا مگر اس کے باوجود وہ تفصیل کے بارے میں بے حد حساس واقع ہوا تھا، اور بچے زیادہ تر معصروں سے کہیں زیادہ اس کا، اس چیزوں کو جامع انداز شاہانہ غار میں دیکھ سکتا تھا، عام طور پر یہ معصروں کو اپنے پہلے سے متعلق محو رہ گھومتا ہے۔ در ایک شاہانہ انداز میں تیزی

کے ساتھ سورج کے گرد چلے سنے پر چکر لگاتا ہے۔ عام طور پر تو یہ ایک رمدگی سے بھرپور عمل ہوتا تھا جو اپنی گردش کو پورا کرتا تھا لیکن اب کے تو حکمکن سے اسے مردہ سا کر دیا تھا اور وہ رمدگی سے بیز تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب ہمیشہ سے گھوم رہا ہے۔ اسے لگا کہ رمدگی کی راہیں متعین ہیں اور لوگ اس پر سفر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ سال کے عوالم یک ہی طرح بار بار وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ بہت قدیم زمانہ جو وحشتوں سے بھرا ہوا تھا اور آنے والے زمانہ جو ناگہر ہے، دونوں ہم سے پیچھے ہوتے ہیں اور اسے بس دن اور رات نظر آ رہے تھے، ہوائی کا موسم، کٹائی کا موسم، محبت کرنے اور محبت وصول کرنے کا موسم، موت اور پیدائش کی موسموں کی دھوپ میں چاہل قدمی، مردیوں میں انگلیٹھیں کے پاس بیٹھے کچھ حفاظت سمنا، میدان عمل کا پرانا سلسلہ اور وہ عمر جسے جڑوں سے نیا کر دیا گیا ہو، ایک ہی دائرے میں گھومتے جانا اور ہمیشہ گھومتے جانا۔ سوائے اس کے کہ اب انگلیٹھ کا غیر پاکیزہ ہاتھ اس میدان کو جگانے کے لیے ٹھادیا گیا ہے۔ آہستہ آہستہ کوئی سرسراہٹ ہو رہی ہے، عادی، نسائی وجودگی دھوپ میں ڈوبی ہوئی گردش کرتی ہوئی بندی۔

بھڑی دھ کے لیے اس کے ذہن سے جنگ، جراثیم، نظریں، اذیتیں، قلعہ دہائیں، درندوں کے مظالم، حکمکن در جسم کو چیر دیتے وہاں ہوا میں ناکامیوں اور محرومیوں، حوصلہ شکنیوں، جیسے مٹی گئیں۔ اس سے پوری انسانیت کو اس طرح دیکھا جیسے اتوار کے دن س کے ساتھ نیک عام مابوڑ میں ہو تھا، جو اپنی حیرت انگیز حواہشات کو پورا کرے کی عیسیم بنا رہا تھا، در کسی ایسی کشش کا خوف نہیں مدھتا جو سے حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ مجھے سارا کرہ درمں ایک ہی وقت میں محسوس ہو رہا تھا۔

اس کی ذہانت، ان کیفیات کے خلاف جدوجہد کر رہی تھی اور کافی دیر تک ناکام جدوجہد کرتی رہی تھی۔ اس نے اس عجیب سے خیال کے حلاب ایک مانتی تانا بانا جسے کی کوشش نہ کرے وہ خود کوئی عجیب سی غیر سانی شے ہے۔ اسے پس لگ رہا تھا کہ وہ رمدگی کی صاف شفاف سطح کے نیچے درخشندگی (Phosphorescence) میں چھپی ہوئی تاریکی کے اس غیر فطری سفر سے گونا گونا ہے۔ وہ گویا ایک طرح کا شراکتیہ حلیہ تھا جس میں وہ اپنے پورے جہنم کے ساتھ موجود تھا اور اب وہ ڈاب سے چھڑے ہوئے پرندے کی طرح ہے۔ انسان ہمیشہ سے تو ایسا نہیں تھا، چوڑے سے گھر کی خوشی اس کی قدرت نہیں تھی وہ اس کے

علاوہ ہم جو بھی تو تھا، تجربہ کرے کا شوقین، ایک ایسا تجسس جسے کبھی تشفی حاصل ہی نہیں ہو پاتی، وہ ایک ایسی خوشی کی طرح محسوس کر رہا تھا جو ہمیشہ تفتہ رشتی ہے۔ چند بار اسلوب سے اس سے بلاشبہ زمین پر مل چلا ہے اور میسوں کا احتجاج یہ ہے، دعائیں مانگی ہیں، بوس کو پیسا ہے اور اکتوبر میں انگوروں کو روکے والا یہ بس چلا ہے تاہم بہت دیر نہیں ہوئی وہ ابھی تک جوش سے بھرا ہوا ہے۔

”اگر یہاں مگر ہوتے، روزمرہ جتنا اور کچھ میدان ہوتے“ ہوسٹن نے سوچا تھا۔
”تو پھر حیرت بھی ہوتی اور مستند بھی ہوتا۔“

اس نے اپنے سر کو موڑا اور اپنی نشست کے پیچھے طرف دیکھا۔ وہاں ایک عظیم ہوٹل تھا جو حاصی ہندی پر نظر آ رہا تھا۔ وہ ڈھکی ہوئی ہلکی، دھبیوں سے بھر تھا۔ اس میں تزارت بھی، رنگ تھے اور رجسٹر کا شور تھا، لیکن ہے اس نے انہیٹ کے لیے جو تھکا دہانت یہ ہے۔ وہ اس میں اضافہ کر دے۔ وہ اپنی نشست سے تھا، ہارے سے باہر نکلا، اس نے ایک جاتی ہوئی ٹرم کار کو غور سے دیکھا، وہ شام کے گھر سے اپنے دھنوں کے رنگیں گرم روشنی سے بھری ہوئی تھی اور وہ اپنے گیس کو جاتی اور توڑتی ہوں تیزی سے گزر رہی تھی۔ پھر اس سے ہارے کی سرحد کو پار کیا اور ہارے کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے نکل آیا اور کافی دیر تک تاریک دریا کو دیکھتا رہا، جو بار بار روشن تھا دھنوں اور پلوں کی طرف مڑ رہا تھا۔ اس سے اپنے دھن کے اندر نظر آئے والی تمام چیزوں کو پھر سے مرتب کر کے دیکھنے کی کوشش کی۔

پھر اس نے اپنی ڈائری میں لکھا۔ ”وہ عمل شروع ہو گیا ہے۔ یہ پھرے میں نہیں ہے کہ میں بعد میں آئے وہ اس عمل تک رسائی حاصل کروں، جس کا میں اندر رہ بھی نہیں کر سکتا میں ایک جڑ ہوں، کل نہیں ہوں، میں تو اس تبدیل ہوتی دیا کا ایک چھوٹا سا پردہ ہوں۔ مگر میں ان تمام کا خلافت کو جھانگی دوں، تو بھی میں برس کے مدر کوئی نہ کوئی شخص ایسا ضرور ہوگا جو یہی کام کرے گا۔“

سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud)

سگمنڈ فرائیڈ 1858-1939ء آسٹریا کا نفسیات دان اور تحلیل نفسی کی تحریک کا بانی۔ فرائیڈ طب کا عالم علم تھا اس نے 1882ء میں ویانا کے ہینک میں کام شروع کیا۔ 1885ء میں اس کی ملاقات جوزف برائو (Joseph Breuer) سے ہوئی اور فرائیڈ نے اس کی معیت میں کام کیا اس کے بعد شارکوٹ (Charcot) کے ساتھ کام کرنا شروع کیا۔ پھر اس نے برائو کے ساتھ مل کر ہسٹریا پرائیک کتہ (Studies in Hysteria) لکھی (1895ء)۔ پھر اس نے یہ نظریہ بنایا کہ نروس (Nervous) کا منبع عصبی خرابی ہے جس کو دبا دیا گیا ہے اس جی حواس کا تعلق بچپن کے تجربات سے ہوتا ہے جو حقیقی بھی ہو سکتے ہیں اور تصوراتی بھی 1898ء میں اس کی مشہور کتاب Interpretations of Dreams شائع ہوئی جس میں اس نے خوابوں کے لاشعوری مواد کا تجزیہ کیا۔ اس کا اس بات پر قرار دینا کہ نفسی رانگی کی وجہ عصبی خرابیات ہیں جسے تنازعات کا باعث بنی۔ 1902ء میں اس نے نفسیاتی تحلیلی انجمن (International Psycho Analytical Society) کی تشکیل دی 1910ء میں گئی۔ اس میں بہت سے عظیم لوگ شامل تھے جس میں فروید (Jung)، اور ایڈلر (Adler) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ 1938ء میں نازیوں کے حملے کے بعد وہ اپنے بیٹے کے پاس انگلستان آ گیا اور پھر یہیں اس کی موت ہوئی۔ فرائیڈ نے لاشعور دریافت کیا اور مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔

سگمنڈ فریڈ

پیارے لوگوں کی موت کے خواب

خوابوں کا ایک اور گروہ ایسا ہے جس میں خاص طور پر کسی عزیز رشتے دار کی موت کا بیان ہوتا ہے مثلاً والدین میں سے کوئی مرتا ہے، کوئی بھائی یا بہن یا کوئی بچہ۔ فوری طور پر ایسے خوابوں کی وہ جماعتوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے، جس میں خواب دیکھنے والا کسی دکھ میں سے نہیں گزر رہا، اور وہ جب جانتا ہے تو اس بات پر حیران ہوتا ہے کہ اس سے کچھ محسوس کیوں نہیں کیا۔ وہ کچھ خواب اپنے ہوتے ہیں جس میں موت کا دکھ شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والا بالکل ہلک کر رہا بھی ہو۔

پہلی قسم کے خوابوں میں فور کرے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کو نمائندہ (Typical) خواب نہیں کہا جاسکتا، اگر ہم ان کا تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے معنی (الفاظ، تفکرات) وہ معانی سے بالکل مختلف ہیں اور اس کا مقصد کسی اور خواب کو چھپانا ہے، ایسا ہی جو ایک ایسی مثال کا تھا، جس نے اپنی بہن کے اکلوتے بیٹے کو کفن میں چڑھا دیکھا تھا، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اصل میں ایک چھپی ہوئی خوشحالی کسی خاص شخص کو دیکھنے کی حس کو وہ پنہاں کر رہی تھی اور جس سے اس کی ملاقات ایک طویل عرصے کے دوران نہیں ہوئی تھی۔ نیک دیہ شخص جس کو وہ پہلے بھی ایک طویل عرصے کے بعد اس وقت دیکھ پائی تھی جب کہ اس کا

ایک اور بھانجیا کفن کے اندر پڑا ہوا تھا۔ یہ خواہش جو اس خواب کی اصل ہمدانی وجہ تھی یہی فکری تھی جس میں کسی قسم کا دکھ ہو، لہذا خواب میں کوئی دکھ محسوس نہ کیا گیا تھا۔ یہ کہا جائے گا کہ جہاں خواب میں محسوس ہوا تھا، اس دکھ میں اس کے لیے تغلی (Latent) تھا اور وہ اس کا ظاہری مواد نہیں تھا اور خواب کا فعال مواد تحریف (Distortion) کی وجہ سے چھوڑی نہیں گیا تھا اور اس کی جگہ ایک خیال (Ideational) مواد نے سہی تھی۔

دوسرے گروہ کے خواب بہت غلط ہوتے ہیں جس میں خواب دیکھنے والا کسی عزیز رشتے دار کو ہر مواد یکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہے پناہ اور عزت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس خواب کے معانی، جیسا کہ اس کا مواد ظاہر کرتا ہے، ایک خواہش کے ہیں کہ متعلقہ شخص انتقال کر جائے اور چونکہ مجھے یہ توقع ہے میرے پڑھنے والوں اور رشتہ داروں کے لوگوں کے جذبات، جنہوں نے اپنے کسی عزیز کو خواب میں مردہ دیکھا ہے میرے اس دعوے (Assertion) پر بھڑک اٹھیں گے لہذا میرے لیے لازم ہے کہ اس کی شہادت کسی ممکنہ وسیع مواد پر پیش کر دوں۔

میں نے بھی ایک خواب کا ذکر کیا تھا جو ہم کو یہ سمجھاتا ہے کہ خواب میں جن خواہشوں کو پورا کرے کی کوشش کی جاتی ہے وہ ہمیشہ مردہ کی خواہشات نہیں ہوتیں۔ وہ ماضی کی وہ خواہش بھی ہو سکتی ہیں جن کو چھوڑ دیا گیا ہے، دوسری خواہشوں کے لیے رو کر دیا گیا ہے یا ان کو بروقت دیا گیا ہے اور ان کے لیے ہمیں ان کا تعلق اپنی مسلسل موجودگی سے جوڑنا پڑے گا اس کے بعد ہی تو یہ ممکن لگے گا کہ وہ خواب وہاں ظاہر ہو جائیں مگر وہ ۱۹۶۷ء کے فعلی معانی میں مر نہیں ہیں، وہ صرف (Odyssey) کے کسی پہلو کی طرح ہیں، جو خون کی خوشبو سونگھتے ہی کسی طرح کی زندگی میں آ جاتے ہیں۔ وہ خواب میں جس میں بچے کو مردہ دیکھا گیا تھا اس میں بھی سی طرح کی کسی خواہش کا عمل دخل تھا، جو پندرہ برس پہلے تو فوری خواہش تھی اور یہ بھی تسلیم کیا گیا تھا کہ اس وقت یہ خواہش واقعی بہت شدید تھی میں یہ صاف کرنا چاہتا ہوں، یہ بات نظر یہ خواب پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس خواب کے پیچھے بھی کوئی ایسی یادداشت موجود تھی جس کا تعلق ابتدائی بچپن سے تھا، جب وہ چھوٹی سی بچی تھی صحیح تاریخ یقین کے ساتھ مقررہ کی جا سکتی ہے یہ معلوم ہو تھا کہ اس کی ماں حمل کے دوران جس کے باعث وہ پیدا ہوئی تھی، شدید لڑی ہو کا شکار رہی تھی

اور میں نے شدت کے ساتھ یہ چاہا بھی تھا کہ اس کے ہاں پیدا ہوئے دلائل چھ شاید مرجائے اور جب خواب دیکھنے والی لڑکی خود جواں ہوئی اور پھر حاملہ ہوئی تو اس سے بھی بالکل وہی کچھ کیا جواس کی ماں سے کیا تھا۔

اگر کوئی خواب دیکھے اور اس میں ہر طرح کا دکھ موجود ہو کہ اس کا باپ، ماں، بھائی یا بہن فوت ہو گئے ہیں تو اس کے خواب کو میں اس شہادت کے طور پر پیش نہ کروں کہ وہ آج بھی اس شخص کی حسرت کی حواہی ہے۔ نظریہ خواب کو اس شے کی ضرورت نہیں ہے، اس کی تشکی کے لیے حتمی کالی ہے کہ کسی زمانے میں یہ حواہی ہو کر رہی تھی اور اس کا تعلق خواب دیکھنے والے کے بچپن کے ساتھ ہے۔ میں ہر حال ڈرتا ہوں کہ اعتراض کرنے والے میرے اس خواب سے مطمئن نہیں ہوں گے، وہ اس بات سے انکار کرتے چلے جائیں گے کہ ان کو کبھی ایسا کون خیال آیا تھا۔ پھر وہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ اس بات پر اصرار کریں گے کہ ان کے بچپن میں یہ کوئی خواہش موجود ہے۔ لہذا میرے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ میں بچپن کی جانب شدہ ذہنی زندگی کے نیک حصے کو دوبارہ تشکیل دوں اور اس کا حوالہ اور بنیاد آج کی شہادت ہو۔

سب سے پہلے آئے، ہم اس رشتے کا مطالعہ کریں جو بیچے اپنے بھائیوں اور بہنوں سے رکھتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آخر یہ کیوں فرض کیا جاتا ہے کہ ان کے درمیان ہمیشہ محبت کا رشتہ ہوگا، مثال کے طور پر باج بھائیوں اور باج بہنوں کے درمیان ایک دوسرے سے معاندانہ تعلق بھی لوگوں کا رد کا تجربہ ہے اور ہم اکثر اوقات یہ حقیقت وضع کرتے ہیں کہ یہ منافرت بچپن ہی میں پیدا ہوتی ہے یا پھر ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ لیکن اصل طور پر یہ بھی درست ہے کہ بہت سے بالغوں میں جو بچے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں اور وہ جس کے لیے آج جان لڑا دیے کو تیار ہیں، انہوں نے بچپن کا ایک طویل عرصہ ایک دوسرے کی دشمنی میں گزارا ہوتا ہے۔ بڑا بچہ چھوٹے بچے کے ساتھ بدسلوکی کرتا ہے، سے مارنا پیٹنا ہے اور اس کے کھلوے چرے سے بھی دریغ نہیں کرتا، جبکہ چھوٹا بچہ بڑے بچے کے خلاف بے حد غصہ رکھتا ہے مگر وہ کچھ کر نہیں پاتا وہ اس سے دشمنی بھی رکھتا ہے اور اذیت بھی ہے یا اپنے برہنہ حریف کو آراؤں اور عدس کی توقع کے ساتھ ملتا ہے۔ والدین یہ شکایت کرتے ہیں کہ اس کے بچپن کی تباہی میں جتنی نہیں، مگر وہ یہ معلوم نہیں

کر پاتے کہ کس وجہ سے، یہ تو بہر حال آسانی سے جانا چاہئے ہے کہ بہت اچھے بچے ہیں بھی کردار کی وہ خوبیوں موجود نہیں ہوتیں جو ہم ہاتھوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔ بچے عمل طور پر ایتھلیٹک (Egotic) ہوتے ہیں ان کو اپنی ضرورتوں کا احساس شدت سے ہوتا ہے اور وہ ان کو پوری کرنے کے لیے سب کچھ کر رہے کو تیار ہوتے ہیں: حاصل طور پر حریفوں (دوسرے بچوں) کے معاملے میں اور اس میں سب سے پہلے ان کے اپنے بہن بھائی تہ ہیں۔ مگر اس وجہ سے ہم بچوں کو برا نہیں کہتے ہم ان کو شریر کہہ دیتے ہیں اور ہمارے خیال میں وہ اپنے شرانگیز کاموں کے لیے جواب دہ نہیں ہوتے اور قانونی طور پر بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور درست بھی یہی ہے کہ ایسا ہی ہو کیونکہ ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ اس دور کے ختم ہونے سے پہلے جسے بچپن کہا جاتا ہے بچے کے اندر بے عصی اور اخلاق جاگ نہیں گئے اور بھونچا ہو جائے گا اور وہ میڈل (Meyner) صطلاح استعمال کی جائے تو ایک قانونی ایجنڈا ہو جائے گا اور وہ بنیادی ایجنڈا ۶۷ ہے گا۔ یہ کہنا بھی درست ہے کہ اخلاقیات بچپن ختم ہو کر ساتھ ہی کارفرما نہیں ہو جاتی اور ویسے بھی بچپن کی مدت بھی مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے۔ اگر اس اخلاقیات کی نشوونما ہو تو ہم سے زوال پذیری (Degeneracy) کہتے ہیں، حالانکہ جو کچھ ہمارے سامنے ہوتا ہے، وہ محض ترقی کا رک جانا ہے۔ یہ واقعہ دہرا ہو چکے اور چاندی کردار کی جگہ قانونی کر رہے ہیں تو اس کے باوجود پہلی حالت لوٹ کر آسکتی ہے مکمل طور پر یا جزوی طور پر ان مریضوں میں جو مشربا (Hysteria) کے مریض ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے ہم ہسٹریا کا مریض کہتے ہیں اس میں اور شریر بچے میں بے حد مماثلت ہوتی ہے، خلونے و ہم نمودیں (Obsessional) (Neurosis) اس کے برعکس علی اخلاقیات سے مطابقت رکھتا ہے درودہ در کیا جاتا ہے، ایک طاقت عطا کرے و لے ورن کی طرح اور بنیادیں کردار پر ایک طرح کی مٹا کاری ہوتی ہے۔

چنانچہ بہت سے ایسے لوگ جو اپنے بہن بھائیوں سے محبت رکھتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی مریض نہ تو وہ مجیدہ ہوتے ہیں، مگر ناشعوری طور پر ان کے خلاف شرانگیز خواہشات کے حامل ہوتے ہیں اور اس رویہ کا تعلق بچپن کے آغاز سے ہوتا ہے اور ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ خوابوں میں اپنا اظہار کر سکیں۔

ہوتے چلے گئے تھے، اور میں نے اس قسم کے مشاہدے کو عملی طور پر نظر انداز کر دیا تھا مگر اب میں یہ پردہ اسی کا ازالہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اور میرا چھوٹا سا بچہ بچا میرے مطالعے میں ہے، جس کی شخصی حکمت اس وقت خطرے میں پڑی تھی، جب وہ چند ماہ کا تھا اور اس کی ایک رنارہ عد مقابل پیدا ہو گئی تھی۔ مجھے یہ بتایا گیا، یہ درست ہے کہ یہ نوجوان، اپنی چھوٹی مہل کے ساتھ بے حد شریک روپ تھا، رکھے ہوئے تھا، وہ اس کے ہاتھ چومتا تھا اور اس کو چمکتا بھی رہتا تھا لیکن میں بچے آپ کو یہ نہیں دلا، میں کامیاب ہو گیا تھا کہ دوسرے برس کے آخر میں سے بھی پہلے اس نے اپنے بوسے کی قوت کو کسی پر تنقید کرے کے لیے خوب خوب استعمال کیا تھا کیونکہ وہ سے فالتو نہیں کر سکتا تھا جب بھی گفتگو میں اس کی بہن کا ذکر آتا تھا تو وہ اس میں غل اندر ہو جاتا تھا اور پوری بدحوئی کے اندر میں کہتا تھا، 'دع کر دو، دور کرو۔ یہ بہت چھوٹی سی ہے' مگر بچے چند ماہ کے اندر بچی تھی بڑی ہو گئی تھی کہ سے حقارت کی اس سطح پر رکھا نہیں جاسکتا تھا، تو پھر بچے نے اپنے 'جات کے' سے نیک اور سطح تلاش کر لی تھی۔ پھر وہ بتاتا تھا کہ سے زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہے وہ بہ مناسب موقع پر یہ بھی کہا کرتا تھا کہ دیکھو اس کا کوئی دانت نہیں ہے۔ یہ سچ ہے تو ہم سب کو یاد ہو گا کہ میری بہنوں میں سے ایک بہن جو اس وقت چھ برس کی تھی، اس نے اپنی حالات کو یہ یاد کر دیا کہ میں آدھ گھنٹہ لگا یا تھا، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی کیا آسکتی ہے؟ وہ ان سے پوچھتی تھی۔ لہذا اس کی شریک تھی اور اس سے اڑھائی برس چھوٹی تھی۔

میں اپنی خاتون مریضوں میں مثال کے طور پر یہ تلاش کرنے میں کبھی ناکامیاب نہیں ہو کہ ان کو بھائی یا بہن کی موت کے خواب آتے ہیں اور ان کی مطابقت بڑھتی ہوئی دشمنی سے ہے، صرف مجھے ایک ہی سنگینی نظر آیا ہے مگر اس کی توجہ بھی اس قاعدے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے آسانی سے ہو سکتی ہے میں یک تجزیاتی سیشن (Session) کے دوران اس بات کی وضاحت ایک خاتون مریض سے کر رہا تھا، کیونکہ اس کی علامات کی روشنی میں مجھے یہ لگتا تھا کہ یہ بات اس کی صورت حال سے متعلق ہو سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی جب اس سے یہ کہا کہ میں سے ایسا خوب کبھی نہیں دیکھا۔ ایک اور خوب ایسا ہے جو سے ہار ہار آتا رہا ہے مگر اس کا تعلق تو خارجی طور پر کسی طرح بھی اس معاملے سے نہیں ہے۔ ایک خوب جو اس سے بالکل بار چار برس کی عمر میں دیکھا تھا اور اس وقت وہ بچے جانتا تھا، میں سب سے

چھوٹی تھی اور پھر یہ خوب وہ دیکھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ بچوں کا ایک جھوم ہے۔ سب اس کے بھائی ہیں۔ نہیں ہیں۔ دونوں سے کڑت ہیں۔ وہ ایک سبز میدان میں کھیل رہے تھے کہ ان کے پاس آگ آئے اور وہ سب رگئے اور غائب ہو گئے۔ اسے اس بات کا اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ خوب کیا معالی رکھتا ہے، مگر یہ جاننا مشکل نہیں ہے کہ بچی اصل صورت میں یہ خواب بھی نہیں۔ وہ بچوں کی موت ہی کی خواہش کا اظہار ہے۔ اور اس میں درسا احتساب ہی تو ہو سہ۔ میں کوشش کروں گا کہ میں اس کی درجہ ذیل توجہ پر غور کروں، بچوں کے اس کردار کی موت کے موقع پر (اس خوب میں دو بھائیوں کے بچے ایک ہی حادثہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں) جو اس وقت چار برس کی بھی نہیں تھی، ممکن ہے کسی بڑے سے یہ پوچھ بیٹھی ہو کہ جھٹکے مر جاتے ہیں ان کا کیا بنتا ہے اور شاید اس کا جواب یہ دیا گیا ہو۔ 'ان کے پر نکل آتے ہیں اور وہ مجھے سے مر جاتے ہیں' اس کے بعد بچی نے جو خواب دیکھا تھا اس میں اس کے بھائی اور بہنیں فرشتوں کی طرح پروں سے ہو گئے تھے۔ پھر سب سے اہم بات ہوئی تھی وہ نے دیکھے تھے اور بعد ازاں اسے منا قاتل کیلا رہ گیا تھا اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ اس الجھوم میں سے رہ رہ کر نکلتا جاتی وہ ان کی ہستی تھی۔ ہم یہ فرض کرے میں شاید دراصل بھی غلطی نہ کر رہے ہوں کہ اس سے پہلے بچوں کا والد کو ایک دوسرے کے ساتھ مارنے خبیثوں کی طرف ایک اشارہ ہے، یوں لگتا ہے جیسے بچی بھی حیالات کی اس رنجش کی وسیر تھی جس میں قدیم زمانے کے وہ لوگ جکڑے ہوئے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ روحوں کے پرتعلیب کی طرح ہوتے ہیں۔

مگر اسے اس موقع پر کوئی صاحب یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہاؤ مانا کہ بچے اپنے بھائیوں اور بہنوں کے لیے معاذ اللہ حد بات رکھتے ہیں، آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ بچے کا ذہن اتنی دور تک پہنچ جائے کہ وہ اپنے ساتھ کیلئے دے بچے کی موت کی خواہش کرے، جبکہ وہ بچہ اس سے دیسے بھی طاقتور ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر کے جرم کی سر صرف موت ہی ہو کچھ درد نہ ہو جو کوئی بھی اس بات سوچ رہا ہے وہ اپنے ذہن میں یہ بات نہیں رکھتا کہ بچے کے ذہن میں مر جاسے کے، جو معاف ہوتے ہیں وہ دے معافی سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ بچوں کو یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کرپشن (Corruption) کا خوف کیا شے ہے، قبر کی منجبت سردی کیا ہوتی ہے اور ہمیشہ کے لیے معدوم ہو جانے کا دکھ کیا ہوتا ہے وہ حیالات جو جن نوعیت

کو پہنچے ہوئے لوگ برداشت نہیں کر پاتے اور یہ بات انسان کی دوسری زندگی کی اساطیر (Myths) کے بارے میں صاف ظاہر ہے، موت کا خوف بچے کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا، لہذا یہ بات کہ وہ ایسے بڑے بڑے خیالات سوچے گا اور ان کو اپنے انجویوں کے لیے استعمال کرے گا۔ "مگر تم یہ نہیں کرو گے تو تم بھی قمار کی طرح مر جاؤ گے" یہ سن کر مال کاپ جاتی ہے اور سے یاد آ جاتا ہے کہ، یہ کی صفت ہارن مشکل ہی سے اپنے بچہ کو پورا کر سکتی ہے۔ ایک آٹھ سالہ بچے کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ قدرتی تارخ کے چاب گھر سے ہوتا تو اس نے اپنی والدہ سے کہا، "مال مجھے تم سے بے حد محبت ہے، جب تم مر جاؤ گی، میں تمہیں حنوہ کر کے اس کرے میں رکھوں گا، تاکہ تم ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہو۔" چنانچہ بچے کے موت کے تصور میں اور ہمارے موت کے تصور میں بہت ہی کم مماثلت پائی جاتی ہے۔

ان بچوں کے نزدیک جو موت سے پہلے کے تکلیف دہ مناظر نہیں دیکھ پائے ان کے لیے مرے کا مطلب کم و بیش یہی ہے جیسا کہ چلے جانا اور زندہ رہ جانا والے کو تنگ نہ کرنا، بچے کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ عدم موجودگی کیسے چلی جاتی ہے اس کی وجہ سفر ہوتا ہے، چلے جانا ہوتا ہے، لٹھ جانا بھی ہو سکتا ہے اور مر جانا بھی۔

اگر کسی بچے کے گھر رنارن دور میں اس کی مر کو نکال دیا جائے اور پھر کچھ دنوں میں اس کی والدہ نکال کر جائے، تو یہ دونوں واقعات ایک دوسرے پر یوں نقش ہو جاتے ہیں کہ جب تجزیہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ ایک ہی یادداشت ہے۔ جب لوگ موجود نہ ہوں تو بچہ ان کی عدم موجودگی کو شدت سے محسوس نہیں کرتا، یہ بات بہت ہی ماؤں کے لیے ڈکھ کا سبب ہے، جب وہ چند ہفتوں کے لیے گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لیے جاتی ہیں، تو واپس آ کر سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں نے اپنی ماں کے بارے میں پوچھ تک نہیں مگر ان کی مائیں اس ملک کی طرف سوہارا جاتی ہیں، جہاں سے کبھی کوئی واپس آیا ہی نہیں اور نہ ہی اسے دریافت کیا گیا ہے، یہی بات یہ ہوتی ہے کہ بچے اس کو بھول جاتے ہیں اور بعد میں یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ اس کو یاد کرنے لگتے ہیں۔

جب کسی بچے کے پاس اس بات کا جواز ہو کہ وہ کسی کے چلے جانے کی خواہش کرے، تو پھر کوئی ایسی شے موجود نہیں ہوتی، جو اسے اس امر سے روکے کہ وہ اس کی موت کی

خوابش نہ کرے: ان خواب کے سلسلے میں تعامل (Reaction) جس میں موت کی خواہش موجود ہو یہ ثابت کرتا ہے کہ بچوں میں اس خواہش کے متنوع مواد کے باوصف یہ خواہشات اسی طرح کی ہوتی ہیں جس طرح ان خواہشات طبعیت کی عمر کو پہنچے ہوئے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

ہم بچے کی بھانجیوں اور بہنوں کی موت کی خواہش کو اس کی انانیت (Egoism) کے عرصے سے بیان کرتے ہیں چونکہ بچہ اس کے ساتھ لگاؤ رکھتا ہے، مگر وہاں یہ پید ہوتا ہے کہ موت کی جو خواہش بچہ اپنے والدین کے خلاف رکھتا ہے (جو نہ صرف اس کو محبت دیتے ہیں بلکہ اس کی تمام ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں اور اس کی مشورہ کرتے ہیں تو کیا اس کی وجہ بھی وہی انانیت ہی ہوتی ہے؟

اس مشکل کا ایک حل اس مشاہدے سے بھی نکل سکتا ہے کہ بچہ اس قسم کے خواب والدین میں سے اس کے خلاف زیادہ شدت سے لکھتا ہے جو اس کی جس سے تعلق رکھتے ہیں، بار بار بچہ اپنے والد کی موت کی خواہش کرتا ہے اور بچی اپنی والدہ کی، میں یہ تو نہیں کہتا کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے، مگر اس سلسلے میں غالباً ریحان اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ بات دراصل اس مشاہدے سے دیکھی جاسکتی ہے کہ اس کو ایک عمومی ہیئت بھی حاصل ہے۔ اگر سے سیدھے سادے مفہوموں میں بیان کیا جائے تو یوں لگتا ہے گویا کہ بچہ ہی میں بچے کے اندر جیسی نوعیت کا رعب ہو جاتی ہے، جیسے لڑکے اپنے والد کو در لڑکیاں اپنی ماں کو محبت میں مقابل (Rival) محسوس کرتی ہیں اور ان کا معدوم ہو جانا بچے کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے۔

مگر اس خیال کو محبت ہی برا سمجھ کر رد کر دیا جاتا ہے۔ دوسری صورت حال کی طرح اس صورت حال میں بھی ہمیں دیکھنا ہوگا کہ دشمنوں کی نوعیت کیا ہے۔ اور والدین اور بچوں کے مابین یہ وقت کس طرح گزرتا ہے۔ ہمیں اس مختلف ثقافتی مہیا رات میں بھی تیار کرنا ہوگا۔ جو اس رشتے کی پاکیزگی کا تقاضا ہیں اور یہ بھی کہ در در کے مشاہدات سے کس طرح کا ظاہر کرتے ہیں ایک سے زیادہ موقع پر والدین اور بچوں کے درمیان یہ خاصیت پوشیدہ صورت میں ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا رشتہ ہے جو ان خواہشات کو ابھرنے کا موقع دیتا ہے جو احتساب سے بچ نکلتی ہیں۔

آئیے سب سے پہلے باپ اور بیٹے کے رشتے پر ایک نظر ڈالیں۔ وہ مقدس جوہم اس رشتے کو احکام عشرہ (Decalogue) کے حوالے سے دیتے ہیں، اس لئے ہمارے اور ان کے کرسمس کی قوت کو کنٹرول کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم شاید ہی کبھی اس شے کا مشاہدہ کرتے ہوں کہ انہوں کی ریرو ترقی یا پچاس (Fifth Commandment) کی عدم عدول کرتی ہے اس طرح نسائی معاشرے کی اعلیٰ ترین سطح اور ادنیٰ سطح پر باپ بیٹے کی رشتے کی پاکیزگی، دوسرے مفاد سے "پر نہیں اٹھتی"۔ وہ غیر واضح معلومات جوہم کو اس پیر (Mythology) سے فراہم کی ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ قدیم نسائی معاشرت کے قصے اور کہانیاں بھی ہیں جو باپ کی جاہل قوت کی ناخوشگوار تصویریں ہیں۔ اور پھر وہ اپنی قوت کو بہت طور پر استعمال بھی کرتا ہے۔ وہ انہوں نے پچھلے کے پچھلے اڑا دیے جیسے بھیڑیا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو چھالتا ہے، وہ یس (Zeus) سے اپنے باپ کو بھی کر دیتا تھا۔ وہ خود کو اس کی جگہ خیران بنالیا تھا، قدیم خاندان میں باپ کی حکومت لامحدود تھی، جوں جوں بیٹوں نے یہ محسوس کیا کہ "وہاں ہونے کے باوجود اس کے دشمن بھی ہیں، تو اب کے دس میں یہ خوش شدت کے ساتھ پیدا ہوئی کہ وہ بھی حاکم بن جائیں اور اس کے سے انہیں باپ کا قتل بھی کرنا پڑنا تھا۔ ہمارے متوسط درجے کے خاندانوں میں بھی والدین اپنے بیٹوں کو آزادی دینے سے انکار کر دیتے ہیں اور ان کے رنج بھی مسدود کر دیتے ہیں اور یوں وہ ان کے اندر وہ خاندانہ جذبات پیدا کرے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، جو پہلے ہی سے اس رشتے میں موجود تھے۔ ایک معائنہ اس حیثیت میں ہوتا ہے کہ وہ یہ دیکھ سکے کہ باپ کی موت پر دکھ کے ساتھ ساتھ بیٹے کو یہ اطمینان بھی ہوتا ہے کہ اب اس کی آزادی آخر کار واپس مل جائے گی۔ ہمارے معاشرے میں مادے والدین (Fathers) بہت بری طرح اس روایت سے چنے ہوئے ہیں کہ وہ خاندان کے واحد نگہبان ہیں اور مرد نگار (Isaen) باپ اور بیٹے کے درمیان وادی کشاکش کو جب واضح کرتا ہے، تو اس سے کبھی تاثر پیدا ہوتا ہے۔

ماں اور بیٹی کے درمیان کشاکش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب لڑکی بڑی ہوئے لگتی ہے اور جیسی آزادی چاہتی ہے مگر خود کو ماں کے چنگل میں پھنسا ہوا محسوس کرتی ہے، مگر اس کے برعکس ماں بیٹی کی بڑھتی ہوئی عمر کو دیکھ کر ڈر جاتی ہے اور سے لگتا ہے کہ اب سے بیٹی

جس کی تشنگی کی خوشی کو حیران کنہا پڑے گا

یہ بات تو سب کی ہنگاموں پر پوری طرح عیاں ہے، مگر اس سے ہماری ان کوششوں میں مدد نہیں ملتی، جس کی مدد سے ہم ان خوابوں کو بیان کر سکیں جس میں والدین کی موت نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کے خوابوں میں بھی جو خود کو والدین کا طاعت گزار محسوس کرتے ہیں اور بچے اس رویے پر پوری طرح قائم ہیں۔ کچھ بچے بحث سے بچیں اس امر کے لیے تیار کیا تھا کہ والدین کی موت کی خوشی کا تعلق بچپن کے رشتہائی سالوں سے ہے۔

یہ مبرہنہ پیدائش سے بہت سے بالاتر ہے، خاص طور پر ان نفسی ندراتی سرایوں میں جو اپنے تجربے کے لیے آتے ہیں، ہم ان سے بچوں کی جتنی خواہشات کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ اس زمانے میں جب ماں حمل کی حالت میں ہو اس کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی تھی۔ بہت کم عمری میں بچی باپ کے بچے لگاؤ محسوس کرے لگتی ہے اور بچے کی خواہشات بچی ماں کے لیے ہوتی ہیں، لہذا باپ بچے کے لیے ایک پریشان کن مقابلہ بن جاتا ہے اور ماں بچی کے لیے۔ قدرتی رجحان یہ ہے کہ عام طور پر مرد کا لانا پانا بچی کے لیے ہوتا ہے اور بیوی بیٹے کی طرف مائل کرتی ہے، اگرچہ وہاں جہاں ان کی فیصلے کی موت جس کی وجہ سے حجاب نکلتا ہوتا ہے، اپنے بچوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ بچے کو اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ باپ طرف مائل کر رہا ہے اور وہ والدین میں سے ایک کے خلاف ہو جاتا ہے مگر وہ اس کو ظاہر نہیں کرتا۔ کسی بالغ کی محبت پر بچے کی ایک خاص ضرورت کی تشنگی ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے اسے ضرور ملتا ہے گا۔ لہذا وہ اپنی جنسی جبلت کے راستے پر چل پڑتا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس رجحان کو بھی قوت ملتی ہے، جو وہ اپنے والدین کے لیے محسوس کرتا ہے خاص طور پر جب اس کے انتخاب اور والدین کے انتخاب میں بھی ایک مطابقت ہو۔

بچپن کی توقعوں کی ان علامات کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تاہم ان میں سے بعض علامات کو بچپن گزر جانے کے بعد بھی قائم رکھا جاتا ہے۔ ایک شخص ماں بچی جس کو میں جانتا تھا، اگر اس کی ماں کو کسی وجہ سے میز سے اٹھنا پڑے، تو اس موقعے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہتی تھی کہ میں اس کی چائیں ہوں۔ میں سب ماں کا کردار ادا کر دے گی کارب کیا کہیں کچھ اور سلا کی ضرورت ہے، بہر حال جو بیٹا ہے لے لو، وغیرہ وغیرہ۔ ایک چار

ساز لڑکی جو بہت سی صلاحیتوں کی مالک تھی جس کے لیے نسبت کا یہ پہلو حاصرہ وضع تھا۔
اعلاں کیا کرتی تھی "ماں اسب جا سکتی ہے، ابو مجھ سے شادی کریں گے اور میں ان کی بیوی
بنوں گی۔" بچے کے اندر اس طرح کی حوشانت کا پیرا بوجھا تاں کے ساتھ س کی لطیف
محبت سے بولی نامطابقت رکھنے والی چیز نہیں ہے۔ مگر ایک چھوٹا لڑکا اپنی ماں کے پہلو میں
سوکتا ہے، جب اس کا باپ گھر سے باہر گیا ہوا ہو، تو اس کو کسی برہمن یا کسی ایسے شخص کے
پاس چھوڑ دیا جاتا ہے جو اس کا چھوٹا بھائی نہیں ہوتا اور جب اس کا باپ آتا ہے تو وہ یہ خواہش
کرن شروع کر دیتا ہے کہ کاش اس کا باپ ہمیشہ ہی باہر رہے، تاکہ اس سے جو تکلیف پتی ماں
کے پاس پہنچتی ہے وہ اس طرح قائم و دائم ہے۔ اس خواہش کی تکمیل کی ایک صورت تو یہ
ہو سکتی ہے کہ اس کا باپ مر جائے۔ یہ تکلیف بچہ اپنے تجربے سے اب یہ تکلیف چکا ہے کہ مرے
ہوئے لوگ داد ابو کی طرح ہمیشہ دور ہی رہتے ہیں، مگر دلچسپی نہیں آتے

اس طرح کے مشاہدات جو چھوٹے بچوں کے حلقے میں کیے جاتے ہیں تو ہماری توجہ
کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہیں، میں نے یہ فرض کیا تھا کہ ان میں وہ مکمل اردو شامل
نہیں ہوتا، جو تحلیل نفسی کے مطابق اس نوعیت کو بچے ہوئے بعد راتی مریضوں میں ہوتا ہے،
پھر بعد میں ہم نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اس طرح کے خواب جواب ہمارے زیر مطالعہ ہیں۔
تحلیل نفسی کے دوران اس حوالے میں آتے ہیں کہ یہ ناممکن ہوتا ہے کہ ال کو درد مند رہے
(Wishful) خواب نہ سمجھا جائے۔

ایک دن میری ایک مریضہ بہت دکھی تھی اور اس کی آنکھیں آسمانوں سے بھری ہوئی
تھیں، "میں نہیں چاہتی کہ بچے رشتے داروں سے دوپارہ ملوں، وہ مجھے بہت پریشان
ہیں۔" بچی بات کو جاری رکھتے ہوئے کسی توقف کے بغیر اس کو اپنا ایک خواب یاد کیا۔
بلاشبہ وہ اس خواب کی معنویت سے بے خبر تھی۔ جب وہ چار برس کی تھی، تو اس سے یہ
خواب دیکھا تھا۔ ایک سیاہ گوش (black) بالومٹی چھت پر چل رہی تھی، پھر کوئی چیز گر پڑی یا
شاید وہی گر پڑی، اور پھر اس کی ماں کا جنازہ گھر سے نکلا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی، میں
سے اس کو بتایا کہ اس خواب کا مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ جب وہ پھوٹی سی بچی تھی تو
اس کے دل میں ماں کو مردہ دیکھنے کی خواہش بیدار ہوئی تھی۔ اور اس خواب ہی کی وجہ سے
اسے یہ خیال ترہا تھا کہ لوگ اس کو بہت پریشان کریں گے، میں نے بھی یہ کہا تھا کہ وہ کچھ

ایک مواد سے آئی جس سے اس خواب پر مزید روشنی ڈالی۔ 'سیاہ گوش' کی ہلکھ مصلاحت میں ایک گام ہے، جو ایک راہ چلتے شریر بچے نے سے دی تھی جب وہ بہت چھوٹی ہوتی تھی۔ جب وہ تین برس کی تھی تو چھت کی اسٹ اس کی ماں کے سر پر مگر کی تھی اور اس میں سے بہت خون بہتا تھا۔

ایک بار مجھے موقع ملا کہ میں ایک نوجوان خاتون کی زندگی کا تفصیلی مطالعہ کروں۔ یہ خاتون بہت سے نفسی حوالوں میں گمراہ تھی۔ اس کی بیماری کا آغاز ایک ابھری ہوئی بے چین کیفیت سے ہوا تھا، جس کے دوران اس نے اپنی ماں کے خلاف خاص نفرت محسوس کی تھی۔ اس سے اسے ابھری تھی اس کو گایاں بھی دن میں جب وہ بستر کے پاس آئی اس سے ماں سے بدسلوکی کی تھی مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی بہن پر بہت مہربان تھی اور اس سے محبت کا برتاؤ کرتی تھی یہ بہن اس سے کئی سال بڑی تھی اس کے بعد اس پر ایک کیفیت طاری ہوئی، وہ قدرے پرسکون تھی مگر کسی حد تک بچی بچی تھی اور اس کی حید حاسی مضطرب تھی۔ اس کیفیت کے دوران ہی میں نے اس کا تجزیہ شروع کیا تھا اور اس کے حوالوں کی تعبیر و تفسیر کی کوشش کی تھی۔ بے شمار خواب ایسے تھے جو کم و بیش کسی اور شخص میں نظر آتے تھے، مگر اس میں اس کی ماں کی موت موجود تھی۔ ایک خواب میں وہ ایک بوڑھی عورت کے چناڑے میں شریک ہوئی تھی، ایک اور میں وہ اور اس کی بہن باقی لباس پہن کر بیٹھی ہوئی تھیں ان حوالوں کی تعبیر کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ جب اس کی حالت مزید خراب ہوئی تو وہ ہسٹریائی خوف (Hysterical Phobia) میں مبتلا ہو گئی۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ ایک خوف تھا کہ کہیں ماں کو کچھ ہو نہ گیا ہو لہذا وہ جدید جدید گمراہی کی طرف چارے پر مجبور تھی جہاں بھی وہ ہو سے گمراہی کی طرف بھاگ پڑتا تھا۔ بچے آپ کو یقین دلانے کے لیے کہ اس کی والدہ بھی زندہ ہے۔ اس کیس کو اگر ان ڈرائنگ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے جو میں بیان کر چکا ہوں تو یہ حاصر سبق آشور نظر آتا ہے۔ اس سے یہ بتایا ہے کہ ایک حیاں کس طرح مختلف رہاؤں میں اپنی مراثی اور پنا اظہار کرتا ہے۔ بھڑکی حالت میں جن میں میراثیں ہے کہ دوسرے نفسی، رائج پیسے سے نارمل غدار میں رہائے گئے محال سے پیدا ہوتے ہیں اور لاشعوری طور پر ماں کے خلاف معاہدہ چہر بات نے کس طرح طاقتور حرکتی (Moiety) ظہار کیا ہے۔ جب وہ سکون کی حالت پیدا ہوتی ہے اور جب بھڑکت

کو بہت حد تک دبا دیا جاتا ہے اور سٹر شپ (Censorship) کی صورت حال پھر سے قائم ہو جاتی ہے، تو وہ واحد صورت جو باقی رہ جاتی اور جس سے اس رشتی کا اظہار کیا جاسکتا ہے اور جس میں ماں کی موت کی خواہش اپنا اظہار پاسکتی ہے صرف خواب ہی ہے۔ جب یہ داخل حالت پہلے سے بھی بھر طور پر قائم ہو جاتی ہے تو پھر اس سے اس کے دس میں ماں کے لیے غلو کی حد تک تشویش پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک طرح کا ہسٹریائی متقابلہ را عمل (Counter-Reaction) ہے اور مدافعتی - منتہر ہے۔ اس کے پیش نظر یہ عداوت کرنا مشکل نہیں رہتا کہ کس ہسٹریا کی مریض لڑکیاں اپنی ماں سے اکثر بہت زیادہ تعلق محسوس کرتی ہیں اور ماں سے بہت زیادہ محبت کا اظہار بھی کرتی ہیں۔

ایک اور موقع پر مجھے ایک لوجون کے لاشعور میں مگر ای ٹک دیکھے کا سہریں موقع ملا۔ اس کی زندگی کو ایک ملوئے دہم (Obsession) نے تقریباً ناممکن بنا دیا تھا۔ وہ سب پر جانیں لگتا تھا، کیونکہ اسے یہ وہم تھا کہ وہ جس کو ملے گا اس کو مار ڈالے گا۔ اس نے موقع سے اپنی عدم موجودگی کی شہادت تیار کر کے میں کئی دن لگا دیے، کیونکہ سے لڑتا کہ وہ اس قتل میں پڑا جائے گا جو اس کے قہر میں حال ہی میں ہو ہے۔ یہ بتائے ن شاید صورت نہیں ہے کہ وہ بہت پڑھا لکھا ہوئے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ طور پر بھی بندہ کرو تھا۔ اس کے اس پریشان رویہ والے جذب کی وجہ سے اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے مہارت سبک دل باپ کو قتل کر دے۔ اس کی اس خواہش سے حیرت انگیز طور پر سات سال کی عمر میں شعوری طور پر اپنا اظہار کیا تھا، مگر اس خواہش کا آغاز اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس کے باپ کی تکلیف دہ چادری اور موت کے بعد اس کے دس میں تاسف کے جذبات تیزی سے پیدا ہوئے تھے اور اس تاسف میں اس کا جذب بھی شامل تھا۔ وہ اس وقت 39 برس کا تھا، جب یہ احساس ایک خوف کی صورت اختیار کر گیا اور جیبوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کی چوٹی سے اپنے والد کو دھکا دے سکتا ہے تو پھر اس پر یہ اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اس پر رحم کرے گا جو اس کے اچھے نزدیک بھی نہیں ہیں لہذا وہ حق بجانب تھا کہ اس نے خود کو ایک کمرے کے اندر قید کر لیا تھا۔

میر سے تجربے میں، جو پہلے ہی خاصہ دستخ ہو چکا ہے، یہ بات آئی ہے کہ وہ تمام بچے جو بعد میں ذاتی امراض کا شکار ہوتے ہیں، اس کی قریبی زندگی میں ان کے والدین بہت

زیادہ کر دیا کرتے ہیں۔ والدین میں سے ایک کے ساتھ محبت کا رشتہ رکھنا اور دوسرے کے ساتھ نفرت کرنا ان کی طبیعت میں سے ایک ہے، جن کا تعلق بہت سے نفسی محرکات سے ہوتا ہے، جو اس وقت تک نہیں پاتے ہیں اور ان کو بعد میں ظاہر ہونے والے عیوب کی علامات کے حوالے سے بہت ہییت حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال یہ خیال یہ نہیں ہے کہ نفسی مریض اس معاملے میں دوسرے عام سانوں سے بہت زیادہ مختلف ہیں، جہیں نارمل کہا جاتا ہے اور وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ کوئی نئی شے تکمیل دے سکیں، جو ان کے لیے ہی خاص ہو۔ اس بات کا کہیں زیادہ امکان ہے اور نارمل بچوں کے مشاہدات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ بھی بڑے پیمانے پر ایسے احساسات کا اظہار کرتے ہیں، جن میں والدین کے ساتھ محبت اور نفرت پائی جاتی ہے اگرچہ وہ ظاہری طور پر عیسوی ہوتی نہیں اور بہت سے بچوں کے ذہنوں میں اس کی شدت بھی زیادہ نہیں ہوتی۔

اس دریافت کی تصدیق ایک قصے سے بھی ہوتی ہے، جو قدیم کلاسیک کے حوالے سے ہم تک پہنچا ہے۔ یہ ایک ایسا قصہ ہے (Legend) جس کی شاندار و درہم گیر قوت کو بھنا ہوا مشکل نہیں ہے، اگر یہ قلم رسیا جائے کہ جو کچھ میں بچوں کی ذہنی حالت کے بارے میں کہتا ہوں وہ درست ہے، اور اس کی چھائی بھی ایسی ہی پاسداریا ہوتی ہے، جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ بادشاہ ایڈیپس (Oedipus) کا قصہ اور سوفوکلیس (Sophocles) کا نام۔ یہ ہے، جس کا نام بھی یڈیپس نہیں ہے۔

ایڈیپس تھیبس کے بادشاہ لائیوس (Laius) اور ملکہ یوکاسٹ کا بیٹا تھا، اس کو بچپن ہی میں ایک پریشانی کا سامنا ہوا۔ کیونکہ ایک عینی آواز (Oracle) کے درمیانے نامیں کو جو دریا گیا تھا کہ پید ہوئے والا بچہ اپنے باپ کا قاتل ہوگا۔ بچے کو جنگل میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن اس بچے کو چالیا گیا اور کسی اور دربار میں خیمہ اوسے کے طور پر ہی اس کی پرورش ہوئی۔ اسے بچے آہواہد کی کچھ خبر تھی۔ اس کو بھی بھی آواز نے جبراً کر دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر کے اپنی ماں سے شادی کرے گا اور یہی اس کا مقدر ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ وہ اس سے گریز کرے۔ ایک ایسی وہ گزر پر جس کے بارے میں اس کو یقین تھا کہ اس گھر کی طرف نہیں جاتی وہ بادشاہ لائیوس سے ملے، اور ایک لڑکی میں اس سے بادشاہ کو قتل کر دیا، اس کے بعد وہ تھیبس میں آیا اور سلفکس کی بیٹی کو اس سے بوجھ لیا اور یہی اس کے راستے کی

رکاوٹ تھی قصیر کے ہاشموں سے شکرگرہ ہو کر اس کو بادشاہ بنادیا۔ اور یوگاٹ سے اس کی شادی کر دی۔ اس نے طویل مدت تک سکون اور دھڑکے کے ساتھ بادشاہت کی۔ اس کی جو ملکہ تھی اسے معلوم تھا کہ وہ اس کی ماں بھی ہے اس کے بطن سے اس کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ پھر آخر کار وہاں طاعون پھیل گیا اور ایک بار پھر بھی آوار کے ہارے میں قصیر والوں سے معلومات جمع کیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے سوفو کھیر کے ایسے کا آغاز ہوتا ہے۔ بیٹا ہر یہ پیام لایا کہ یہ بیگ اس وقت ختم ہوگا جب لائیکس کے قاتل کو اس مرد شکن سے نکال باہر کیا جائے۔

وہ کون ہے، وہ کہاں ہے؟ اور کہاں سے پڑھا جائے گا۔

اس کے پائے گناہوں کا مسودہ جواب دہندہ لاہو گیا ہے۔

اس بھیس کا سارا ایکس راز بھلنے کے عمل پر مشتمل ہے اور اس میں بڑی دیکاری کے ساتھ پوشیدہ مقام رکھے گئے ہیں جو پٹی ناخبر کی بنا پر جوش و خروش پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ عمل ہے جو تبدیل نفس کے مدد کار فرما ہوتا ہے۔ خود ایلی ہی لائیکس کا قاتل ہے اور دوسری بات کہ وہ مقتول کا بیٹا بھی ہے اور اس کی ماں کا بیٹا ہے۔ وہ اس قدرت کی بظاہر سے خوفزدہ تھا جو اس نے اس سے اپنے خلاف پیدا کر دی تھی۔ یلی ہی اپنے آپ کو اندھا کر رہا ہے اور گھمبوز رہتا ہے اور یوں یہ بھی بیٹس کوئی پوری ہو جاتی ہے۔

ایلی ہی ریکس کو قیامت کا ایسا کہا جاتا ہے۔ اس ایلی کا تاثر خدا کے اس ارادے اور اس کی اس کوشش کے درمیان ہے، جو وہ شر سے محفوظ رہنے کے لیے کرتا ہے۔ جو حق اس لیے کے مطالعے کے بعد یاد رکھنے کے بعد قاری یا ناظر محسوس کرتا ہے۔ یہ ہے کہ وہ خدا کی دعا پر راضی رہے اور یہ عداوت سے کہ جو اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ جدید ایلی نگاروں نے کوئی ایسا ہی تاثر ان دو چٹانوں کے امتزاج سے پیدا کرنے کی کوشش کی جو ان کے تخلیق کردہ تھے مگر ناظر اس سے متاثر نہیں ہونے جیکہ بھی آفت پلیدی ہوں اور یہ بھی کچھ ایک معصوم شخص کی کوششوں کے باوجود وقوع پذیر ہوا۔ بعد میں اسے دے قسمت سے متعلق ایسے ہی تاثر پیدا کر سکے۔

ایلی ہی ریکس کے لیے یہ جدید عہد کے ناظرین کو بھی اس طرح متاثر کیا جس طرح اس سے ہم عصر یونانیوں کو متاثر کیا تھا۔ اس کی شخصیت کی ہی تشریح ممکن ہے کہ اس کا

گہرا تاثر تقدیر اور انسانی دروازے کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج نہیں ہے۔ بلکہ اس کا جوہر اس مواد میں تلاش رہتا ہے گا جس پر اس تصادف کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ کوئی تو یہی شے ضرور ہوگی جو ہمارے اندر کی آواز کو بیرونی دنیا کی قدر قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے، ممکن ہے ہم سے ایک معمولی شے سمجھ کر نظر انداز کر دیں، جیسا کہ ہم نئے لیموں کے سلسلے میں آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں، اور ایسا کوئی معاملہ شاید بادشاہ یونان کے ساتھ بھی ہے۔ اس کی قسمت پر ہم صرف اس سے امیدوار ہوتے ہیں کیونکہ یہی ہمارا مقدر بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ غیب سے یہی قسمت ہم پر بھی مسلط کی ہے اور یہ واقعہ ہماری پیدائش سے پہلے ہی ہو گیا ہے، یہی ہم سب کا مقدر ہے کہ ہم اپنی جیسی تحریک کا رخ ماں کی طرف رکھیں اور ہماری جنگی طوشت اور قلل کرے کی خواہش، باپ کے ساتھ متعلق ہو، ہمارے خوب یہ ثابت کرتے ہیں کہ معاملہ ایسا ہی ہے، بادشاہ ایڈی ہنس جس سے اپنے باپ سے رائیں کو قتل کر دیا تھا اور اپنی ماں پر کاسا سے شادی کر لی تھی، صرف ہم پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ہماری بچپن کی خواہشات کی تکمیل ہے۔ مگر ہم اس معاملے میں اس سے کہیں زیادہ حوش قسمت ہیں اور ہماری کامیابی یہ ہے کہ ابھی واپسی مریمیں نہیں ہوئے، اگرچہ ہم نے اپنی جیسی تحریک کا تعلق اپنی ماں سے منقطع بھی نہیں کیا اور نہ ہی ہم سے اپنے والد سے نفرت کو فراموش کیا ہے۔ ایک شخص یہ بھی ہے جس میں ہمارے بچپن کی خواہشات سے مکمل تشکی حاصل کرنی ہے اور ہم نے اپنے بطن (Repression) کی پوری قوت کو جس کے تحت وہ خواہشات بچپن سے سے کراہ تک رہا کرتی تھیں، رائیں بھی نہیں کیا، مگر شاعر جو کہ ہمارے ماضی سے لاپرواہ ہے، وہ یڈی ہنس کے گناہ کو سامنے لاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم بھی اپنے دہشوں کے مددگار بن کر دیکھیں کہ ان کے اندر بھی وہی محرکات موجود ہیں مگرچہ وہ بہت بڑی طرح دبائے جاتے ہیں۔ وہ تضاد جو ذرا سے کے آخری کورس میں بیان کیا گیا ہے ہمیں اس کا سامنا کرے پر مجبور کرتا ہے۔

اے، یڈی ہنس، اپنی آنکھوں پر غور کر

جس نے اس تاریک چیتان کو حل کیا، جو سب سے بہتر ساتھی ہیں

اور سب سے زیادہ وہ حکمت والی ہیں۔

ایک ستارے کی طرح اس کی کامل رفعت صلاحیت دور و نزدیک

چمک رہی ہے

اب وہ غم کے سمندر میں ادب گیا اور اسے ایک

چمکتی ہوئی لہر پہنچے رہے گئی

یوں لگتا ہے جیسے ہمیں خبردار کیا جا رہا ہے اور ہمارے خیر کو روکنا جا رہا ہے، وہ جو ہماری
ہی آنکھوں کے سامنے اس قدر عقل والا اور طاقتور ہو گیا ہے۔ ایڈی پس کی طرح ہم ان
خواہشات کے طے سے ہمیر نہ کی گزرتے ہیں، وہ خواہش جو حلقی طور پر بہت نازیدہ ہیں،
جو قدرت نے زبردستی ہم پر لا دی ہیں اور ان کے انکشاف کے بعد ہم سب کے سب شاید
اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ ہم اپنے بچپن کو نہ دیکھ پائیں۔

سوڈا کیر کے ڈرامے کے متن کے امداد ہی، ایک ایسا اشارہ موجود ہے، جس میں بلاشبہ
یہ شادی کی گئی ہے کہ۔ یڈی پس کی کہانی کسی قدیم خوابی مواد سے بھری تھی جس کا مواد
اس پریشان کردینے والے رشتے سے متعلق تھا، جو بچہ پہ والدین کے سلسلے میں محسوس کرنا
ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اس کا آغاز جیسی بیداری کے دائل سے ہوتا ہے۔ ایک
ایسے مقام پر جہاں یڈی پس، گرچہ وہ ابھی چوری طرح آگاہ نہیں ہے، مگر اس سے اپنی
پاداش کو دہرتے ہوئے اس بھی معاملے کے سلسلے میں پریشان ہونا شروع کر دیا۔ یو کاٹ
اس کو ایک خوب کا حوالہ دے کر جبلا سے کی کوشش کرتی ہے اور ساتھ وہ یہ بھی سوچتی ہے کہ
اس کے کوئی معافی نہیں ہیں۔

بہت سے لوگ غلطی سے سوچتے ہیں کہ اپنے خوابوں میں

وہ اس کے ساتھ سوئے ہیں جس نے انہیں پیدا کیا تھا۔

وہ سب سے کم پریشان ہوتا ہے

جو بچے ذہن کو اپنا تعمیر دہ سے پریشان ہونے نہیں دیتا۔

آج بھی اس زمانے کی طرح بہت سے لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ جنسی تعلقات کے
خواب دیکھتے ہیں اور اس کا ذکر بہت ناراضگی و حسرت سے کرتے ہیں، وضع طور پر اس
ایسے کی کلید ہے اور اس خواب ہی کی تلافی کا ایک حصہ ہے، جس میں وہ باپ کو مرے
ہوئے دیکھتا ہے۔ ایڈی پس کی کہانی ایک خیالی مدخل ہے ان دو خصوصیات پر مبنی۔ جب
یہ خوب باج لوگ دیکھتے ہیں تو اس کے دس میں ناپسندیدگی کے احساسات پیدا ہوتے ہیں

اگر یہ ضروری ہے کہ ان قصوں میں خوف اور خود الخوف کے جذبات موجود ہوں، اس کے اندر مزید تبدیلی مور کی نظر ثانی کے بارے میں غلط تاثرات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو اس کی دینیاتی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ کوشش کی کسی طرح اہمیتی ہم گیری کو امیابی دے رہی کے ساتھ ہم تنہا کر دیا جائے مگر قدرتی طور پر وہ اس موضوع کے تعلق میں ناکام ہوتی ہے اور یہی معاملہ دوسرے موضوعات کا بھی ہے۔

ایک در عظیم تخلیق شاعر پیٹر کی میانی مین عین کا شاہکار ہملت (Hamlet) ہے جس کی تجزیہ بھی اسی زمیں میں ہیں، جس میں ایڈری ہنس دیکس کی ہیں، لیکن اس ایک مواد کے سلسلے میں مور کا مکمل طور پر جد گاہ استعمال دو تہہ بچوں کے درمیان بہت زیادہ نقادیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، یہ اعلان کی اسوں جذباتی رنگی میں میر مدنی پیش قدمی ہے، یڈن ہنس کے اندر بچے کی آرزو متبادل قیاس (Phantasy) جو اس کی بنیاد ہے، اس سے علی ہر کیا اور یہ اندازہ کیا کہ گویا یہ ایک خواب ہے۔ ہملت میں اعلان کی کیفیت قائم رہی ہے اور جیسے کہ نیوروس میں ہوتا ہے بالکل ویسے ہی۔ ہم اس کے ہونے کو اس کے بعد کے دباؤ کے شکار واقعات سے معلوم کرتے ہیں، حیرت کی پابندی یہ ہے کہ جدید طریقے نے جو تاثرات زیادہ گہرائی میں پیدا کیے ہیں، وہ اس حقیقت سے مطابقت رکھتے ہیں کہ لوگ ہیرو کے کردار کے بارے میں عمل تیار کی میں سچے ہیں۔ کھیل کو ہملت کی اس چنگچا ہمت کی بنیاد پر آگے بڑھایا گیا ہے کہ وہ بنا نظام نہیں ہے پاتا درمیانی طرف اسے تفریق کیا گیا ہے مگر اس کے متن میں اس چنگچا ہمت ناکوں عموماً جوڑا نہیں ہے در ان محرکات کو سمجھنے کی بے شمار کوششیں ناکامیاب ہو چکی ہیں۔ وہ نقطہ نظر جو اس سلسلہ میں گوٹے (Goethe) سے متعارف کر دیا تھا، آج بھی اس کا روانہ ہے۔ ہملت اسوں کے اس گروہ کا نمائندہ ہے جس میں سیدھا عمل کرنے کی قوت راکل ہو چکی ہے اور اس کی وجہ اس کا بہت زیادہ عقلی رویہ ہے (وہ بیمار ہے۔ در اس کی وجہ اس کے اندر وہ خیالات ہیں) ایک نقطہ نظر کے مطابق ڈر مرگازے اس بیماری کی علامت والے ایک کردار کو متعارف کر دیا ہے، جو کو اعصابی مریض (Neurotic) کہنا مناسب ہوگا۔ ڈرامے کا پلاٹ ہمیں یہ بتاتا ہے۔ ہملت ایسا کردار ہو مگر نہیں ہے جو عمل دیرا ہو نہ کی صداقت سے عاری ہو، ہم اسے دو موقوں پر باطل رکھتے ہیں، ایک تو جب سے اچانک شدید غصہ آجاتا ہے۔ یا جب وہ پردے (Act) کے پیچھے

چھپ کر سن گن بیٹا ہے، اور ٹالیا چنبہ وہ بہت چالاکی کے ساتھ نکالا جائے (Renaissance) کے شہزادے کی طرح ان درباریوں کو موت دیتا ہے جو اس کی موت کا سہارا کر رہے ہوتے ہیں۔ تو پھر وہ کیا چیز ہے جو اسے وہ کام انجام دیتے نہیں دیتی، جو اس کے باپ کی پرچھائیں (Ghost) اس کے دے لگا رہے ہیں اس کا خواب ایک بار بھر یہ ہے کہ یہ اس کام کی حامل نوعیت ہے، صحت کچھ بھی کر سکتا ہے، مگر اس سانس سے وہ نہیں لے سکتا جیسا کہ اس کے باپ کو بھانپنے لگا اور اس کی ماں کے ساتھ اس کے باپ کی جگہ لے لی، وہ آدمی، جو اس کی بی بی ہوئی جو ہمیں جس کا تعلق بچپن کے ساتھ ہے، پوری کر کے کا راستہ دکھاتا ہے ہند وہ شہید خواہش جو اسے انتقام کی طرف لے جانے والی تھی، خود اسے کارسہ اختیار کر رہی ہے، اور اس کا ضمیر اس کو مدامت کرے لگ جاتا ہے، پھر اس کو یاد آتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی اس گڑبگڑ سے بھر نہیں ہے، جسے سزا ملتی ہے، یہاں میں سے اس بات کو شعوری سطح پر بیان کر دیا ہے، جو ہمسط کے دہن میں تھی، مگر لاشعوری سطح پر تھی، اور اگر بوٹی اس کو ہسٹریا کا مریض قرار دیتا چاہے، تو میں صرف اس قدر بولوں کہ اس کا جو کہ توجیہ کے غرض موجود ہے، پھر صحت جب اوپھلیا (Ophelia) کے ساتھ جیسی حدود کی بارے میں گفتگو کرتا ہے وہ بھی اس حوالے سے ایک موزونیت کی حامل ہے اور وہی حدود کی جس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ آئے دسلے برسوں میں شاعر کے دہس پر مسط ہوئی چلی جائے وہ پھر Timon of Athens میں اپنے مال کو بھٹکی جاتی ہے، کیونکہ یہ صرف شاعر کا پناہ نہیں ہو سکتا ہے، جس کا سامنا ہم ہمسط میں کرتے ہیں، میں نے جارج برنڈیس (George Brandes) (1866ء) کی ٹیکسٹ کے بارے میں لکھی ہوئی ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ہمسط، ٹیکسٹر نے اپنے باپ کی وفات کے فوراً بعد لکھا تھا (1860ء) یعنی وہ بھی سوگ کی حالت سے باہر بھی نہیں آیا تھا اور ہم چھی طرح دہس کر سکتے ہیں کہ بچپن میں والد کے ہارے میں اس کے خیالات کیا ہوں گے، اور وہ اس کی موت پر تازہ ہو گئے ہوں گے۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ٹیکسٹر کا وہ پٹا جو بہت چھوٹی سی عمر میں مر گیا تھا، اس کا نام ہمسط (Hamlet) تھا یہ نام ہمسط سے بہت زیادہ مماثلت رکھتا ہے، جس طرح ہمسط کا تعلق اپنے کے والدین سے تعلقات سے ہے ویسا ہی معاملہ میکبیتھ Macbeth کا بھی ہے۔ (وہ بھی تقریباً اس دہے کی تخلیق ہے) اس کا تعلق ہے اولاد

ہوئے سے ہے، مگر جس طرح کہ تمام لیورائی علامات جو خواب میں ظاہر ہوتی ہیں یہ رجحان رکھتی ہیں کہ اس کی توجہ کو بڑھا چڑھا دیا جائے اور پوری تعلیم کے لیے اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے، چنانچہ صحیح معنوں میں تخلیقی تحریریں ایک سے زیادہ حرکات سے جنم لیتی ہیں، جو شاعر کے ذہن میں ہوتے ہیں اور ان کی ایک سے زیادہ توجیہات کی جاسکتی ہیں، جو کچھ میں نے لکھا ہے میں نے تخلیقی نگاروں کے ذہن کے اندر محنت ترین تحریکات تک پہنچ کر توجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔^{۱۱}

حواشی

۱۔ ڈی ایچ بی حاشیہ ۱۹۸۱ء میں اضافہ کیا گیا، سال ۱۹۸۰ء میں جنس کا ہائپر (Hans) جو فریڈ کا ۱۹۵۹ء میں نے جنس کی پیمائش پر مشورہ کیا تھا اور اس وقت اس کو لکھنے کی خواہش کی وجہ سے بخارنگی تھا "مجھے جنس نہیں چاہیے" اس دور کے دور میں اس نے بڑی بے تعلقی سے تعلیم کی تھا کہ اس کی ماں بچی کو ہاتھ میں پھینک دے تاکہ وہ سر جیسے اس کے ساتھ ہی ہائپر ایک شہیت کا محبت کرنے والا بچہ تھا اور وہ جلد ہی اپنی بہن کو چھوڑنے لگا اور وہ خاص طور پر اسے سپنڈاؤں میں پھیلتے کانٹیل کھاتا تھا۔

۲۔ (پیرلٹ نوٹس ۱۹۸۶ء میں شامل کیا گیا) وہ اساتذہ اس عمر میں ہوتی ہیں، عامان میں جلد ہی فراوانی کر دی جاتی ہیں مگر تخلیق نفس کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ یہ بعد میں ظاہر ہوئے والے دور میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

۳۔ سیرب حاشیہ ۱۹۸۶ء میں شامل کیا گیا، جب اسے لکھا گیا تھا "بہتر سے مضبوطی ہے" ہیں اس کے علاوہ تخلیق نفس کے نظریے میں بہت سا ایسا مواد شائع ہو گیا ہے جو یہ بتاتا ہے بچے شروع ہونے سے اپنے بھائی اور بہن کے ساتھ ساتھ والدین میں سے ایک ساتھ بھی بہت سا امانہ دے دیتے تھے۔ سوشل پینڈ کے ایک شاعر سٹار (Spiller) خاص طور پر ایک درمیانہ نگرانی جان دیتے ہیں اس میں اس سے اپنے بچپن کی بات کی ہے۔ وہ کہتا ہے "ایک اور (Farrado) بھی موجود تھا۔ ایک ننھی سی مخلوق جسے وہ میرا بھائی کہتے تھے مگر میری نگاہ میں نہیں آتا کہ اس کا نام کیا ہے اور پھر یہ بھی کہ وہ میرے اور اس کے متعلق مجھے پریشان کیا ہیں۔ میرے لیے میرا بھائی ہی کان تھا۔ مجھے بھائی کی ضرورت کیوں پڑتی؟ اور وہ صرف خالق ہی نہیں تھا بلکہ وہ میرے "اسے" کی روح اور بھی تھا۔ جب میں اپنی دادی سے پوچھتا تھا "تو اسے بھی یاد کرنا یاد آ جاتا اور جب مجھے پورنوبل (Pernobles) پر پڑا ہر سے یاد آتا تو وہ میرے سامنے عین جاتا اور آؤں جگہ کھیر دیتا۔ "نہر" ہم یہاں سے گزرتے اور شروع کر دیتے۔

۴۔ (پیرلٹ نوٹس ۱۹۸۶ء میں اضافہ کیا گیا) چھوٹا ہائپر جنس کا تھا اس نے اپنی بہن پر ان الفاظ میں سخت تنقید کی۔ چونکہ اس کے والد میں دانتہ نہیں ہیں لہذا وہ اس کا نقل نہیں ہے کہ میں تھے۔

۵۔ ڈی ایچ بی حاشیہ ۱۹۸۶ء میں اضافہ کیا گیا، میں یہ سن کر ششدر رہ گیا جب ایک دن سال بچے سے پچ والہ کی چائیکسٹ پڑی بات لی، مجھے معلوم ہے میرا باپ مر گیا ہے مگر جو بات میری نگاہ میں آئی وہ یہ ہے کہ وہ بات کہہ کھانے کے لیے مگر کہیں نہیں آیا۔" (پیرلٹ ۱۹۸۶ء میں اضافہ کیا گیا) اس کے بارے میں کچھ اور مواد

(1912-21) کے درمیان کے زمانے میں ایمگو (Imago) کی سائنس جلد میں موجود ہے اس کا عنوان ہے بچے کے ذہن کی صحیح فطرت (The True Nature of the Child Mind) اس کے مدیر ڈاکٹر ونگ وان کمپ ان موتھ (Franz Dr. H. Von Hug-Hellmuth)۔

۲ (یہ دوسرا حاشیہ ۱۹۱۵ء میں شامل ہے) یہ مشاہیر اندرین میں سے ایک کا ہے جس کو کھیل نفس کا مطالعہ تھا پھر اس نے بچی کی چار سالہ زندگی میں بچی کو ایک ایسے ماحول میں دیکھا تھا جہاں وہ بچے کے اور سر پرانے کے درمیان امتیاز کرنے کے عمل میں تھی۔ بچی کھانے کے دوران تک کر رہی تھی اس نے ایک نوکران کو ایک ایسی برائیاں گاہ میں دیکھا تھا جہاں وہ ٹھہرتے ہوئے تھے وہ نوکران کی دست بہط عورت سے رکھ رہی تھی۔ میری خواہش ہے کہ ”جو بچہ ۳۰“ نے یہ بات بچی کے باپ کو بتائی تھی مگر ”میرے کیوں“ اس کے باپ نے عمارت سے کہا تھا کیا یہ کافی نہیں ہوگا کہ وہ یہی جانتے۔ بچی کے حجاب ولب ”میں اس طرح تو وہ بھر رہی ہیں“ جانتے گی۔ ”بچوں کے اندر ان کی بچی ذات سے محبت (فرسٹ) یہ اجازت نہیں دیتی کہ کوئی عمل انکار ہو اور اس کے احساسات کا سامنا کر لے ہیں کہ نوکران کو جرم کی ایسی عزا دی جانتے جس میں کوئی حد پائی ہو۔ یہ (جیسا کہ (Dracoonism) حاشیہ میں دیکھا ہے)۔

۳۔ فرانٹز نے بالفور کے اس وسیع کے بارے میں اپنی کتاب ٹوٹم اینڈ ٹیبو (Totem and Taboo) کے دوسرے باب میں بحث کی ہے (1912-13) پھر کے ایک مضمون (The Three Dark) (1913) (۱۹۱۳) میں بحث ہے Thoughts on war and Death کے دوسرے حصے میں اس پر بحث موجود ہے۔
۴۔ یہ صورت حال میرے آپ کو مزاحمتی و فرائض و فرائض و فرائض سے غائب دیکھنے والا ضرور محسوس کرتا ہے یہ ایک انسانی کمال ہے کیونکہ اس میں ان والدین کے کھو جانے کا فائدہ موجود ہے جن سے وہ محبت کرتے ہیں۔

۵۔ یہ دوسرا حاشیہ ۱۹۱۵ء میں اضافہ کئے گئے) بعض اسرائیل کے عمارت سے نکلنے والی بچی تو قبلہ دوسرے کہے ہیں کہ ”کلی (Emigration) کے بعد اس نے اپنے باپ پر فرائض (Lenses) کی کی تھی۔ (اس پر ایک بحث) یہ دیکھنے کی تکلیف The psychopathology of every day میں موجود ہے۔ اس پر کچھ اور (Ollonen) نے بھی کیا تھا۔ پھر یہ نے اس پر کچھ مدد کی اپنی کتاب Totem and Taboo میں دی گئی ہے۔ ۱۰ ۱۱ ۱۲ ۱۳

۱۱۔ (یہ دوسرا حاشیہ ۱۹۱۲ء میں چھاپا گیا) تحلیل نفس کی دریافتوں میں سے کوئی اور ایسی نہیں جس کا اس شہرہ و شہرت کے ساتھ کیا گیا ہو اس کی درست مخالفت ہوتی ہے، وہ بہت سی دلچسپ خریدائے گئے۔ فلاسوں نے بچوں کے اندر لاشعوری سطح پر پہنے والی (Imago) کی فرائض کے بارے میں کئی کئی حاسر فرمائی کی، حال ہی میں کوشش کی گئی ہے کہ تمام شہرہ کی موجودگی اس اسٹ کو محض ایک علاقائی مظہر سمجھا جائے۔ فریڈ (Freud) نے (1913) یہ تجویز کیا تھا کہ ایلیس ہنس کی مضمون (Nativity) کو ضرورت سے زیادہ تجویزاتی عمل میں سے گزرا دیا ہے یہ (Schopenhauer) کے ایک خط پر مبنی ہے (1914) میں مار یو گیا (یہ کے مطالعات پر مبنی کرتے ہیں کہ ایلیس ہنس کی مضمون (Completion) میں نکال دیا۔ روبرٹ فریڈ (Interpretation of Dreams) کے فکروں والا ہرگز کتب میں چھپی بار آیا تھا وہ انسانی عمل کی تاریخ کی اس اہمیت پر مبنی دانتے ہیں جن کے بارے

میں خوب میں بھی سوچا نہیں گیا تھا اور اس سے نہ سب اور اخلاقیات کے بھی بہت سے گوشے واضح ہو جاتے ہیں (ملاحظہ کریں میری کتاب لڑکھڑکھ اور 1920ء۔ 1925ء۔ حقیقت میں ایڈیٹنگ میں کپکپکس اور ایڈیٹنگ میں ریکس کے بارے میں گفتگو کے ساتھ ساتھ ہمنٹ (Hamlet) کے نفس معنوں پر بھی روشنی ڈالتی ہے اسے فرائیڈ نے ایک لفظ کے ذریعے جو فلیس (Phoebe) کو 15 اکتوبر 1887ء کو لکھا گیا تھا، واضح کر دی ہے۔ (ملاحظہ کریں، فرائیڈ کے خطوط 1950ء نمبر 7) اس سے پہلے ایڈیٹنگ میں کپکپکس کے بارے میں فرائیڈ کا ایک خط 29 جنوری 1887ء بھی موجود ہے اصطلاح کے طور پر ایڈیٹنگ میں کپکپکس دیکھیں یہی صحت پر اس کی شائع شدہ تحریروں میں صحت کی نفسیات سے ملنے میں پانچویں نمبر (Contributions to the Psychology of 1910) میں ہے۔

(نومبر 1920ء میں اتفاق کیا گیا) اور بیان کی گئی تحلیل نفسی کی وضاحت بعد میں ارنسٹ ہرن (Ernest Jones) سے جاس میسز نظر سے کی اور سب سے معنوں میں بچوں کی گئی وضاحتوں کے مطابق ماضیت کی۔ یہ بہر حال خیال رکھیے گا کہ اس دوران میں، مجھ سے اس بات پر یقینی کرنا چھوڑ دیا ہے کہ چیک پیٹر کی تحریروں کا خالق سٹریٹ فورڈ (Stratford) میں رہنے والا آدمی تھا (1830ء) کنگھم کی ایک اور وجہ میں 1818ء میں کی اور ایک میں جیکس (James) میں ن اس وقت کا پہلا نمبر 20ء میں شامل یا کیا گیا تھا۔ میں نکال دیا گیا جو خیال صحت کے مسئلے پر دوپے کے دورے میں ظاہر کیا گیا تھا، اس کی تصدیق بھی ہوئی اور نوڈل کے ڈاکٹر ارنسٹ ہرن نے اس کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اس پر کچھ نئے استدلال بھی کیے۔ اس سے ہرن کے صحت کے موازنہ اور آئو ریٹک کی میری پیشکش کے بارے میں اسامیر کا سا اندازہ بھی کیا (1900ء) پھر فرائیڈ ہمنٹ کو چنے جانے میں، جس کا عنوان Psychopaths Characters on Stage تھا، فریڈ ہمنٹ لایڈ یہ معنوں اس کی موت کے بعد شائع ہوا (1905ء، 208ء میں لکھا گیا تھا)

☆☆☆

برٹرینڈ رسل (Bertrand Russel)

پروفیسر رسل (1970-1972) برطانوی فلسفی تھے اور اس کا سب سے بڑا کام (1910-13) *Principia Mathematica* ہے جو اس نے اے این وائٹ ہیڈ (A.N. Whitehead) کے اشتراک سے کیا اس میں اسہولے منطق کی بنیاد ریاضی کو بنا دیا۔ پھر اس نے 1914ء میں *Our Knowledge of the External World* لکھی اور اس میں اس نے باہرہ طبیعیات کو منطق میں دوس پر اتارا کیا۔

اس نے بہت لکھا، بہت سے موضوعات پر لکھا ان موضوعات میں مذہب، سیاست اور اخلاقیات بھی شامل ہیں۔ 1908ء میں اسے اپنے نظریات کی وجہ سے جیل جانا پڑا اور اس کے ساتھ ہی اس کی نیمہ راج پورٹی کی پیکچر شپ بھی چلتی رہی۔ پھر اس کے اخلاقی نظریات کی بنا پر اسے امریکی عدالت سے پوریارک کی پروفیسر شپ سے بھی فارغ کر دیا۔ پھر 1961ء میں دو ہیکٹر روز کو بند کر کے مسئلے میں حقائق کرتا ہو ایک بار پھر جیل چلا گیا۔ 1949ء میں اس کو وائٹ (QM) اور 1950ء میں نوبل انعام دیا گیا دو رنگی بھر محبت بانٹا رہا، علم کی جستجو کرتا رہا اور اس سہیت کو پچانے کی کوششوں میں سرگرداں رہا۔

برٹریڈ رسل

”ہمیں سائنس سے محفوظ رکھنے والی سائنس“

سترھویں صدی کے آغاز سے سائنس دریا فوں اور بچاوت میں بڑی تیزی کے ساتھ مسلسل اعداد اور ہا ہے، اس حقیقت سے بچنے سازھے تین سو برس کو ماضی کے تمام دور سے بالکل ہی مختلف کر دیا ہے۔ پنے ماضی سے ہمیں الگ کر دینے والی یہ خلق سسل درسل بڑھتی چلی گئی ہے اور اس کے بعد ہر عشرے میں تبدیلیاں آئی ہیں۔ ایک سو پنے بچنے وال شخص جب اس بات پر غور کرتا ہے کہ سہ لبتا (Trilobites) ڈائنوسور (Dinosaur) اور ماموت (Mammoth) صلی ہستی سے معدوم ہو گئے تو اس کے اس میں بہت سے پریشاں کر دینے والے سوال ٹھٹے ہیں۔ کیا ہماری تو (Species) اس قابل ہے کہ وہ اس تیز رفتار تبدیلی کو برداشت کر سکے؟ وہ عادات جن کی وجہ سے ہم مقابلہ، زیادہ پرستقار ماضی میں رہنا نہ سکے ہیں، کیا اب بھی اس قابل ہیں کہ ہمارے زمانے کے اشکال بین (Kaleidoscope) منظر نامے میں ہماری بلا کی شناخت نہ کیں؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے قدیم کردار کی سچے (Pattern) نواختی جلدی تبدیل کر سکیں۔ یعنی جلدی موجود ہمارے مادی ماحول کو تبدیل کر دیتا ہے؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ کچھ مکانات کا جائزہ سے ہا جائے۔ اور یہ مفروضہ (Hypotheses) بنالیا جائے کہ سماں ترقی کون کون سے متبادر راستے اختیار کرتی ہے۔

پہلا سوال یہ ہے، کیا سماں ترقی اسی طرح دور بردور زیادہ تیز رفتار ہوتی رہے گی یا وہ اپنی تیز ترین رفتار تک پہنچنے کے بعد آہستہ ہوں شروع ہو جائے گی۔ سماں طریق کار

ریاضت کر کے بے غلی ترین صلاحیت (Genius) کی ضرورت ہے مگر سے استعمال میں لائے گئے بے محسوس استعداد (Talent) کی کافی ہے۔ ایک ذہین لوجوان سائنس دان اگر کسی اچھی تجربہ گاہ (Laboratory) میں ملازمت حاصل کریتا ہے تو سے بہت حد تک یقین ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی دلچسپ چیز موند لائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا ہاتھ کسی نئی شے پر پڑ جائے جو بہت اہمیت رکھتی ہو۔ سائنس جو سترھویں صدی تک بھی ایک باغیہ وقت تھی، اب سکوست اور پوسٹ سکسٹ کے باعث معاشرے کی زندگی کی ایک مربوط حصہ بن چکی ہے، اور جب جب اس کی بہت اد بھی دسح ہوئی چلی جا رہی ہے، سائنسی تحقیق میں کام سے واسے لوگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، لگتا کچھ یوں ہے کہ جب تک اقتصاد کی اور معاشرتی حالات کا مساندہ نہ ہو جائیں ہم بجا طور پر یہ توقع کر سکتے ہیں کہ سائنسی ترقی کی یہ رفتار قائم رکھی جائے گی بلکہ اس میں تیزی آجائے گی، تہی در تک جب تک کوئی ایسا نیا واقعہ نہ ہو جائے جو اس کی راہ میں فاصلت بن جائے

یہ البتہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک ایسا وقت آ سکتا ہے جب کوئی غلی ریاضت کر سہ کے لیے اس قدر زیادہ علم کی ضرورت ہو کہ سائنس دان کے زندگی کے بہت سے برس اسی میں گزر جائیں اور جب وہ علم کی سرحدوں کے قریب پہنچے تو وہ ضعف جی کی (Senility) کا شکار ہو چکا ہو، میرا خیال ہے کہ ایسا کبھی نہ کبھی ضرور ہوگا مگر وہ دن ابھی بہت دور ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ تدریس کے طریقے بہتر ہو رہے ہیں، انڈیٹون کا خیال تھا کہ اس کی اکاوی میں طلبہ کو محض ریاضی (جیسی کہ وہ اس وقت تھی) پلینے کے لیے دس برس کی ضرورت ہے آج کل ریاضی کا شوق رکھنے والے طالب علم یہ سب کچھ ایک برس میں سیکھ لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تخصیص (Specialization) کے پڑھنے ہوئے رجحان سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ایک تنگنائے کے درمیان علم کی حدود تک رسائی حاصل کرنی چائے، بجائے کھلی مرانک پر سفر کر کے سہ تک راستے سر کرنے میں کم محنت لگتی ہے، تیسری بات یہ ہے کہ علم کی حدود اثرہ شکن ہیں، بلکہ ایک بے قاعدہ ارتقائی خطہ (Contour) ہے، اور کچھ ایسے بھی مقامات ہیں جو مرکز سے زیادہ دور نہیں ہیں مینڈل (Mendel) کی دریافت جس سے ایک نئے عہد کا شمار کیا تھا، کسی پہلے سے معلوم علم کی متقاضی نہیں تھی جس بات کی ضرورت تھی وہ صرف اتنی تھی کہ شاد ار تر مردہ زندگی کا کچھ حصہ باغ میں گرا جائے، راتیاں رکھی (Radio-Activity)

اس وقت سے دریافت ہوئی تھی کہ پتھ (Pebbles) کے بعض نمونوں سے غیر متوقع طور پر تاریکی میں اپنی تصویریں بنائی جاسکتی ہیں۔ ہر خیال یہیں ہے کہ بھی کافی مدت تک خالص روشنی۔ متوالی کی وجہ سے سائنسی ترقی کی رفتار میں کمی آجائے

ایک در جب کے باعث یہ توقع کی جاتی ہے کہ سائنس کی ترقی جلدی رہے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دماغ اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ یونان و اٹلی و چین و جاپان میں مسوری میں بھی تھا جیسا کہ سائنس میں تھا مگر اس کو عظیم شہرت مصوری سے ملی۔ لیکن گرتج ہوئی اس صاحب سقودہ اسان ہووہ یقیناً کوئی ایسی سائنسی حاصل کرے گی کوشش کرے گا، جس میں اس کا سارا وقت سائنس پر صرف ہو اگر اس کی سیاست میں قدامت پسندی ہووہ شاید ہائیڈروجن (Hydrogen) کم بنائے گی کوشش کرے گا، جو اس عہد میں تصویر سے کہیں زیادہ کارآمد خیال کیا جاتا ہے۔ دھندلے فوٹو کے اب ڈسٹ کو دور مرتبہ حاصل نہیں ہے جو پہلے کبھی ہو کر تھا۔ نشاۃ ثانیہ کے شہر سے ہائیڈروجن (Michelson) بننے کی تک دو کر سکتے تھے مگر جدید ممالک کے سرخیل نیوکلیر ہائر طبیعیات جونا چاہیں گے۔

کچھ اور ہی طرح کے عوامل ہیں جن سے سائنس کا روال متوقع ہے، ممکن ہے یہ سمجھا جاتا ہو کہ سائنس خود ہی دھماکا خیز قوتیں برپا کرنے کا رالائی ہے، اور ان کی وجہ سے جلد یا بدیر وہ معاشرہ ممکن ہی نہیں رہے گا، جس میں سائنس نشوونما پائے، یہ بہت وسیع مگر مختلف سوال ہے۔ اس کا کوئی تسلی بخش جواب بھی نہیں، یا چاہتا ہوں کہ یہ ایک ہمہ جہت اہم سوال ہے جو اس بات کا متقاضی ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔ قہر آہنے یہ دیکھیں کہ اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔

صنعتیت (Industrialism) نے، جسے سائنس ہی کی پیداوار کہا جاسکتا ہے، ایک خاص طرز زندگی اور دنیا کو دیکھنے کا ایک خاص نقطہ نظر پیدا کیا ہے۔ امریکا اور برطانیہ میں جو قدیم ترین صنعتی ممالک ہیں یہ طرز زندگی اور نقطہ نظر رفتہ رفتہ متعارف ہوتے رہے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے دور مرہ کی زندگی میں کون شہید تہذیبی روایات ہوئی، ان کو ایسے نام ملے گا کہ کنڈر گان (Pioneers) ملتے رہے ہیں۔ جو عمومی طور پر بچے ہمایوں کے خیالات سے مختلف نہیں رکھتے تھے۔ احتجاج تو صرف کارل مارکس (Carlyle) اور روسکین (Ruskin) جیسے لوگوں نے کیا

ہے، جس کو لوگ اس کی نظر سے تو دیکھتے تھے مگر نظر انداز کرتے تھے۔

مگر جب صنعتیت اور سائنس ایک پوری طرح ترقی یافتہ نظام کے طور پر ان میں لگ پر نازل ہوئی جو اس کے بارے میں علم نہیں رکھتے، خاص طور پر اس وقت جب یہ بیرونی عنصر ہو اور اس سے دشمن کی ٹھانی ہوتی ہو، اور قدیم قومی عادات میں خرابی پیدا ہوئی ہو تو صورت حال بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔ کسی نہ کسی حد تک یہ مصروف برداشت کرنے والے ممالک جرمنی، روس، جاپان اور افریقہ کے قدیم حلقوں باشندے ہیں۔ اب بھی جنگوں پر وہ کسی نہ کسی طرح کی بے اطمینانی پیدا کر چکی ہے یا کر رہی ہے۔ اس کا بالآخر کیا انجام ہوگا؟ کسی کو معلوم نہیں ہے۔

جرمنی پر صنعتیت کا سب سے پہلا اہم اثر کمیونسٹ مانیفیسٹ (Communist Manifesto) تھا۔ سب سے اہم دو واقعات تریں یہ تھیں جن میں سے ایک کی پائل (Bible) سمجھتے ہیں۔ لیکن اچھا ہوگا اگر ہم 1848ء میں ہونے والے واقعات پر غور کر لیں جب یہ لکھا گیا تھا۔ یہ گویا اس زمانہ کے بے یقینی کے ادواروں میں طلباء کی خوف آور پسندیدگی کا ظہار تھا، جو جوش و خروش اور پرامن کر جا کر واسے شہر میں، جتے تھے انہیں بے رحمی کے ساتھ در بختی کسی دانشور نہ تیار دی کے، مائیسٹر کے ہارون متا ہے واسے شہر میں لا پھینکا گیا تھا۔

جرمنی میں سمارک (Bismark) سے تھیں بہت حاصل کرنے سے پہلے، ایک انتہائی مہم ٹک تھا مگر اس کے لوگوں میں خاموشی سے عوامی فرانکس سرانجام دینے کی غیر معمولی صلاحیت تھی، مقابلہ جس کو برطانیہ و اچھی کارکردگی کے لیے ضروری سمجھتے تھے اور جس کو انڈون نے قریب قریب آسانی عظمت عطا کر دی تھی، بڑوس کے سے وہاں روت تھا، تاکہ وہ ریاست کی خدمت واضح طور پر درست اخلاقی آئینہ (Moral) سمجھتے تھے، چنانچہ یہ ان کے لیے قدرتی بات تھی کہ وہ صنعتیت کو قوم پرستی (Nationalism) یا سوشلزم کے ڈھانچے (Frame) (Work) کے حوالے سے دیکھیں۔ نازیس نے ان رویوں کو طاری کیا کسی حد تک دہرا کی اور پاگل بن والا مایہ جو جرمن صنعتیت اور اس کی پالیسیوں میں پیدا ہو تھا اس کی وجہ اس کا دسوار (Foreign) ہونا اور لکا ایک روٹی ہو جانا تھا۔

مارکس (Marx) کے نظریات ان میں لگ کے لیے مورد تھے جہاں صنعتیت نئی نی پیدا ہوئی تھی۔ جب یہ ملک صنعتی طور پر پانچ ہو گیا تو جرمن سوشل ڈیموکریٹس نے ان اوقات

(Dogmas) کو تہ دیا مگر اس وقت تک روس اس مقام پر پہنچ گیا تھا جس پر 1848ء میں جرمنی تھا، چنانچہ یہ قدرتی بات تھی کہ مارکسزم کو ایک یا مگر میسر آ گیا تھا۔ سٹالن (Stalin) نے بڑی چال کھدنی کے ساتھ سٹالن انقلاب عقیدے کو روایتی مقدس رو (Holy Russian) اور مٹے باپ (Little Father) کے روایتی عقیدے کے ساتھ مربوط کر دیا تھا، یہ بھی گویا ایک قابل ذکر مٹی مثال ہے جس میں سٹالن ایک ایسے ٹپے میں آں پہنچ گئی، جو بھی اس کے سبے تیار نہیں تھا، یہی حالات چین میں بھی رونما ہوئے تھے۔

جرمنی کی طرح جاپان نے بھی جدید ٹیکنیک کو ریاست کی پوجا کے ساتھ ملا دیا تھا، پڑھے لکھے جاپانہوں نے اس حد تک اپنا قدیم طرز زندگی ترک کر دیا تھا جس حد تک انہیں صنعتی تحفظ اور فوجی کارکردگی کے سبب ضرورت تھی فوری تبدیلی جتنائی، بسٹریا کا سبب ہی اور عالمی طاقت بننے کے لیے اپنانے کے حوب دیکھے گئے تھے اور اس کی روایتی اوجھڑائی کی طرف سے بھی کوئی ممانعت نہ تھی۔

یہ مختلف اقسام کے پاگل چلن تھے۔ میوزم (Communism) نازی ازم (Nazism) اور جاپانی سامراجیت (Imperialism)۔ یہ مختلف عوام پر سٹالن کے قدرتی اثرات تھے، جو کل اور سٹالن ثقافت نے اس قوم پر مرتب کئے تھے، جیسا کہ سٹالن کے اثرات بھی پہلی منازل میں ہیں اور افریقہ پر اس کے اثرات ابھی مشکل شروع ہوئے ہیں، لہذا یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ مستقبل قریب میں دنیا فرار (Senility) کی سطح کو حاصل کر پائے گی۔

سٹالن کا مستقبل بلکہ پوری انسانیت کا مستقبل اس امر پر منحصر ہے کہ کیا یہ ممکن ہوگا کہ اس جتنائی بسٹریا (Hysteria) کو اس وقت تک روکا جائے جب تک یہ متعلقہ انسانی آبادی سٹالنی ماحول سے مطابقت پیدا نہ کرے۔ مگر یہ مطابقت ممکن نہ ہوئی تو پھر مہذب معاشرہ دنیا سے غائب ہو جائے گا اور سٹالن محض ایک دور کا دھندلا خواب ہی رہ جائے گی، پر اسے رہانے میں سٹالن اور جادوگری (Sorcery) میں مشکل امتیاز نہ جاتا تھا اور یہ ناممکن نہیں ہے کہ ایک یا عہد نامہ ایک اسی نقطہ نظر کو پھر سے بردہنے کا رے آئے۔

یہ خطرہ بہت دور نہیں ہے، اگلے چند برس میں اس کی خطرناکی ظاہر ہو جائے گی لیکن اس وقت میں اس فوری مسائل کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ کیا ہم جیسا کوئی معاشرہ جو سٹالن اور سٹالن ٹیکنالوجی پر ابھرا کرتا ہو، ویسا پیدا ہو سکتا ہے جیسے کہ ماضی میں بہت

سے معاشرے تھے، یا اس کے سو چارہ ہی نہیں کہ وہ کسی دھماکا خیز قوتوں کو جنم دے جو سب کو ختم کر دیں؟ یہ سوال ہم کو ایسے دائرہ کار میں لے جاتا ہے جو سائنس سے ماور ہے اور اخلاقی مضامین سے یا اس کا تعلق کسی متعینہ عمومی (Moral) نوعیت سے ہے، یہ آخری بات، یہی ہے جسے سیاسی نظریہ سازوں نے غیر ضروری طور پر نظر انداز کیا ہے۔

آئیے اخلاقی مضامین سے بات شروع کرتے ہیں، میں اس مسئلے کو واضح کر سکتے ہیں کہ ایک مثال دینا چاہتا ہوں جو بے حد معنوں میں ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو تم کو کوئی کو بدکاری (Wicked) خیال کرتے ہیں، لیکن وہ زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جن کو سائنس چھوڑ کر بھی نہیں گزری، جن لوگوں پر سائنس کی اثر اندازی بہت ہے، ان کا عام طور پر نقطہ نظر یہ ہے کہ تم کو کوئی نہ برائی ہے نہ خوبی، لیکن جیسا میں لائن وکس (Nobel Works) کہنے لیا جہاں نائٹرو گلیسرین (Nitro-Glycerine) کے دھارے دہا کی طرح بہہ رہے تھے، تو مجھے یہ سلائی دہا ہی چھوڑنی پڑی، یہ تو ظاہر تھا کہ در کس کے مدد تم کو کوئی کرنا انتہائی قابل اعتراض بات تھی۔

یہ واقعہ دنگات واضح کرتا ہے پہلا یہ کہ کوئی بھی سائنسی نقطہ نظر روایتی اخلاقی مضامین کے کسی نہ کسی پہلو کو تو ہٹاؤں اور غیر اشد نہ سمجھتا ہے اور دوسرے یہ کہ سائنس کے پیدا کردہ نئے ماحول میں نئے فرائض تخلیق ہوتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان فرائض کے عین مطابق ہوں، جس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ایک ایسی چیز جس میں ہائیڈروجن بم موجود ہے، ایک ایسی دیا ہے جس میں نائٹرو گلیسرین کا ایک سمندر موجود ہے جو افعال دوسری جگہوں پر ہر طرح سے بے خطر ہیں یہاں انتہائی خطرناک ہو سکتے ہیں۔ لہذا سائنس کی دیا میں ہمیں اور دھت میں ہی ہوئی دیا سے بالکل جدا گانہ مضامین اخلاق اپنا لے کی ضرورت ہے۔ مگر کسی نئے مضامین حلاق کو بعض ایسے کام نہ کرے کہ ایسے جو ہمیں میں بے ضرورت سمجھے جاتے تھے ایک ایسی عمل روکنے والی حکامان کوٹ عطا کرنا آسان کام نہیں ہے اور یہ مقصد ایک دن میں شاید حاصل بھی نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک اخلاقیات (Ethics) کا تعلق ہے یہ بے حد اہم ہے کہ نئے خطرات کا اندازہ کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان خطرات کو کم کرنے کے لیے کس اخلاقی رویے کی ضرورت ہے۔ سب سے ہم نئے حقائق یہ ہیں کہ دیا پہلے سے کبھی زیادہ منظم (Unified)

ہے، اور جنگ کی صورت میں مختلف قومیں ایک دوسرے کو ماضی کے مقابلے میں نہیں زیادہ گہرے زخم لگا سکتی ہیں۔ قوت (Power) کا سوال ہی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ سائنس نے اسد قوتوں کو سہ سہ بڑھا چڑھا دیا ہے، مگر اس کے باوجود ان کو حاصل شدہ سے باہر نہیں ہوئے دیا، جب قوت بڑھتی ہے تو دوسرے واری بھی بڑھتی ہے، اور اس کی وجہ سے خطرناک حکم و (Self Assertion) بھی پیدا ہوتا ہے، مگر اس کا سد یہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ مسلسل اس بات کو یاد رکھا جائے کہ انسان بھی قوتوں کا مالک نہیں ہے۔

سب سے زیادہ بااثر سائنس اس دنیا میں طبیعیات (Physics) اور الکیمیا یعنی کیمسٹری ہیں، حیاتیات (Biology) سے حال ہی میں ان کے مقابلے پر آنا شروع کیا ہے۔ مگر سائنس کے راسخہ سے سب سے پہلے نفسیات اور ماس (Mass) نفسیات کو اہم ترین تسلیم کرنا پڑے گا، یہ بات تو سمجھی جانتے ہیں کہ انسانوں کے بعض زیادہ غالب موڈ (Mood) ہوتے ہیں، جو حالات کے مطابق وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ہر موڈ یا کیفیت کے ساتھ ایک متعلقہ حلاقیات بھی ہوتی ہے، نلسن (Nelson) سے ان اخلاقی اصولوں کو لمشپ مین (Midshipman) کے حوالے سے یاد سمجھا یا تھا کہ یہ دھماکا توڑ مٹی یا فرنیچس سپاہی کو شیطان سمجھ کر فائر کرتا ہے اس لیے کہ انگریز فرنیچیوں سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ انہوں نے جنگ آزادی کے دوران امریکیوں کا ساتھ دیا تھا ٹیکسیز کا بہن پنجم کہتا ہے۔

مگر وقار کو برقیات پر حاصل کرنا ایک گناہ ہے
قومیں سب سے زیادہ قصوروار، زندہ شخص ہوں

یہ ایک حلاقی جذبہ ہے جو مشہور و نامور سائنس کے ساتھ لگا ہوا ہے، وقار (Honour) کا سب اس تعداد کے ساتھ ہوتا ہے جس میں تم بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہو، جب الوطنی سے نام پر بہت سے گناہ معاف کیے جاسکتے ہیں، اس کے برعکس وطنی طور پر قوت سے عروسی نکلا رہی اور فرمانبرداری کو تسلیم نہیں خلاقیت اندر رہا رہتی ہے، اس لیے زمین حکومت میں مروج روایت (Stoicism) اور ایسویں صدی کے آغاز میں غریب انگریزوں میں اصولیت (Methodism) اعلیٰ اخلاقی اندر بھی جاتی تھیں۔ درمگر کبھی کامیاب بغاوت کا موقع نکل آتا تھا جو طاقتور قسم کا نظام حد یہ ایک روح پا جاتا اور اس عہد کا غالب حلاقی اصول بن جاتا۔ پرانے زمانے میں اخلاقی مذہکات (Percepts) کو لوگوں کے دلوں میں اتارنے کا واحد

تسليم شدہ طريق کار رہائی تبلیغ تھا، مگر يقينی طور پر اس طريق کار کی کچھ حدود ہیں، یہ نیک مشہور بات ہے کہ پادریوں کے بیٹے اخلاقی طور پر دوسروں سے بھتر گئیں ہوتے، جب سائنس میدان عمل میں آئی تو اور طرح کے طریقے استعمال ہونے لگے، یہ معلوم کر لیا گیا کہ بعض حالات مخصوص قسم کی کیفیات پیدا کرتے ہیں اور ایسی کوئی کیفیت ہیں جو انسان کو خاص طرح کے اخلاقی نظام کی طرف سے جات ہیں، پھر حکمتیں بھی یہ پھیل کر گئیں کہ اس کی مدد یا کسی طرح کی اصلاحیات قبول کرنی چاہیے اور یہ بھی خیال رکھا جائے گا کہ مدد یا وہی کچھ قبول کرے جو حکومت کو پسند ہوں مگر یہ سب کچھ اس طرح ہو کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ اپنی مرضی سے ایسا کر رہے ہیں۔ ممکن ہے یہ بات آپ کو کئی قسم کا رد عمل معلوم ہو مگر یہ بھی کچھ اس سچے ہے کہ ہم ابھی اس بات کے عادی نہیں ہوئے کہ کس طرح سائنس کا اطلاق انسانی ذہنوں پر کیا جاتا ہے۔ سائنس کے دیگر شرکی قوتیں بھی موجود ہیں صرف طبیعی طور پر ہی نہیں بلکہ ذہنی طور پر بھی، ہائیڈروجن بم جسموں کو ہلاک کر سکتا ہے، اور حکومتی پروپیگنڈا ہوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔

اس خوفناک قوت کو نظر میں رکھتے ہوئے جو سائنس حکومتوں کے ہاتھ میں دے رہی ہے، یہ لاری ہے کہ جو لوگ حکومتی اقتدار رکھتے ہوں دانش خیال اور دہانت سے بھر پور ٹیڈیل رکھنے والے ہوں مگر ایسا نہ ہو تو وہ اس سب کوتاہی کی طرف سے چا سکتے ہیں۔ میں دہانت سے بھر پور آئیڈیل اس کو کہتا ہوں جب سے حاصل کرنے کی جستجو کرتے وقت اس کا اور رو بھی کیا جاسکتا ہو مگر بطور اخلاقی معیار کے نتائج کالی ہیں ہے لیکن اس سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ بہت سے طرف اس طریقے سے رو کر دیے جائیں۔ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ نظر پڑنے ملک و رپنی و ت پر وہی سب کچھ مسلط کرنا چاہتا تھا جو ہالہ خر ہوا اور اس کے باوجود یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جو نتیجہ سامنے آیا وہ اس کی ہمت و عمری ہی کی وجہ سے آیا۔ لہذا اس کا Deutschland Ueber Alles غیر دہانت آمیز کہہ کر رکھا جاسکتا ہے (میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے ہاں اس بھی ایک خرابی تھی) چین، فرانس، جرمنی اور روس سے خاصی کامیابی کے ساتھ عالمی مملکت بنائی جائی تھی اور تین ممالک تو اس سلسلے میں شکست سے دوچار ہو چکے ہیں مگر اس انعام سے انہوں نے سیکھا کچھ نہیں۔

یہ سوال کہ آیا سائنس..... اور عمومی طور پر انسانی تہذیب (Civilization) زیادہ دیر تک

قائم رہ سکتے ہیں، نفسیات پر منحصر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیکھنا ہوگا کہ انسانی خواہشات کیا ہیں۔ وہ ممالک جہاں مطلق العنان یا ایک مقصدی (Totalitarian) حکومت ہے وہاں جائز حکمران موجود ہیں مگر زیادہ تر انسانی آبادی جمہوریتوں میں رہتی ہے، سیاسی جدہات (Passions) کی سیاسی دویے کو متعین کرتے ہیں اور ان کا اخلاق اس سے کہیں زیادہ بڑا مدد دیتا ہے جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں۔ مگر سالوں کو تعاون سے، یاد دہانی کی ضرورت ہے تو وہ بھی سمجھیں گے کہ فحش ممکن ہے۔

لیکن اگر ان کے دلوں میں نفرت اس حد تک جاگزیں ہو چکی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ذبح دیکھنے کی بجائے دشمن کو ذبح کرے گئے خواہش مند ہیں، تو پھر وہ جنگ کرے گئے جسے ہر طرح کے جوہر تلاش کریں گے۔ اگر وہ کمزری کے خلاف صف آراء ہو چکے ہیں اور اپنی بدترکی کو برقیست پر قائم رکھا چاہتے ہیں تو پھر ان کے جذبات ایسے ہوں گے جن سے طبقاتی جنگ کو تقویت ملے گی اور اگر ان کی بوریست (Boredom) ایک خاص حد سے تجاوز کر جائے تو پھر ان کو ایک تماشے کی ضرورت ہوگی خواہ وہ کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔

ایسے جذبات جب پھیل جاتے ہیں تو وہ قوموں کی خدمت عملی اور فیصلے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر حکمران چاہیں تو سانس سے جدہات تکلیف کر سکتی ہے جو جانیوں سے محفوظ رکھیں اور تعاون میں آسانی پیدا کریں۔ اس وقت جو طاقتور، حکمران موجود ہیں وہ کسی کوئی خواہش نہیں رکھتے، لیکن یہ امکان تو بہر حال موجود ہے کہ سانس گیر کے لیے بھی ویسی ہی کارآمد ہو چکی کہ شر کے لیے ہے، ایسا بہر حال ممکن ہے کہ سانس خود یہ متعین کرے کہ سانس کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔

سانس اپنے طور پر ہمیں کوئی حلاقیات فراہم نہیں کر سکتی۔ وہ ایسا راستہ دکھا سکتی ہے جس پر چل کر ہم اپنے مقصد کو حاصل کر سکیں، اور وہ یہ بھی بتا سکتی ہے کہ کون سے مقاصد ایسے ہیں جو حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ مگر جو مقاصد حاصل کیے جاسکتے ہیں ان کا فیصلہ جانتا غیر سائنسی ملاحظہ (Considerations) پر ہوتا ہے۔

مگر وہ بھی لوگ جو دوسرے نہیں ہیں انھیں چروں پر اتفاق رائے کر سکتے ہیں۔ دندہ رہتا بہر حال حرکت سے بہتر ہے، بھرا پیٹ ہوتا بھوک سے بڑھ چلا ہو جانے سے افضل ہے اور نہرا ہونا غلام ہونے سے اچھا ہے۔ بہت سے لوگ چھٹی چروں سے محروم ہو جائیں تو ان

کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سائنس کی مدد سے ایسے لوگوں کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے، تمام اس میت سب اس طرح کا حاندان بن چکی ہے کہ ہم اپنی خوشحالی کو اس وقت تک قیمتی طور پر ممکن نہیں بنا سکتے جب تک سب لوگوں کے لیے وہ قیمتی نہ ہو جائے۔ اگر آپ خوش رہنا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو یہ تنگ دوز بھی کرنی ہوگی کہ دوسرے لوگ بھی خوش رہیں۔
خود سائنس ہمیشہ جاری رہ سکتی ہو یا نہ رہ سکتی ہو مگر جب تک یہ جاری رہتی ہے یہ نقصان کم کرے گی تاکہ زیادہ، مگر اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ انسان یہ مادہ ساقی کس حد تک یکھ سکتا ہے، شاید یہ ضروری ہے کہ سب اس ساقی کو پیکیں مگر ایسا کرنا اس کے لیے تو اور بھی ضروری ہے جو عظیم قوت کے مالک ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں ابھی بہت دور تک جانا ہے۔

فری مین ڈائیسن (Freeman Dyson)

فری مین ڈائیسن کا امریکہ کے مشہور اور ممتاز دانشوروں میں شمار ہوتا ہے۔ 1923ء میں پیدا ہوا۔ 1984ء میں اسے نیشنل ایکڈمی آف سائنسز کا رکن منتخب کیا گیا۔ اس کی آپ اپنی Disurbing the Universe کو علمی اور سائنسی حلقوں میں بہت پرہائی ملی۔ اس نے متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں Origins of Life بہت مشہور ہے۔ کتاب میں شامل مضمون امریکہ کے مشہور دماغی نیورالک ریپورٹس سے لیا گیا ہے۔

فری مین ڈائی من

سائنس دان بطور باغی

کوئی سی شے نہیں ہے، جسے یکتا 'unique' سائنس بصیرت (Vision) کہا جاسکے، ویسے ہی جیسے کوئی سی شے بھی موجود نہیں جو یکتا شاعرانہ ورثہ کہلا سکے۔ سائنس ایک پکی کاری (Mosaic) ہے، جس میں جزوی درمیان وراثت موجود ہوتے ہیں، اگر ان وراثت میں کون چر مشترک ہے تو وہ عام پایا جائے والا عصر یفادت ہے، جو مقامی طور پر مروج کلچر کے خلاف کی جاتی ہے۔ وہ مشرقی بھی ہو سکتی ہے مغربی بھی جیسی کہ صورت حال ہو۔ سائنس وراثت خاص طور پر مغربی نہیں ہے، مگر یہ مغربی نہیں ہے تو یہ عرب، ہندوستانی، جاپانی یا چینی بھی نہیں ہے۔ اگرچہ ان سب کا حصہ جدید سائنس کی ترقی میں قابل قدر ہے، وہ ہر برک پیسے جب قدیم سائنس کا آغاز ہوا تھا تو وہ - ہائی تھی - دو مصری اور مغرب یا شمال اور جنوب کو خاطر میں نہیں لاتی، اور - ہی سیاہ در در اور سفید کی پہچان کرتی ہے۔ یہ ہر اس شخص کا ساتھ دینے کا تیار ہے جو سے سکھنے کی کوششیں وہ جمعی سے کرے، جو بات سائنس کے بارے میں درست ہے، وہی شاعری کے بارے میں بھی درست ہے، شاعری مغرب والوں کی ایجاد نہیں ہے ہندوستان میں ہومر (Homer) سے پہلے بھی شاعری موجود تھی۔ شاعری ہمیں ہندوستان اور جاپانی ثقافتوں کی گہرائی تک لے جاتی ہے اور دیا ہی وہ ہدی (Russian) اور انگریزوں کے مسئلے میں بھی کہتی ہے۔ مگر میں انگریزی شاعری کے اقتباس ہاربار پیش کروں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شاعری انگریزوں ہی میں ہوئی چاہیے۔ شاعری اور سائنس دو ایسے عطیے ہیں جو پوری انسانیت کو عطا کیے گئے ہیں۔

عظیم عرب ریاضی دان، ماہر فلکیات (Astronomer) عمر خیام کی مائیس ایک بنکوت تھی، مسلمانوں کی دانشور۔ نکل نظری کے خلاف، جس کا ظہار اس نے ایسے اشعار میں کیا تھا جو بے حد ہیں۔

اور وہ الٹا ہوا حالہ جس کو وہ آسان کہتے ہیں۔

جس ڈر پہ میں ہم گھسیٹے ہوئے جیتے مرنے ہیں۔

اس سے دور جانے کے لیے اس کی طرف، ہاتھ مت اٹھاؤ

کیونکہ وہ... کیونکہ وہ بھی ہماری طرح بے بس اور ناکارہ ہے۔

جاپانی سائنس دانوں کی پہلی سلسل، جس کا تعلق بیسویں صدی کے ساتھ تھا، ایسوں سے اپنے رواجی فلج کے خلاف بغاوت کی تھی جو جاگیر دی (Fuedai) تھا۔ اس صدی کے عظیم ہندوستانی، ماہر طبیعیات رمن بوس (Raman Bose) اور سہا (Saha) دوہری بغاوت کے مرتکب ہوئے تھے۔ پہلی تو انگریزوں کے قندہ کے خلاف تھی اور دوسری ہندوستانی اٹل (Fetal)۔ خلاقیات کے خلاف تھی۔ اور مغرب میں بھی عظیم سائنس دانوں گلیلیو (Galileo) اور آئن سٹائن (Einstein) بھی جاتی تھے۔ ماحولہ سمجھنے کی زبان اس صورتحال کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

یورپ میں (Lulipold Gymnasium) میں جب ساتویں گریڈ میں تھا، پڑھنا شروع کیا۔ استاد سے بلاوا، اس سے اس خوشی کا ظہار کیا کہ میں (Hemeroom) مجھے میرے ہوم روم سکوں چھوڑ دوں۔ میرے یہ کہنے پر کہ میں نے ایسا کوئی جواب کام نہیں کیا، اس نے جواب دیا صرف تمہارے ہونے سے میرے دل سے اس جھڑپ کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔

آئن سٹائن بہت خوش تھا جب اس نے اس مسئلے میں اپنے استاد کی مدد کی۔ اس نے استاد کی بددیت پر عمل کیا اور چند روزوں کی عمر میں سکول چھوڑ دیا

اس مثال میں اور بہت سی دوسری مثالوں میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سائنس مغربی فلسفے کے اصولوں کے تحت نہیں نکلتی اور نہ ہی مغربی طریق کار ہی اس پر قابو پا سکتا ہے۔ سائنس تو آزاد رویوں کا اشتراک ہے اور یہ اشتراک سب ثقافتوں میں مقامی قلم کے خلاف کیا جاتا ہے۔ وہ قلم جو ہر ثقافت اپنے پنکھ پر روا رکھتی ہے۔ جہاں تک میرے سائنس دان ہوئے گا

تعلق ہے، ہر نقطہ نظر۔ تو تحریک (Reductionist) ہے اور نہ ہی غیر تحریک۔ میرے لیے مغربیت کسی کام کی نہیں ہے۔ لائن این ایز لے (Loren Eiseley) کی طرح میں اپنے آپ کو ایسی راہ کا مسافر سمجھتا ہوں جو قوموں اور فلسفوں کی تاریخ سے کہیں زیادہ مٹی ہے، تو خود تاریخی نوع (Species) کی تاریخ سے بھی زیادہ طویل ہے۔

کچھ برس پہلے سوڈان کے قدرتی تاریخ کے عجیب گھر میں پتھر کے زمانے کے Paleolithic کے غاروں کی ایک نمائش ہوئی۔ یہ پتھر سہری موقع تھا، جب ہم سے پتھر اور ہڈیوں پر کھدائی کے بہت سے کام کو نکلیا گیا۔ عام طور پر ایسے مواد کو فرانس کے درجن بھر عجائب گھروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ زیادہ تر کندہ کاری (Carvings) فرانس کے علاقے میں 1400 سال پہلے ہوئی تھی، یہ فنکار تاریخ کا ایک چھوٹا سا عہد تھا، جو برف کے زمانے (Ice Age) کے ختم ہونے کے قریب قریب آیا تھا۔ اس کندہ کاری کی خوبصورتی اور رکت غیر معمولی ہے۔ جس لوگوں سے یہ کندہ کاری کی تھی وہ عام جسم کے شکار بنینا نہیں تھے کہ وہ غار میں تنگ کے پاس بیٹھ کر اپنا شوق پورا کرتے رہے ہوں، یہ ایسے لوگ تھے، جو کسی ثقافت کی اعلیٰ منزل میں تھے اور ان کو اس کام کے لیے ہاتھ و تربیت دی گئی تھی۔

اور آپ جب ان چیزوں کو پہلی بار دیکھتے ہیں تو سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز یہ محسوس ہوتی ہے کہ ان کی ثقافت مغربی نہیں ہے۔ اس کی کوئی مماثلت اس قدر دور سے نہیں ہے، جو کوئی دس ہزار سال کے بعد عراق العربیہ (Mesopotamia) مصر اور کھیت (Crete) میں نمودار ہوئی۔ اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ غار آرت فرانس میں پایا جاتا ہے، تو میں یہ اندازہ کرتا کہ یہ جاپان سے آیا ہے۔ آج کے زمانے میں اس کا تعلق یورپ سے کہیں فرانس سے نظر آتا ہے۔ اس نمائش سے ہم پر یہ کھل کہ دس ہزار برس کے اس زمانے میں مغرب مشرق و افریقہ کے درمیان ثقافتی امتیازات ختم ہو چکے ہیں۔ اگر ایک لاکھ برس کی بات ہو تو پھر ہم سب افریقہ ہو جاتے ہیں اور اگر اس زمانے کو بلا کر تیس سو پینس سال تک پھیل دیا جائے تو ہم سب جل تھیلے (Amphibians) ہو جاتے ہیں جو غیر یقینی حالت میں سرکھٹے ہوئے تالابوں سے انجلی اور آتشیں ریش کی طرف سرگرد ہے تھے اور مامی کے اس طویل سفر کے ساتھ ساتھ روہن سن خیر (Robinson) مستقبل کے بارے میں ایک طویل و تر دیکھتا ہے۔ نئے طویل عرصے میں تو نہ صرف یورپین تہذیب (Civilization) بلکہ خود

اسی نور بھی ایک عیواری عرصے میں نظر آتی ہے۔ یہ وزن ہے جو روغنِ کافور نے پتی
ایک طویل نظم میں دیکھا ہے۔ اس کا عنوان ہے۔ دی ڈبل ایکس (The Double Axis)

اسے پتو اچھڑاؤ

تم لڑائیوں اور پیسے پھیلنے کی

سے زیادہ دقت نہیں رکھتے

تاہم میں تم کو شکست عطا کروں گا

اسے قردا کے بچھاؤ

مصیبت آ رہی ہے

تج کی دنیا کی طرح

جو بچی چٹانوں پر تیرتی ہے

لیکن تم بعد میں جسم تو گے اور روح رہو گے

ایک دن ایسا بھی آئے گا

جب یہ دیکھو

خود پر زخم لگائے گی اور مسکرائے گی

اور اس بات کو باہر پھینک دے گی

لیکن تم اس سے پہلے ہی پیدا ہو جاؤ گے

جائیداد ایک ایسا وقت آئے گا

جب سورج بھی مر جائے گا

سپارے ٹھنڈے ہو جائیں گے

اور ان کی ہوائیں، مجھد گیسیں

ہو کے مجھد برف پارے

خواب ہو جائیں گے

جب کوئی بھی ہوا جنٹل پیدا نہ کرے گی

اور ستاروں کی بجلی روشنی میں

وہ چمکیں گے

کیا مردہ ہوا۔ ہر کی سفید لاش ہے
 کھکھاتی ہیں بھی مر جائیں گی
 ٹکی وے (Markway) کی چمک دمک ختم ہو جائے گی
 باری کائنات اور بھی ستارے
 جو نام رکھتے ہیں مردہ ہو جائیں گے
 مات دور تک گھٹل گئی ہے
 تم نے کیسی لاشوں کو پائی ہے، اے مری محبوب شب
 اپنے خاں کراں میں کھو جتے ہوئے
 جو پہ پناہ دے گئے ہیں

روین سن جنرل کوئی سائنس دان نہیں ہے، مگر اس کے شاعرانہ دماغ میں سائنس کا
 اظہار دوسروں سے بہتر ہوتا ہے۔ وہ آئن سٹائن کی طرح قومی افتخار سے مبرا اور غیر مسلک
 ہے، اس میں ثقافتی تحریمات (Taboo) بھی نہیں ہیں وہ تو صرف قدرت سے مرعوب ہے وہ
 دوسری جنگ عظیم کے دوران لی گئی مائٹن کے خلاف تبلیغاتی صف آراء سے سب ڈھکیں
 قوم پرستی کے بخار کی وجہ سے اس زمانے میں شائع نہ ہو سکتی تھیں لہذا ڈیپلےکس 1948ء
 میں شائع ہوئی اور اس کی شاعت سے پہلے حیرت و اس کے بعد ہلر کے مابین طویل تنازعہ
 ہوا۔ میں نے قلمی برس کے بعد جیفرز کو دریافت کیا، اور اس وقت تک اس کی اداسی اور
 جنگ کے خلاف جدوجہدات قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ خوش قسمتی سے اب اس کی کتابیں بازار
 میں ملنے لگی ہیں اور انہیں آپ خود بھی پڑھ سکتے ہیں۔

سائنس بطور تخریب کا (Subversion) ایک طویل تاریخ رکھتی ہے، سائنس دانوں کی
 ایک طویل فہرست ہے، جن کو جیل میں رکھا گیا اور یہ سائنس دان بھی ہیں جنہوں سے
 انہیں جیل سے باہر آئے میں ہڈری اور ان کی زندگیوں پر میں، ہماری موجودہ مدنی میں
 ہم، دیکھتے ہیں، ماہر طبیعیات لنڈاؤ (Landsau) سوویت نیل میں تھا اور کیپلاس (Kapila) سے
 اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالتے ہوئے لنڈاؤ کی جاں بخشی کے لیے پلس سے اپیل کی، پھر ہم
 نے دیکھا کہ ریاضی دان انڈرسے ویل (Anders Weill) فن لینڈ کی جیل میں تھا اور
 1939-40ء کی سرحدوں کے دوران، مارٹیل فورڈ (Mars Ahlfors) نے سب کی زندگی بچائی

سب سے اعلیٰ تحریک جو انسٹی ٹیوٹ آف یٹرواس سٹڈیز (Advance Study) سے جہاں میں کام کرتا ہوں، چلائی جب ہم نے ریاضی ڈان چاند ہرڈوینس (Chandler Dayle) کو امریکی حکومت کی دلی مدد سے نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کی وساطت سے مارم رکھا چانڈر اس رمانے میں عداوت سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اپنے دوست کے خلاف کچھ کہے سے گریہ کیا جب ہاؤس ان امریکن ایکٹیویٹی کمیٹی (House Un-American Activity Committee) سے اس سے پوچھ چوچ کی۔ اس پر یہ الزام لگا کہ اس نے سوالوں کا جواب نہ دے کر کانگریس کی ہنگام کی ہے اور یہ بھی کہ اس نے مزاحم کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی۔

جب اس کا مقدمہ بھی جیل میں تھا تو وہ پریسٹن آرمی اور اس نے ریاضی کا کام جاری رکھا، یہ سائنس کی تحریک کاری کی ایک اچھی مثال ہے۔ جب اس کی پونیورسٹی کی میوشپ ختم ہوئی تو وہ جیل بھی رہ گیا اور اسے چھ ماہ تک جیل بھگتنی پڑی۔ چانڈر آج کل پونیورسٹی آف ٹورنٹو کا ایک ممتاز پروفیسر ہے۔ اور فعال طور پر لوگوں کی مدد کرتا ہے تاکہ وہ جیل سے باہر آسکیں۔ سائنس کی تباہ کاری کی ایک اور مثال آندرے سے (Andre) Sakharov ہے چانڈر لڑویس اور سفاروف کا تعلق سائنس کی ایک قدیم روایت کے ساتھ ہے، جو ماضی میں بہت دور تک بھی فرینکلن (Franklin) اور پریسٹ (Priestley) تک جاتی ہے، پھر نھارویں صدی سے ہوتی ہوئی گلیلیو اور جیورڈانو برونو (Giordano Bruno) تک چلی جاتی۔ مضمون اور سواریں صدی میں امریکن سائنس اقتدار (Authority) کی مخالفت سے ہر جاتی ہے تو پھر کیا ضرورت تھی کہ ہمارے دینا ترین بچے اس کی طرف جاتے ہیں بہت خوش قسمت تھا کہ سکول میں مجھے سائنس سے متعارف کروایا گیا، چھوٹے بچوں کی ایک تحریری کارروائی کے طور پر۔ ہم نے ایک سائنس سوسائٹی بنائی اس لیے کہ ہم لاری، ٹیٹی اور ہٹ پال سے نجات حاصل کر سکیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو سائنس سے متعارف کر سکیں اور انہیں متاثر کریں کہ سائنس ایک بغاوت ہے غربت اور بد صورتی، کوئی مہم جوئی اور اقتصادی نا انصافی کے خلاف 4 فروری 1923ء کو نیو یارک میں مہم کا شروع الفاظ میں سائنس کے وژن کو بغاوت قرار دیا گیا ایک پیکر کے دوران جو "سوسائٹی (Society of Heretics) سے ترتیب دیا تھا اور اسے پیکر دینے دے ہے بی ایس ہال (B.S. Hall) نے Haldane تھے، جو حیاتیات کے ماہر تھے پھر یہ خطاب ایک چھوٹے سے کتا بچے کی شکل میں

شائع ہو تھا اور اس کا نام Daedalus تھا۔ یہاں ہال ڈین سے سانس کے بارے میں بتا
وژن بیان کیا تھا۔ ہال ڈینا نے بہت چمکے پھمکے انداز میں اور، ملٹی اور بیٹائی اختراعات
سے ہر ایک تحریر لکھی تھی، میں پڑھتی سے اب یہ فرض نہیں کر سکتا کہ کیرج کے رند ہی اب
ان دباؤں میں مہارت نہیں رکھتے۔

قدامت پسندوں کو ب یہ خوف کسی ایسے آدمی سے نہیں جس کی عقل اس کے جذبات
کی طاقت ہے۔ بلکہ وہ یہے سانس سے عجز وہ ہیں کہ جس کی عقل اس کا عظیم ترین اور شدید
ترین جد یہ بن چکی ہے، وہ کسی بی سلسلے جہدیں، تشکیل کے مارے آؤں اور تجربہ
کاروں کو جس جس کرے والے ہیں۔ ماشی میں والٹر (Voltaire) وٹھم (Bentham) تھیلو
(Thales) جیسے لوگ بھی تھے، مگر میرے خیال میں ذروں سانس کے میدان میں بے قرار
کی ایک مثال ہے۔ میرے اندازہ سے اب یہ کھل چکا ہے کہ دانش مندی کو باقی شعبوں سے
کبھی زیادہ سانس کے اندر کھلنے پھولنے کا موقع ملنا چاہیے اور یہ وہی سب بے اندر
سیت، فلسفے اور سب کی طرح سانس کے درپے بھی اپنے گہ سے ثروت مرتب کر سکتا
ہے، لہذا ہمیں حرید ڈاروؤں کی ضرورت ہے۔

ہمیں سانس کو تین نقطہ ہائے نظر سے دیکھنا ہوگا پہلا یہ کہ سانس معقوبیت (Reason)
اور قوت تخیل (Imagination) کے انسانی حواس کے سنے ایک ایسا عطیہ خداوندی ہے جس کا
استعمال آراوی سے ہوتا چاہیے، دوسرے یہ کہ بہت سے لوگوں کے مطالبات، دولت، حکومت،
فتح اور عطیات کو جو ب ہے، جو چند لوگ دیتے ہیں، اور یہ مطالبہ صرف اس تحفظ اور وجود
کے بدلے حاصل ہوتا ہے اور آخری بات یہ کہ یہ سانس کی وہ کوشش ہے جو رفتہ رفتہ کی جاتی
ہے۔ جیسے زبان و سانس میں اور پھر خود مادے (Matter) کے اندر اور پھر خود اپنے جسم کے
اندرا اور دوسرے چاندانوں کے اندر اور سب سے آخر میں خود اپنی ذات کے اندر، تاریک
اور شرمگیر عناصر کو بر کرنے کی صورت میں، پہلے ہی کی بات کو واضح کر چکا ہوں کہ میں
توحید (Reductionism) کو بہت پست شے گردانتا ہوں۔ میرے نزدیک وہ پٹی بہترین
صورت میں غیر متعلق اور بدترین شکل میں گمراہی ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ
سانس کے بارے میں کوئی بیان دیتی ہو، آئیے ہم بات کا آغاز عناصر ریاضی سے کریں۔
یہاں توحیدیت کی ناکامی، ایک رر دوست مثال کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ عظیم ریاضی دان

ڈیوڈ ہیلبرٹ (David Hilbert) ریاضی کے شعبے میں 35 برس کی اعلیٰ ترین خدمات کے بعد توحیدیت کے عرصے میں داخل ہو گیا۔ اپنی زندگی کے آخری برس میں اس نے ایک صورت (Formalization) پر دم نہا کر م تشکیل دیا، جس میں اس سے ساری ریاضی کو محض صورتی بیانات کا مجموعہ قرار دیا، مثلاً: Alphabets کی علامات اور اشیاء (Axioms) کا ایک متناهی سیٹ (Set) اور چند متداول طریق کار بنائے۔ یہ صحیح طور پر، لفظی معنوں میں ایک توحیدیت تھی، جس میں پوری ریاضی کو محض ایک کاغذ پر لکھے ہوئے نشانات تک محدود کر دیا گیا تھا۔ دور جاں بوجھ کر ان خیالات (Ideas) اور اطلاق (Applications) کو نظر انداز کر دیا گیا تھا، جو ان نشانات کو معنی عطا کر سکتی تھی، پھر ہیلبرٹ سے یہ تجویز کیا تھا کہ ریاضی کے مسائل کو ایک عمومی عمل کی دریافت کے ساتھ حل کی جائے اور وہی سارے عمل کی بنیاد بنے۔ در صورتی بیانات ریاضی کی علامات پر مشتمل ہو جو یہ بیانات (Statements) درست ہوئے۔ پھر اس سے اس فیصلہ کر کے عمل کی دریافت کے مسئلے کا ایک نام بھی رکھ دیا، اور اس درجے کے بھی مسائل حل کرنے کا خوب دیکھا تھا، اور اس کی وسعت سے وہ تمام ریاضیاتی فروقی قضیہ جات (Corollary) حل کر کے ان کو نشانی دے دی، جو بھی تک لائنوں پر سے تھے۔ اس سے اس نے اپنی زندگی کا سب سے زیادہ یادگار واقعہ سمجھا تھا، اس کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسا کام تھا ہے جو اس سے پہلے کے تمام ریاضی دانوں کے کام سے کہیں زیادہ بڑے اور بڑے کہ ان ریاضی دانوں سے ایک وقت میں، محض ایک عمل تلاش کر کے کی کوشش کی تھی۔

ہیلبرٹ کے پروگرام کی دوجہ یہ تھی کہ ایک فیصلہ کرنے والا عمل دریافت کیا جائے، جو ایسی علامات (Symbols) کی مدد سے کام کرے، جو خالصتاً میکانیکی انداز لیے ہوئے ہو اور اس میں اصل معانی تک چارے نہ ضرورت بھی نہ ہو۔ چونکہ ریاضی کو محض ایک کاغذ پر لکھے گئے مجموعہ نشانات تک محدود کر دیا گیا تھا، لہذا فیصلہ کرنے والے عمل کا تعلق محض نشانات (Marks) سے تھا اور قلعی کرنے والے ایسی وجدان سے نہیں تھا، حالانکہ تمام نشانات اس کے توسط سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہیلبرٹ نے عموماً جدوجہد کے باوجود جو اس کے شاگردوں سے بھی جاری رہی تھی، ان مسائل کو حل نہ کیا جاسکا۔ اس عمل سے جو کامیابی حاصل ہوئی وہ تباہ محدود پیمانے پر تھی اور اس میں ریاضی کے میدان کے گہرے دریاؤں

اہم مسائل بھی شامل نہیں تھے، مگر ہل برٹ نے مید کا دامن پنے ہاتھ سے بھی نہ چھوڑا اور وقت گزرے کے ساتھ ساتھ اس کا بننا ہو یہ پروگرام محض منطق کی بعض صورتوں تک محدود ہو گیا اور اس کا کون تعلق ریاضی کے حقیقی مسائل کے ساتھ قائم نہ رہا۔ آخر کار جب ہل برٹ کی عمر 70 برس کی ہو گئی تو کرٹ گوڈل (Kurt Gödel) سے آئب بہت ہی روشن خیال طریقے سے یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ ہل برٹ نے تفصیل دیا تھا اس سے کچھ بھی حل نہیں کیا جاسکتا۔

گوڈل نے کہا کہ کسی بھی ریاضیاتی تفصیل میں جس میں عام حسابی قاعدے بھی شامل ہیں، کوئی صوتی عمل بیانات کو صحیح اور غلط ثابت کر سکتے والا موجود نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت کیا کہ وہ تنازعہ نجاب گوڈل تھیورم (Theorem) کے نام سے جانے جاتے ہیں یہ ہیں کہ ریاضی کی ہر تفصیل کے اندر جس میں عام حسابی قاعدے بھی شامل ہیں، ان میں ایسے باطنی حسابی بیانات موجود ہوتے ہیں، جو درست یا غلط ثابت نہیں کیے جاسکتے۔ گوڈل تھیورم سے ثابت کر دیا کہ حاضری ریاضی میں تعویض کام آئے ہی نہیں سکتی۔ یہ فیصلہ کرے کے ہے کہ ریاضیاتی بیان درست ہے یا نہیں اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ بیان کو کاغذی نشانات تک سے چاہا جیسے اور پھر ان نشانات کا مطالعہ کر لیا جائے، بہت معمولی حالات کے علاوہ ہم کسی بھی بیان کی صداقت کا اندازہ صرف اس کے معانی کے مطالعے ہی سے کر سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا حوالہ ریاضیاتی خیالات کی دنیا کی وسعت ہونا چاہیے۔

یہ ایک عجیب تناقض (Paradox) ہے کہ سائنس کے مدر عقیم ترین اور سب سے زیادہ عقلی خیالات، اس وقت دریافت ہوتے ہیں جب قوت عقیدہ کو تمام پابندیوں سے آزاد کر دیا جائے اور حیرت کی بات سے کہ جو لوگ اس عمل میں سے گزرتے ہیں وہ اپنی زندگی کے آخری برسوں میں تھوڑی فلسفے کا شکار ہو جاتے ہیں اور یوں اس کی عقلی قوتیں رائل ہو جاتی ہیں۔ اس تناقض کی سب سے بڑی مثال تو ہل برٹ ہی ہے، البتہ اس کی ایک اور مثال البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) بھی ہے۔ ہل برٹ کی طرح آئن سٹائن سے چارلس برنس کی عمر تک اپنا عقیم عقلی کام پھر کسی تھوڑی تعصب کے کیا۔ اس کا شاہکار کارنامہ بھی، تجلیب کا عمومی نظریہ اضافیت (The General relativistic theory of gravitation) قدمی عمل کے گہرے طبیعیاتی مطالعے کا نتیجہ تھی۔ تجلیب کی تفسیر کی دس سال

جدوجہد کے خاتمہ پر اس سے جو کچھ حاصل کیا اس کو میدان مساوات کے لائننگی سلسلے میں ڈھلوانی دی گئی۔ برٹن کی طرح جب وہ پوچھا تو اس سے اپنی توجہ ریادہ تر اپنی مساوات (Equations) کے صوری خواص پر مبہوت کر لی شروع کر دی اور اس کی دلچسپی حیات کی کائنات کے وسیع تر میدان سے کم ہوتی چلی گئی۔ حالانکہ اس کی مساوات کا خمیر انہیں سے تھا تھا۔

اس نے اپنے جیسے برس مساوات کے ایک ایسے سلسلے کو دریافت کرنے میں ضائع کر دیے وہ بے شرف تھے اس سے کوشش کی تھی کہ وہ تمام طبیعیات کو ایک وحدت کی صورت میں لے آئے مگر اس معاملے میں اس سے زور انہوں نے تخلیق ہوتی ہوئی تجرباتی ریاضتوں کو نظر انداز کر دیا تھا، جو شاید ہی کوئی وحدت بنا (Unifying) نظریہ بھی بیان کر سکے۔ مجھے سن سائنس کی اس افسانوی کہانی کے بارے میں کچھ نہیں کہنا کیونکہ یہ کہانی میرے ہی سے بہت معروف ہے۔ آئن سٹائن کی کہانی بھی سنی ہی ہے، جیسے ریاضی کے تمام فارمولوں کو ایک کاغذ پر درج نشانات تک لے آیا جائے، اس کی یہ کوشش بھی ویسے ہی ناکام ہوئی، جیسے کہ اہل برٹن کی ریاضی کو نشانات میں ڈھالنے کی خواہش، میں اس کی بجائے آئن سٹائن کی زندگی کے اور پہلو کو دیکھ کر بحث لانا چاہتا ہوں، جس پر اس کے وحدت بنا مساواتوں کے مقابلے میں بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ بلیک ہول (Blackhole) کے حیاں کے ساتھ، اس کی غیر معمولی خاصیت، بلیک ہول آپن ہائمر (Openheimer) اور سن ڈر (Synder) نے 1940 میں دریافت کیے تھے۔ آپن ہائمر اور سن ڈر نے آئن سٹائن کی اس مساوات کا جواب تلاش کر لیا تھا کہ جو یہ حیاں کرتی تھی کہ جب کسی بہت بڑی سیارے کی بے تکلیف (Nuclear) توانائی ختم ہو جائے اور وہ سے صرف کر چکے تو پھر یہ ہوتا ہے وہ ستارہ تجربی طور پر منہدم ہو جاتا ہے اور نظر آئے والی کائنات سے غائب ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے ایک ربر دست تجربی میدان (Field) چھوڑ جاتا ہے اور پھر یہی اس کے وجود کی نشانی ہوتی ہے۔ پھر یہ ستارہ مستقل طور پر اس عمل کا شکار ہو جاتا ہے وہ اپنے درجے تجربی گڑھے میں گرے ہی چلا جاتا ہے اور کبھی پہلے انجم کو نہیں پہنچتا۔ اس سائنس کی مساوات کا یہ شاہکار حل ہے دنیا تھا اور اس نے بعد کی فزکس (Astrophysics) پر بے پناہ اثرات مرتب کیے تھے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ چند سوچوں کی کیت (Mass) و لے بلیک ہول سے سے کر چنل
کھرب سوچوں کے بلیک ہول واقعی موجود ہیں اور کائنات کی تصاویرات میں غالب کر رہے
ہو کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں جہاں تک حیرت افزا ہوئے کا تعلق ہے، بلیک ہول کا
کوئی سراہہ ہی نہیں ہے اور یہی شاید عمومی صافیت کا عظیم ترین حصوں بھی ہے۔ بلیک ہول
کائنات کے وہ مقامات ہیں جہاں عمومی صافیت سب سے زیادہ جھڑکن ہے، مگر جن
سائنس سے ہٹی ہی واقعی اور دوقیوں سے کیا۔ اس سائنس بلیک ہول کے نظریہ کے سطح میں
صرف تکلیف کا شکار رہا بلکہ وہ اس سے باقاعدہ خاصیت رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بلیک
ہول کا تصور اس کے نظریہ پر ایک دھماکا ہے۔ اس کے لیے کوئی بہتر ریاضاتی تشکیل
(Formation) ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ہمیں جو صرف مشاہدے ہی سے تصدیق کی جاسکے۔ اس
نے کبھی بھی بلیک ہول کے سلسلے میں کوئی امتیازی ظاہر نہ کیا۔ یہ ہی تصور (Concept) کے طور
پر اور یہ ہی طبی حقائق کے طور پر حیرت کی بات یہ ہے کہ خود اپنا یا کیمرا اپنی زندگی کے
آخری برسوں میں بلیک ہول کے معاملے میں بے نیاز ہو گیا تھا، اگرچہ کچھ وقت گزر جائے
کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سائنس میں قابل قدر حصے تھے۔ بڑھاتے سائنس اور
بڑھتا اوپن ہائمر بلیک ہول کے رسیاق حسن کو، کچھ نہ پائے اور اس سوال کے سلسلے میں بے
تعلق ہو سکتے۔ یہ سب تعلق اور یہ اندھا پن کیسے در آیا؟ میں نے یہ سوال کبھی سائنس سے
نہ پوچھا مگر میں نے یہ سوال متعدد بار اپن ہائمر سے کیا اور یہ میرا خیال ہے کہ اوپن ہائمر
کا جواب ہی شاید اس سائنس کا جواب بھی ہوگا۔ اوپن ہائمر اپنی زندگی کے آخری برسوں میں
یہ محسوس کرتا تھا کہ صرف وہی مسئلہ نظریہ طبیعات میں توجہ کے قابل ہے، جس کی پیروی
بیادری طبیعتی مساوات پر رکھی جاسکے، یعنی سائنس سائنس کا بھی یہی خیال تھا۔ درست
مساوات تلاش کرنا ہی اصل کام ہے۔ جب آپ ایک بار کوئی ایسی مساوات تلاش کریں تو
پھر کسی حل کو تلاش کرنا اس مساوات کے حوالے سے ایک عام کام ہو جانے کا اور یہ کام
دوسرے درجے کے ماہرین طبیعات اور گریجویٹس کرنے والے طلباء کرتے رہیں گے۔ اوپن
ہائمر کے خیال میں یہ اس کے باہر سے قیمتی وقت کاریاں ہوگا کہ ہم کسی خاص حل کی تلاش
میں لگے رہیں۔ چنانچہ اس طریقے سے تحریکی فلسفے نے آئن سٹائن اور اوپن ہائمر کو گمراہ کیا،
چونکہ طبیعات کا مقصد ہی یہی سمجھ گیا تھا کہ وہ تمام طبی مظاہر کو چند تنہا مساواتوں تک

محدود کر دے۔ لہذا کسی خاص حل کا مطالعہ جس میں بلیک ہوں بھی شامل تھا، غیر مستحسن تھیں۔ کیونکہ اس وجہ سے اس مقصد سے نتیجہ ہٹ جاتی ہے۔ حل برٹ کی طرح کہ وہ کسی خاص مسئلے کو ایک ہی پارسل کر لیا جائے لہذا وہ اپنی رہائی کے آفس جسے میں کوئی بھی مسئلہ حل کرنے میں ناکام رہے۔

سائنس کی تاریخ میں بھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تھوڑی تبدیلی نظر کسی بہت بڑی کامیابی کی طرف لے جاتا ہے، کئی اوقات کسی پیچیدہ نظام کو سمجھنے کے لیے، اس کے اجزائے ترکیبی (Component Parts) کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے اور کئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سائنس کا کوئی مکمل میدان عمل چانک کسی واحد بنیادی مساوات کی دریافت سے قابل فہم ہو جاتا ہے۔ یہ واقعہ سن وقت جب شوڈنگر (Schrodinger) کی مساوات 1926ء میں دریافت ہوئی، پھر 1927ء میں ڈیراک (Dirac) کی مساوات جو پوری طبیعیات (Atomic Physics) کے پراسرار عمل میں ایک معجزہ تنظیم سے تھی۔ شوڈنگر اور ڈیراک کی مساوات جو طبیعیات کی فتح تھی، پریشان کر دیا وہی کیمیاؤں اور طبیعیات کے گہرے گہنوں کو کھٹکھٹا کر پھر سے کی روشنیوں کی علامات میں پہنچی تھیں۔ یہی فتوحات اوپن ہارمر کے ذہن میں تھیں جب اس نے اپنی بلیک ہوں کی ریاضت کو محسوس شے سمجھا تھا، ڈیراک کی مجرد خوبصورت اور سادہ مساوات کے مقابلے میں، اس کو پتا بلیک ہوں پر ضرورت، پیچیدہ اور بنیادی اہمیت سے عاری لگتا تھا۔

مگر سائنس کی تاریخ میں کم از کم ایسا کئی بار ہوا ہے کہ کسی مربوط نظام کے اجزائے ترکیبی کی تفہیم پر اسے نظام کے کردار کو سمجھنے بغیر ممکن ہی نہ ہو اور اب اکثر ہوتا ہے کہ ریاضیاتی نوعیت کی کسی مساوات کو بغیر اس سے حاصل ہونے والے حل کے مطالعے کے سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ بلیک ہوں بھی اسی طرح کا معاملہ ہے۔ بغیر مبالغہ کیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کی عمومی صوابیت کی مساوات کو بلیک ہوں کے نظریے سے پہلے بہت سطحی طور پر سمجھا گیا تھا اور اب جبکہ بلیک ہوں کو ایجاد ہوئے پچاس برس ہو چکے ہیں تو وہاں، مکان کی ساخت (Structure) جیومیٹری کی تفہیم گہرے ریاضیاتی انداز سے ہوئے گئی ہے، اور اس ساخت میں بلیک ہوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ سائنس کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ دونوں سمتوں میں پیش قدمی کی جائے۔ گل سے نیچے اچھڑنے کی طرف اور پھر جو سے اوپر گل کی طرف۔ ایک تھوڑی غلط جو پنے طور پر تفہیم کی مشورہ کا دعویٰ کرنا ہے: ایک ہی سمت میں

سزا کر دیا ہوتا ہے اور اس کا کوئی سائنسی مفہوم نہیں ہے۔ جادو (Magical) فلسفیانہ یقین، خواہ وہ کسی قسم کا بھی ہے، سائنس کے اندر اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

سائنس اپنی مددگار کی عملی صورت میں، فلسفے سے کہیں زیادہ آرٹ کے مزید ایک ہے۔ جب میں گولڈ کے ثبوت کو اس کی غیر فیصد کن تعمیر میں شکل میں دیکھتا ہوں، تو وہ مجھے فلسفیانہ دلیل نہیں لگتی۔ یہ ثبوت تو مجھے کسی بلند تعمیر کا حصہ لگتا ہے، یہ ہی یکتا اور خوبصورت ہیرو کے شاعرے گرچا (Charles Gachadze) گولڈ نے ایل برٹ کی ریاضی کی صورت (Axioms) کو انٹوٹوں کے طور پر استعمال کیا، اور پھر اس کی مدد سے اس نے حیات کا ایک عظیم ڈھانچہ بنا دیا، پھر اس ڈھانچے میں اپنے اعلیٰ حیالات کے حامل ہیر فیصد کن صاف بیان کو محراب کے اندر اعلیٰ چتر بنادیا۔ یہ ثبوت آرٹ کا شاہکار ہے، یہ ایک تشکیل ہے، تحویل نہیں ہے، اس نے ایل برٹ کے اس خواب کو پارہ پارہ کر دیا جس کی مدد سے وہ ساری ریاضی کو محض چند مساوات تک محدود کر دینا چاہتا تھا اور پھر اس نے اس کی جگہ ریاضی کے ایک ایسے خوب کو سہ دی، جو حیات کی بد وقت نشوونما ہے وہی اعلیٰ قلم تھی۔ گولڈ نے ثابت کر دیا کہ ریاضی میں کل ہمیشہ اجزائے ترکیبی سے بڑا ہوتا ہے۔ ریاضی کی ہر تشکیل سوالات (Formalism) سے ماورا ہوتے ہیں اور اسے علاقوں میں داخل ہو جاتے ہیں، جن کی چھان بین نہیں کی جاتی۔

آئن سٹائن کی مساوات کا اعلیٰ بطور بنیک ہوں، بھی ایک آرٹ کا شاہکار ہے، بنیک ہوں ایسا شاہکار تو نہیں ہے، جیسا کہ گولڈ کا ثبوت ہے، مگر اس میں آرٹ کے شاہکار کی تمام خوبیاں موجود ہیں مثلاً یکتائی (Uniqueness)، حسن، اور غیر متوقع پن (Unexpectedness) اور ہنر اور سینڈرے آئن سٹائن کی مساوات کو ایک ایسی ساخت عطا دیا جو جوہر آئن سٹائن کے دائم و گمان میں بھی نہ تھی۔ یہ خیال کہ مادہ (Matter) مستقل آزاد (Permanent Free Fall) کی حالت میں ہوتا ہے، اس مساوات میں مضمر تھا مگر یہ کسی نے دیکھا نہ تھا اس کی خبر اس وقت ہوئی جب اوپن ہائیر اور میٹلر نے حل نکال دیا۔ بہت ہی کثیر سطح پر نظریاتی ماہر طبیعیات کے طور پر خود میرن سرگرمیاں کچھ ایسے ہی خواص رکھتی ہیں، میں جب کام کرتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ بجائے کسی طریقہ کار پر چلنے کے میں بہتر تخلیق کر رہا ہوں جب میں سے نوجوان کے طور پر ہوتا سب سے اہم کام کیا اور تو مونا گا

(Tomonaga) شوئنگر (Schwinger) اور نے مین (Feynman) کے خیالات کو جمع کر کے کوہنم برقی حرکیات (Quantum electro Dynamics) کا کوئی سادہ ورژن (Version) بنایا تو میرے دہس میں شعوری طور پر ایک استعارہ (Metaphor) موجود تھا۔ جو اس کو بیان کر سکتا تھا اور وہ استعارہ یوں بناتا تھا۔ نومانکا شوئنگر نے لاطینی کے دریا کے آئین کنارے پر غوس پیدا و تعمیر کردی تھی۔ نے مین نے دوسرے کنارے پر غوس بنیاد پائی ہوئی تھی۔ قصہ وہی (Gandhara) کو دیوں طرف سے بڑھتا تھا حتیٰ کہ ایک ایسا مقام آجاتا جہاں وہ ایک دوسرے سے مل جاتے یہ استعارہ ایک اچھا استعارہ تھا۔ جو پل میں سے بنایا تھا دو تاج بھی کا تھا ہے اور اب تک بھی چائیس میں گر رہا ہے کے باوجود بھی ٹریفک اس پل پر سے گزر رہا ہے۔ اور پل کا یہی استعارہ وین برگس (Weinberg) اور عبدالمسام کی وحدت پیمانی (Unification) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب انہوں نے برقی حرکت و مرکز و تعامل (Interaction) کے مابین بھی نیکی کا رکھا تھا۔ ہر معاملے میں جب وحدت پیمانی کا کام ہو چکتا ہے تو پھر کل اپنے جزا سے بڑا ہوتا ہے۔

اٹنا چند برسوں میں سائنس کے مورخین میں یہ قاعہ رہا ہے، بھس بتے ہیں کہ سائنس کے پیچھے معاشرتی عوامل کام کرتے ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں کہ سائنس معاشرتی طاقتوں سے ارتفع ہے، وہ اپنی ہی منطق کے بل بوتے پر آگے بڑھتی ہے اور اس کے پیش نظر قدرت کے معروضی حقائق ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے مورخین معاشرتی تاریخ لکھتے ہیں۔ دوسرے گروہ کے تاریخ دان دانشور۔ تاریخ تحریر کرتے ہیں، چونکہ میرا یقین ہے کہ سائنس دانوں کو ٹرنسٹ اور باقی ہونا چاہیے اور معاشرتی مطالبات اور فلسفیا۔ اصولوں سے بالاتر ہو کر ان کو اپنی دہست پر بھروسہ کرنا چاہیے، میں ان کے نظریہ تاریخ سے کھس اتفاق نہیں رکھتا، تاہم سائنس دانوں کو تاریخ دانوں کی باتوں پر بھی کان دھرنا چاہیے، ہمیں معاشرتی تاریخ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔

کئی برس پہلے جب میں ریورج میں تھا تو مجھے ایک ڈرامہ ویلجے کا اتفاق ہو جس کا نام ہی طبیعیات دان (Physiologist) تھا یہ سونیٹرر بیٹل کے ڈرامہ نگار ڈیورنما میٹ (Durrenmat) نے لکھا تھا، اس کے کردار مضحک اور گزشتہ شکلیں والے (Grotesque) (Caricatures) تھے، دو کاسٹیوم (Costume) پہنے ہوئے تھے اور ان کے نام لیون، آئن شٹائن

اور موبیئس (Mobius) وغیرہ تھے اور سارا ہمیشہ ایک پاگل خانے میں وقوع پذیر ہوا تھا جہاں یہ باہرین طبیعیات و مریض کے طور پر داخل تھے۔ پہلے ایکٹ میں وہ اپنی تفریح طبع کے لیے اپنی نرمیوں کو قائل کرتے ہیں اور دوسرے ایکٹ میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ وہ دشمن کی اعلیٰ جنٹ سروٹ کے غلبہ ایجنٹ ہیں۔ مجھے یہ ڈرامہ خاصہ خوش گوار لگا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ میں گھبراہٹ کا شکار بھی ہوا۔ یہ بے معنی مخلوقات جو سٹیج پر دکھائی گئی تھیں کسی بھی حقیقی باہر طبیعیات سے کوئی مماثلت نہ رکھتی تھیں۔ میرا ایک دوست مارکوس فیسر (Markus Fieser) جو سٹینڈر لینڈ کا معروف طبیعیات دان تھا اور میرے ساتھ ہی ڈرامہ دیکھے آیا تھا، میں نے اس سے ڈرامے کے غیر حقیقی ہونے کی شکایت کی۔ میری بات کے جواب میں فیسر نے کہا: "اس ڈرامے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہم (اپنے علاوہ) دوسرے انسانوں کو کس طرح دیکھتے ہیں۔"

فیسر درست کہتا تھا چنانچہ کے ساتھ نیکی اور اخلاقی بلندی کا علاقائی تعلق، وہ سٹیج (Image) ہے سائنس دانوں سے روایتی طور پر ہمیشہ قائم رہا ہے اور لوگ اب بھی اس کا احترام کرتے ہیں مگر اب یہ عزتوں کا ہے، لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ سائنس دانوں کا غیر متعصب رویہ اب بھی جھوٹ ہے۔ یہ تو یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ وہ غیر ذمے دار شیطاں ہیں، جو سائنس دانوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ دیارین منہ لے ہمیں آئینہ دکھایا ہے، وہ ہمیں اس روپ میں دکھایا ہے، جس میں ہر دم کو عام طور پر دیکھتے ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان واقعوں کو حقیقت کی حد سے دور کریں اور لوگوں کو یہ بتائیں کہ سائنس دان، نہ شیطاں ہیں نہ فرشتے بلکہ وہ سائنس دان ہیں اور ان کی کنوریوں ہماری نوع کی کنوریوں جیسی ہیں۔

وہ سائنس دان جو سائنس کے اعلیٰ اور رفیع ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، انہوں نے سائنس دانوں کو بھی دانشورانہ دنیا کی اعلیٰ اور رفیع مخلوق بتا دیا ہے اور ان کو فانی لوگوں سے بلند کر دیا ہے: وہ ہمیں اس معاشرتی دنیا میں غیر ارمی اور طبع سے برتری دیتے ہیں جو سائنس دان بھی یہ دعویٰ کرتا ہے اور اپنے آپ کو مثالیت کے اس اعلیٰ درجے پر فائز سمجھتا ہے، اس کو آسانی کے ساتھ کوئی جتن یا پاکیزہ فراڈ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ سچی کو معلوم ہے کہ سائنس دان بھی نیلی ویژن کے حلقی رہنماؤں اور سیست و انوب کی طرح، کون ایسی مخلوق

نہیں ہیں جن پر کرسٹن اور طاقت اور پیسے کے اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں۔ سائنس کی تاریخ کا بہت سا حصہ سب کی تاریخ کی طرح ایک ایسی جدوجہد کی داستان ہے جس میں طاقت اور روپیہ دونوں ہی موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ مکمل کہانی نہیں ہے۔ حقیقی برویش بھی کبھی کبھی پنا کر ادا کرتے ہیں (مذہب اور سائنس دونوں میں) آئن سٹائن سائنس کی تاریخ کی ایک حقیقی اہم شخصیت تھا اور طبیعت میں ہفتہ ایمان رکھتا تھا۔ آئن سٹائن کے لیے سائنس ریاضی حقیقت سے ایک عرصہ اور وہ اس بات کو چھپاتا بھی نہیں تھا، بہت سے سائنس دانوں کے لیے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اعلیٰ عطیہ سے نہیں بھی نوازا جتنا کہ آئن سٹائن تھا، سائنس دان ہونے کی جزا قوت نہیں ہے اور نہ ہی دولت بلکہ یہ ہے کہ وہ قدرت کے ارفع بحال کی ایک بھلک دیکھ سکیں۔

سائنس میں بھی اور تاریخ میں بھی بہت سے اسلوب اور مقاصد کے لیے گنجائش موجود ہے۔ سائنس کی ارضیت اور معاشرتی تاریخی حقائق میں کوئی لازمی تھوڑا موجود نہیں ہے، یہ ایمان بھی رکھا جاسکتا ہے کہ سائنس میں قدرت ہی حریف آخر ہے مگر اس کے باوجود یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ حرف سخن اکر نے سے پہلے ایک بہت بڑا اکر دار عملی سائنس کے اندر اسات کی حوصلہ ور شراکتی کا بھی ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مورخین کا کام یہ ہے کہ وہ طاقت ور روئے ن پوشیدہ اثرات کو سب سے ظاہر کریں اور ان کے ساتھ یہ بھی بتائیں کہ قدرت کے قوانین کو چھکا یا نہیں جاسکتا اور نہ ہی ان پر طاقت اور روئے کا کوئی اثر ہوتا ہے۔ میرے خیال میں سائنس کی تاریخ اس وقت سب سے زیادہ سبق سمجھتی ہوئی ہے، جب ایسی اراکاروں کی ضروریات قدرت کے قانون کے مقابل آتی ہیں جو طبیعت کا حامل ہے، ایک رابطہ تکمیل دیتے ہیں۔

فرانسس کرک (Francis Crick) تاریخی صدی کا ایک عظیم سائنس دان ہے۔ حال ہی میں اس نے اپنا ایک مقالہ 'خوردنی حیاتیاتی انقلاب' (Microbiological Revolution) کے بارے میں رقم کیا ہے کہ وہ کس طرح اس انقلاب کو بروئے کار لے میں مددگار ثابت ہوا، اس کا عنوان اس کے کیس (Kosits) سے مستعار ہوا تھا What Mad Pursuit اس کے سب سے زیادہ روشن پیرامیٹروں میں، دو ایسی دریافتوں کا تعلق کیا گیا ہے جس میں وہ ذاتی طور پر شریک تھا۔ ایک تو اس کی دریافت ہے جس کا تعلق دوہری مزدنی (Double

(Helix) ساخت کے ڈی این ای اے سے ہے، اور دوسری دریافت منہری مڑولی ساخت (Triple Helix Structure) کولاجن (Collagen) سبب (Molecule) ہے۔ دونوں سائے حیاتیاتی طور پر اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈی این ای اے کو جنینی معلومات سے کرچلتے ہیں، اور کو، جن وہ پروٹین ہے، جو انسانی جسم کو قائم رکھتی ہے۔ دونوں دریافٹوں میں ایک ہی طرح کی تکنیک درکار تھی اور اس کی وجہ مختلف سائنس دانوں میں متاثرہ کی جڑوں کی روڑ تھی کہ کون سب سے پہلے کامیابی حاصل کرتا ہے اور کسے یہ ساخت دریافت کرنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

کرک کہتا ہے کہ دونوں دریافٹوں سے، اسے ایک نئی امنگ اور ایک نئی خوشی حاصل ہوئی، اس وقت جب وہ ان پر کام کر رہا تھا اس تاریخ دان کے نقطہ نظر سے جو سائنس کو عالمنا معاشرتی تفکیر سمجھتا ہے۔ دونوں دریافتیں ایک ہی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، مگر تاریخ میں جیسا کہ کرک کو خود تجر بہرہ دوادوں میں ایک طرح سے نہیں تھے اور۔ بل وہ براہ تھے، ذیل میں ایک نئی سائنس کی نشوونما پانے والی قوت بنا کر فریل ہیلکس ایک ریریں حاشیہ کی طرح بنے جس سے صرف مخصوص کاروں ہی نوچیں ہو سکتی ہے۔ کرک سے سوال کیا گیا کہ اس دونوں کے درمیان جو فرق ہے اس کو کس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ انسانی اور معاشرتی اثرات اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ اس میں کیا فرق ہے۔ یہ ذیل ہیلکس کی ساختی رفع جو ہوتی تھا اور اس کا جنینی تفاعل تھا جو اس فرق کو بیان کر سکتا ہے۔ یہ فیصد خود بچہ کا تھا کہ کون سا مادہ اہم ہے یہ کسی طرح بھی سائنس دان کا انتخاب نہیں تھا۔ ذیل ہیلکس کی تاریخ میں اربعت حقیقی تھی۔ کرک اس بات کا کریڈٹ اپنے آپ کو دیتا ہے کہ اس سے کام کرنے کے لیے ایک اہم مسئلے کو چنا تھا مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے یہ خود بچہ ہی بنا سکتی تھی کہ یہ اوقیت کے اختیار سے اس قدر ہم نکل آئے گا۔

میر پیغام یہ ہے کہ سائنس ایک سائنی سرگرمی ہے اس کو سمجھنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود انسانی فرد کو سمجھا جائے جو سائنس کو بروئے کار لاتا ہے۔ سائنس ایک آرٹ فارم ہے، کوئی فلسفیانہ طریق کار نہیں ہے۔ سائنس کی عظیم پیش قدمیاں عام طور پر کسی فلسفیانہ نقطہ نظر کی وجہ سے عمل میں نہیں آتیں بلکہ کسی نئے آلے (Tool) کی وجہ سے آتی ہیں

اگر ہم سائنس کو کسی ایک نقطہ نظر میں سمیٹنا چاہیں، جیسے کہ مثال کے طور پر تحقیقیت میں تو ہم پروکریسٹس (Procrustes) کی طرح ہو جائیں گے جو بے مہمان کے پاؤں اس بے کات و بنا تھا کہ وہ اس کے بستر پر پوسے نہیں آتے تھے۔ سائنس صحیح معنوں میں اس وقت ترقی کرتی ہے جب وہ میسر آئے والے تمام تلاوت کو مستحال کر سکے اور وہ الہ تصورات سے آزاد ہو کر سائنس کو کسی طرح کا ہوتا چاہیے۔ جب بھی ہم کوئی بڑا آلہ متعارف کرواتے ہیں تو وہ ہمیشہ کسی نئی اور عظیم توقع و دریافت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ قدرت کی قوت مکملہ بلقیہ ہم سے بہتر ہے۔

☆☆☆

لوئیس ٹامس (Lewis Thomas)

لوئیس ٹامس جامس علم تکفیس مرض کا ماہر ہے۔ وہ امریکہ کے کئی ہسپتالوں اور میڈیکل کالجوں میں مختلف عہدوں پر کام کرتا رہا ہے۔ نیویارک کے سلون کیسر سنٹر کا چانسلر بنے سے پہلے وہ سمیت سب اس ادارہ کا صدر رہا ہے۔ آج کل وہ اس ادارہ کا چانسلر ہے۔ اس کی کتاب *The Lives of a Cell* سے سائنسی مضامین لکھے: انہوں کی ہرمت میں نمایاں مقام ملا رہا ہے۔ یہ کتاب سال کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب تھی۔ اس نے اپنی آپ *The Youngest Science* میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ طب کو سب سے کم عمر سائنس کیوں کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ زمانہ حال کی نئی بات ہے کہ ڈاکٹروں نے امراض کے علاج کی کافی اہلیت حاصل کی ہے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر یا معالجہ مریضوں کو زیادہ وقت سے کراں کو قتل دیتے تھے اور بیماری کو پتی مقرر و مدت پوری کرتے اور مریض کو صحت یاب ہونے کا موقع دیتے تھے۔

سات عجب بات

ابھی بھی مجھے نیک رسا سے کے مدیر کا خط ملا ہے، جس میں مجھے دعوت دی گئی ہے کہ میں آج رات کا کھانا چھپے لوگوں کے ساتھ کھاؤں جو جدید دنیا کے سات عجائبات کی قبرست محل کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ عجائبات پائے عجائبات کی جگہ سے نکلیں۔ کیونکہ یہ عجائبات قصہ پارینہ ہو چکے ہیں۔ میں سے جو پادشاہ میں شریک رہا ہوا ہوں گا، تنی قلت میں میری شرکت ممکن نہیں مگر اس کے باوجود میں اس سوال سے جان چھڑاؤں گا۔ وہ کہیں نہ کہیں میرے ذہن کے اہلکاروں میں گھومتا رہے۔ پھر میں پرانے حیات نامی 'کم درجے والے عجائبات کوڑا بن میں لایا ہاٹل کے صحن پر لٹا ہوا (Hanging Gardens of Babylon) اور باقی دوسرے میں سے عجائبات کے لفظ پر غور کیا، تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ جو کچھ میں نے اس کے بارے میں سمجھا ہے درست ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کیا رسا کے والے سات آدمیوں کو ایک قبرست پر متفق کر سکیں گے؟ وہ کسی ایسی سات چیز پر ہیں جو جدید دنیا کے سات عجائبات کہلاتی ہیں، کیا ان کا فیصلہ کھانے کی میز پر ہو سکتا ہے؟

'عجب' ایک ایسا لفظ ہے جس کے بارے میں پہلا تاثر حیرت کا ہے، یہ بیانات کا ایک متن مرموز کرنا ہے، کوئی ایسی چیز جو شاعرانہ، معجزانہ، حیران کر دینے والی ہو، پنے بارے میں ایسے سوال اٹھاتی ہو جن کا جواب نہ دیا جاسکتا ہو، بلکہ کچھ سوال تو شک و شبہ پر اترنے والے بھی اس کی وجہ سے پیدا ہوتے ہوں۔ "مجھے اس کے بارے میں حیرت ہے"

معجزہ (Miraculous) اور شاندار (Marvelous) ہوتا رہا۔ نشانات ہیں یہ دونوں لفظ یعنی Miraculous اور Marvelous قدیم عذوبہ یورپین ماخذ رکھتے ہیں، جن کے معنی صرف مسک سے یا پسینے کے ہیں۔ کوئی عجب شے وہ ہوتی ہے جسے دیکھ کر مسکریا یا ہنس جائے اور ایسا اس کی پسندیدگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایڈمائریشن (Admiration) کا لفظ بھی وہی ماخذ رکھتا ہے اور اس کے ساتھ "میر" (Mirror) کا لفظ بھی ہے۔

میں نے مسئلہ کیا کہ میں بھی ایک فہرست بناؤں گا رسالے کے لیے یا عشاق کے دعوت کے لیے نہیں، بلکہ اس مقصد کے لیے کہ آخر میں کن سات چار سات پر سب سے زیادہ حیرت کا ظہار کر سکتا ہوں۔ میں اپنے غائب میں سے پسینے کا ظہار آخر میں کروں گا۔ سہ حال ہم "گے چلنے ہیں میری فہرست کا دوسرا عجوبہ ایک جرثومی سور (Bacterial Species) سے تعلق رکھتا ہے یہ جرثومہ ۱۸۸۲ء تک کبھی نیا کی سطح پر نظر نہیں آیا وہ زندہ تھا مگر ان قوانین کو توڑتے ہوئے جھپٹیں ہم قدرت کے قوانین کہتے ہیں یہ کوئی سی شے تھی جو گویا دوزخ ہی سے آئی تھی۔ ہم دوزخ کے بارے میں کبھی کچھ تو سوچتے رہتے ہیں کہ وہ زمین کا اندرونی حصہ ہے، جو اس قدر گرم ہے کہ وہاں رہا نہیں جا سکتا، یہ مطلق حال ہی میں سائنس کے علم میں آئے ہیں، حقیقی آبدوز (Submarine) کی مدد سے جو اس مقصد سے ڈیڑھ سو سال کی گئی تھی کہ وہ ڈھائی ہزار میٹر تک نیچے تر سکے یا شاید اس سے بھی زیادہ یا وہ سمندر کی تہ کے ضرورت سے زیادہ گرم پانی کے باور میں کی چھال سے باہر پھینکتے ہیں اور اس کو سمندری سائنس دان (Oceanographic Scientist) سیاہ دھواں (Black Smoke) کہتے ہیں۔ یہ پھل گرم پانی نہیں ہے اور مدنی بیبارہن کے خود کار جہاز (Autocleave) کی بھاپ ہے جسے بہت دہاؤ میں دھا جاتا ہے۔ ہم کئی عشروں تک یقین کرتے رہے ہیں کہ وہ خوربین سے نظر آنے والی رنگی کو جلا کرنے کا کیمیائی طریقہ ہے یہ انتہائی گرم پانی ہے، جس کو انتہائی زیادہ دباؤ (Pressure) میں اکٹھا کیا ہے اور اس کا دہجہ حرارت 300 ڈگری سنٹی گریڈ (Centigrade) ہے۔ اس درجہ حرارت میں زندگی کا موجود ہونا جیسا کہ ہم جانتے ہیں تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اس میں تو کھجے (Pollen) اور ڈی این اے (D.N.A.) اور حامی (Enzyme) بھی ٹوٹ پھوٹ کر پھیل جاتے ہیں اور کوئی بھی مادہ چر وہاں فوراً مر جاتی ہے۔ ہم سے بہت پہلے کھج اس مواد پر مشتمل پر زندگی کے وجود سے انکار کیا تھا

کیونکہ اس سیر سے پر بے پناہ گرمی پڑتی ہے اور نام سے خود پانی زمین پر بھی بخاراتی رہا ہے
میں زندگی کے ہوئے سے اسی باعث نکلا گیا تھا۔ یہ بات کوئی چار بیس سال پہلے سے تعلق
رکھتی ہے۔

یہ ہے سے باروس (Barros) اور جے ڈیمینگ (J.W. Deming) کے
حال ہی میں یہ دریافت کیا ہے کہ گہرے سمندر کے موگے (Vents) میں سے جو پانی باہر
اچھلتا ہے اس کے اندر پیچھے جاگتے جو ٹیم کی گاہا دیں موجود ہوتی ہیں۔ ہر حال جب وہ سطح
پر آ جاتے ہیں تو ان کے گرد ٹیٹا نام دھات (Titanium) کے جھلے (Syringes) ہوتے ہیں
اور وہ اس طرح مہر بند (Sealed) ہوتے ہیں کہ ان کے اندر دباؤ دانی حرارت ۲۵۰ ڈگری
سلی گریڈ کی ہوتی ہے۔ اس میں جراثیم (Bacteria) نہ صرف زندہ رہتا ہے بلکہ تیزی سے پانی
انفر آتش بھی کرتا ہے۔ ان کو مارنے کا طریقہ یہ ہے کہ اچھے پانی کو انتہا سمندر کر دیا جائے
مگر اس کے باوجود وہ دیکھنے میں عام جراثیم کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ لیکن ان دور میں
پر ان کی ماری ساخت بالکل دیکھی ہوتی ہے۔ جیسے حلیاتی دیواریں (Cell walls) کی
پوسم (Ribosomes) اور دوسری تمام چیزیں۔ گردہ دیکھ ہی ہوتے جیسا کہ اب خیال کیا جا
رہا ہے یعنی حاصر قدیمی جراثیم (Archbacteria) جو ہم سب کے ہاؤ وچلر کے پاس جاسکتے
ہیں تو پھر یہاں سے ان کے حاصر (Progeny) لے لیں گے کیسے سیکھا؟ میں اس سے زیادہ
عجب کرتا ہوں کہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔

تیسرے سر پر آنا کے سائڈر (Oncoideres) کا عجوبہ ہے یہ بھورال (Baetle)
کی ایک بہت چھوٹی نوع ہے جسے میرے ایک دوست باہر جڑو میاں (Palitologist) سے
ریاست کیا ہے جو ہوسٹن (Houston) میں رہتا ہے اور اس کے بائیں بائیں چھوٹی سوئی
Kalmosa پورے لگے ہوئے ہیں۔ یہ بھورال یا نہیں ہے مگر جدید ریا کا ایک نچو بہ ضرور ہے
کیونکہ ارتقائی حیات دان اس کے بارے میں نہایت ہی جدید سوال اٹھاتے ہیں۔ اس کی
باد تین چھریں کیے بعد دیگر سے کرتی ہے اس کے وہاں میں پہلا خیال چھوٹی سوئی کے
درخت کا ہونا ہے جسے وہ تلاش کرتی ہے اور پھر اس پر چڑھ جاتی ہے اس کے ارد گرد پھیرے
ہوئے جسم جسم کے درختوں کو وہ نظر انداز کر دیتی ہے۔ اس کا دوسرا خیال انڈے دینے کا ہونا
ہے وہ ایک دان پر رینگ کر یہ کام سرانجام دیتی ہے مگر اس سے پہلے وہ طوں ہدی

(Logitudinal) جھری (Silt) ڈالتی ہے اور اس کے لیے وہ پنا چاہیے Mandible استعمال کرتی ہے۔ پھر اس جھری کے نیچے سچے اڑے کھنڈا کرتی ہے اس کا تیسرا اور آخری خیال یہ ہوتا ہے کہ اس کے پھر کی پوش ضرور ممکن ہو جائے بھونڈے کا لاروا (Larvae) مردہ لڑکی کے اندر مردہ نہیں رہ سکتا چنانچہ وہ ایک ٹٹ کے قریب پیچھے ٹٹ ہے اور ڈال کے گرد ایک صاف ستھرے درز کی شکل کا حلقہ کاٹی ہے جو پھال (Bark) سے شروع ہوتا ہے اور فارفہ Cambium تک پلا جاتا ہے پٹی اس کیبلس (Cable) کو بنائے میں سے تھ گھسنے لگتے ہیں پھر وہ چلی جاتی ہے اور مجھے نہیں معلوم کہاں جاتی ہے۔ وہ ڈال حلقہ گری کے اس عمل میں مردہ ہو جاتی ہے اور جب اگلی بار ہو جیتی ہے تو زمین پر راتی ہے اس طرح بارہو پٹی حورک حاصل کرتا ہے اور اگلی سال شروع ہونا شروع کر رہی ہے مگر کچھ سوال ایسے ہیں جن کا کوئی جواب حاصل نہیں ہوتا یہ "خس طرح ممکن ہوا کہ دھکا کے عمل کے دوران بارہو کے + بن میں یہ نہیں خیال ایک وقت میں راہ پا گئے؟ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ بن میں سے کوئی ایک خیال اس سے + بن میں نقش ہو جاتا اور باقی دو خیال مردہ جاتے اور دھو بھورے کے رد کو متعین رہتا آخر یہ سب طرح ممکن ہو کہ بن بالکل ہی جدا گانہ خیالات جو کردار کے تین انتہائی مختلف حصے ہیں نکلی ہو گئے؟ ایک خاص درخت ندوں کے لیے جھری بتا ہے کہ عمل در پھر حلقہ مادی کے سے ڈال کا استعمال بھورے کے جھری (Gonea) میں اتفاقی واقعہ (Random Chance) کے طور پر ایک ساتھ کیسے ممکن ہو گئے؟ کیا اس تیر طر بھورے کو یہ معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اور اس کے ارتقا کے دوران چھوٹی موٹی کے پورے کی تصویر اس کے ذہن میں داخل ہوئی اگر ان پوروں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ان کی عمر ۲۵ سے ۳۰ سال تک ہوتی ہے۔ لیکن اگر ان کی قطع برید کی جائے جیسا کہ مجھڑا کرتا رہتا ہے تو اس کی محنت کی وجہ سے یہ پورہ ایک صدی تک زندہ رہ سکتا ہے۔ چھوٹی موٹی اور بھورے کا رشتہ ہم زمینی (Symbolic) کی رفاقت کی ایک شاعر مثال ہے یہ ایک ایسا عظیم ہے جسے اب فطرت کے عظیم کارناموں میں شمار کیا جائے لگا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے دانشورانہ عجائب کی الماری میں ایک ایسی مخلوق کو بھی سجائیں جو محض ایک کیزا ہے اور اس کے ساتھ اس کا دوست ایک درخت ہے تاکہ وہ ہمیں یہ بتاتے رہیں کہ ہم قدرت کے کمالات کے بارے میں کس قدر محدود علم رکھتے ہیں۔

میری فہرست پر چوتھا عجیب متعدی بیماری پھیلانے کا وسیلہ ایک وائرس ہے جس کو سکرپی وائرس (Scrapie Virus) کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بھیڑوں اور بکریوں میں ایک تباہ کن دماغی بیماری پھیلتی ہے اور اس سے تجربہ گاہوں کے جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس کا ایک قریبی رشتے کا بھائی سی ہے وائرس (Gru. Virus) ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات انسانوں میں صعیف العمری کا مینیا (Senile Dementia) پھیلتا ہے ال کو ایک بہت ہی مختار وجہ سے آہستہ کار (Slow) وائرس کہا جاتا ہے اگر کسی جانور کو آج یہ بیماری لگ جائے تو بیماری ظاہر ہونے میں ایک سال ڈیڑھ سال یا دو سال بھی لگ سکتے ہیں۔ یہ ایجنٹ Agent. یا وسیلہ خواہ کوئی بھی ہو اپنی افزائش بہت تیزی سے بڑھا سکتا ہے۔ اگر کسی سال صرف چند متعدی اکائیاں (Units) ہوں تو ایک برس کے اندر وہ کی لکھ ہو سکتے ہیں میں نے ابھی کوئی بھی ہونے کا تیم جلد استعمال کیا ہے یہ میں نے جان بوجھ کر کیا ہے ابھی تو کوئی بھی سی ہے وائرس کا دئی این سے یا آرمین سے دریافت نہیں کر سکا ہو سکتا ہے کہ وہ ہو چکیں کہ وہ ہے تو اس قدر چھوٹا ہے کہ اسے دریافت کرنا ہے حد مشکل ہے۔ مگر اس دوران میں نے تو بے شمار ہیں جو اس طرف رضائی کرتے ہیں کہ وائرس ممکن ہے تمام کا تمام پروٹین ہی ہو مگر جہاں تک ہم جانتے ہیں پروٹین کی پرمیٹنا پٹی پر کتنی بھی نقل (Replication) حو نہیں کر سکتی کم از کم اس سیال سے پر نہیں جہاں ہم اس وقت زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر اس انداز سے دیکھا جائے تو سکارپی وائرس حیاتیات کے اندر دنیا کی مضبوط ترین شے ہے اور ممکن ہے کہ تجربہ گاہوں میں کوئی کام کرے والا کل کلاس سے جدید دنیا کے کچا بات میں سے ایک ہونے کا امیدوار ظاہر کر دے۔

میر پانچواں عجیب قوت شامہ کا "عده خلیہ" (Olfactory Receptor Cell) ہے دو ناک کے اندر خاصی چٹکی جگہ پر صلی یا Epithelial Tissue کے اندر ہوتا ہے اور ہو کر سونگھا ہے تاکہ ارد گرد کے ہارے میں معلومات حاصل ہو نہیں دوستوں کی خوشبو پتوں کی مہک ناشتے کے دقت رات کے وقت سوئے کے دقت چلنے کی ٹو کسی گلاب کی خوشبو کہتے تو یہ بھی ہیں کہ قدیس کی بھی ایک خوشبو ہوتی ہے دو غلیہ جو یہ سگی کچھ کرتا ہے دماغ کے حقیق ترین حصے میں اپنے پیغامات بھیجتا ہے اور یوں وہ یادداشتوں کے سلسلے میں ایک کے بعد دوسرے کو بیدار کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ پنے طور پر بھی باقاعدہ دماغ کا غلیہ ہے ایک تحقیق

شعہ عودانہ یا عصبہ (Nueron) جس کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے مگر دماغ سے میوں دور
کھلی ہو میں اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی رہا کو سونگتا پھرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ اپنی حیات
کو کیسے سمجھ پاتا ہے مثلاً وہ چینی اور غیر چینی میں تمیز کیسے کرتا ہے اور یہ تمیز بالکل یقینی بھی
ہوتی ہے۔ یہ ایک گہرا عصبیاتی حیاتیاتی رہنے کی سال کو حیران کرے کے لیے کافی تھا
مگر اس کے علاوہ کچھ اور بھی سے دماغی حلیوں کی آبادی ریزہ کی ہڈی میں موجود مرکزی
ظ کے برعکس کچھ اور خواص رکھتی ہے ۲۲ پندرہ ہفتوں کے بعد اپنے آپ کو تبدیل کر لیتی ہے
نئے بیگار ہاں سر جاتے ہیں اور ان کی جگہ بالکل نئے خلیے لے لیتے ہیں اور ان کی تاریں
میوں پیچھے دماغ کے اندر تک ہوتا جاتی ہیں مگر اس کے باوجود سونگے اور یاد رکھنے کی
مصداقیت ویسے ہی قائم رہتی ہے ہم سب تک در کیسے ان خلیوں کے تفاعل (Function) کو
سمجھتے اور ان تک رسائی حاصل کرے سے قابل ہوں گے؟ پھر ان کے ساتھ موڈ اور وقت
واقعات کا بھی تعلق ہے خیال سے کہ ہمیں ان کے بارے میں مستقبل میں کچھ معلومات
حاصل ہو جائیں گی ابھی تو ہم اس تمہیم سے کمزور ہیں۔

میری فہرست میں چھٹا عجوبہ کیا ہے؟ میں اس کے بارے میں کچھ سمجھنے سے ہنگامتا ہوں
کیونکہ وہ بھی ایک مکوز (Insect) ہی ہے یعنی دیمک (Termite)۔ اس بار اکیلا کھڑا جو یہ نہیں
ہے بلکہ سب باہجہ۔ ایک اجتماع ہے ایک فرد کے بارے میں کوئی شے جو یہ نہیں ہے اکیلا تو
وہ محض ریمک کا کیز ہے۔ اصل میں کوئی ایسی شے موجود ہی نہیں ہے جسے تفاعل کے طور پر
ایک دیمک کا کیز کہا جائے در اگر خود کریں تو کسی سے تباہ انسان کا تصور ہی ممکن نہیں ہے
جو واقعی تباہ ہو کر دیمک کے دو تین کیز سے بھی کسی رتن میں رکھ دے جائیں تو وہ بھی کچھ
نہیں ہیں وہ گھومیں گے اور یک دوسرے کو چھوڑ کر دیکھیں گے در وہ بھی گھبراہٹ کے
ساتھ لیکن ان سے ہوگا کچھ نہیں۔ پھر آپ ان کی تعداد بڑھاتے چلے جائیں بڑھاتے چلے
جائیں جب وہ خاصی تعداد میں جمع ہو جائیں گے پھر ایک معجزے کا آغاز ہوگا۔ ہوں گے کا
جیسے چائیک ال ہو کوئی جبریل مئی ہے وہ حوا کو کوئی پلٹن (Platoons) میں منظم کریں گے وہ
مناسبہ اوچائی کا گولہ (Pellets) بنائیں گے در پھر اس کے اوپر عمر میں بنا کر ستونوں کی عدد
سے ان کو جوڑ دیں گے اور ہوں ایک گرہ بناد ہو جائے گا پھر اس کے حجرے بن جائیں گے
اور ان میں یہ آبادی دیں جس تک رہنے کا سامان کر لے گی۔ یہ عداوت بر لحاظ سے

ایئر کنڈیشنڈ (Air Conditioned) ہوتا ہے اور اس میں نمی بھی کنٹروں کی جاتی ہے یہ کرے کے یہ وہ جو حین کے اندر موجود کیمیائی بلو پوسٹ کو استعمال کرتے ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں مگر ان کا کام نقص کے بغیر ہوتا ہے۔ وہ انفرادی کمروں کا ایک انڈیا ہاؤس نہیں ہوتے۔ اگرچہ وہ یہاں ہی لگتے ہیں۔ دو نامائے (Organisms) ہیں۔ ایک سوچے سمجھے والا غور کرے والا دماغ جس کی اکھوں ناٹھیں ہوتی ہیں اس کی چر کے ہا سے میں ہم حقیقی طور پر اس میں جاتے ہیں کہ وہ کیمیائی اشاروں کے ساتھ تغیراتی اور انجینئرنگ کا کام کرتے ہیں اور یہ طریقہ تنہائی پر مبنی ہے۔

جدید دنیا کا ساقاں جھوٹا انسان کا بچہ ہے کوئی بھی بچہ میں حیران ہوا کرتا تھا بچے کے سلیس میں اور اس ارتقا کے متعلق جو ہماری نوع میں ہوا ہے۔ یہ مجھے بہت بڑی شاہ خرچی لگتی تھی کہ تمام توانائی کو ایک بے عرصے کے بے غیر محفوظ اور پناہ دماغ۔ کر سکنے وال رکھا جاتا ہے اور پھر اس کا کوئی جواز بھی نہیں ہے حیاتیاتی اصطلاحوں میں یہ ایک طرح سمجھری ہے۔ بچے کی ایک طویل غیر لڑے دار۔ خوش ہے پھر میں یہ بھی سوچتا تھا کہ یہ انسان کی پاری مدنی کا پھٹا ہوا ہے۔ ہمارے ارتقا سے اس کے ہا سے میں حقیقت میں نہیں کی ہم نے کی طرح جھانگ لگا رہے ہیں سے جوشت کی طرف کیوں نہیں چلے گئے کیونکہ میرے خیال کے مطابق زندگی کا اصل حوالہ اسی میں تھا۔ مگر میں زبان کو فراموش کر گیا تھا یہ کبھی انسان خصوصیت اسکی ہے جو ہمیں گنج محسوس میں انسانی شرف عطا کرتی ہے اور ہمیں اس قابل بناتی ہے کہ ہم حیاتیاتی طور پر اور سماجی طور پر زمین کی تمام مخلوقات میں فعال ترین ہوں اور معاشرتی کوڑے سے بھی ہمیں زیادہ باہم اشتراک رکھتے ہوں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے پر انحصار بھی کرتے ہوں۔ میں یہ بھول گیا تھا اور مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ بچے بچوں کے دوران میں کچھ کرتے ہیں۔ بچوں تو رہاں سمجھنے کے لیے ہوتا ہے۔

یہ (یعنی بچہ بھی) ایک اور مخلوق ہے جس سے ہمارا رشتہ تو ہے مگر وہ ہم سے مختلف ہے کوئی بھی شے کسی کمال کی نہیں ہے جیسا کہ انسانی بچہ ہے کوئی شے کسی بڑے امید بھی نہیں ہے جس کے بارے میں دن دست پریشان ہوا جائے۔ یہ ہم ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک اجتماعی کیفیت بناتے ہیں اور گروہ تشکیل دیتے ہیں ابھی تک تو ہم سے

صرف یہ سمجھا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے کس طرح معید ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم چھوٹے چھوٹے گروہوں میں ہوں۔ قاعدوں میں دوستوں کے حلقے میں درگھی کبھی کبھی وقت بھی جب ہم کسی کشتی کے ارکان ہوں، ایک دوسرے کے لیے مفید ہونے کی شدید خواہش ہمارے دھن میں موجود ہے، مگر جب ہم بہت زیادہ تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں جیسا کہ جدید زمانہ کی قومی ریاست میں ہوتا ہے تو ہم بے وقوفی کی حد تک تخریب ذات کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ خوبی پوری تیر میں سوائے انسان کے کہیں اور نہیں پائی جاتی۔

ایک نوع کے طور پر ہتھیار کی شکل میں ہم ابھی بچپن کی حالت میں ہیں، بہت زیادہ طفولیت اور لوجی کی حالت میں۔ چنانچہ ہم بھروسے کے قابل نہیں ہیں، ہم زمین کے نیک کنارے سے دوسرے کنارے تک صرف چند ہزار برس میں پھیل گئے ہیں، چند ہزار برس ارتقا کی گھڑی کے حساب سے بہت ہی کم وقت ہے، ہم نے اپنے سیارے کے ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے جو ہائیل کے قابل ہیں، زندگی کی باقی تمام صورتوں کا جینا ہم سے دو بھر کر دیا ہے اور اب ہم خود اپنے لیے بھی خطرہ بن گئے ہیں۔ ایک نوع کے طور پر ابھی ہمیں زندگی گزارنے کے مسئلے میں بہت چوم بیٹھنا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اب ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ اس لیے ہم وقتی طور پر اور صرف وقتی طور پر ہی ایک عجوبہ ہیں۔

اور اب میری فہرست کا پہلا جگہ جس کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ میں بعد میں بات کروں گا۔ شاید اس لیے بھی کہ دو میری فہرست پر جدید دنیا کا اولین جگہ ہے۔ اس کا نام ویسے کے لیے آپ کو دینا کی تعریف، پھر سے متعین کرنا پڑے گی کیونکہ اس سے دینا کو سب حدودوں کے مقابلے میں بے حد نازک انعام بنا دیا ہے اور اس کی تعریف پھر سے متعین کر لی ہے، ہم نے اس جگہ کا نام جس میں ہم رہتے ہیں بہت پہلے ورلڈ (World) رکھا تھا، اور انڈو-یورپین حواے سے اس کا وضع Wiroa ہے جس کا مطلب ہے آدمی یا انسان۔ اب ہم پوری کائنات میں رہتے ہیں جو یک پیمانی، ہولی جیومیٹری (Geometry) کا ایک دم بخو کر اپنے دلائل سے ہمارے گروہوں میں مقدس شمس نظام ہے جس میں بعد و بدیم ہم زندگی پھیل رہے ہیں اور شاید ہم اس سے مدد نکالنے کی طرف چل پڑیں۔ وہ تمام جرائم عقلی جو ہماری رسائی میں ہیں یا جہاں تک ہم دیکھ سکتے ہیں سب سے جہت انگیز شاندار اور پر سرار ہمارا پنا سیارہ ہے یعنی زمین، کہیں بھی کوئی شے ایسی نہیں جس کا

مقابلہ اس سے ہو سکے تاہم ابھی تک تو صورت حال یہی ہے۔

یہ زندگی کا ایک نظام ہے یہ ایک بہت بڑا نامیہ (Orgniam) ہے، ابھی اس کی نشوونما جاری ہے یہ اپنے اندر باقاعدگی پیدا کر رہا ہے، وہ اپنی آنکھیں خود بناتا ہے اپنا درجہ حرارت خود قائم رکھتا ہے اپنے تمام لامتناہی اجزاء کا تعلق اپنے ساتھ اور آپس میں قائم رکھتا ہے اور اس میں ہم بھی شامل ہیں یہ تمام مقامات سے کہیں زیادہ عجیب و غریب جگہ ہے اور یہاں جو کچھ بھی ہے اس قابل ہے کہ اسے جانا جائے۔ یہ مقام ہمیں بیدار رکھ سکتا ہے، ہمیں ایسے سوال اٹھانے پر اکساتا ہے، جو ہزار برس آگے کے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہم انہیں نہیں اور اسے تباہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ہماری عظیم توقع بطور ایک نوجوان نوع یہ ہے کہ تھوڑی دیر تک ہم زبان میں فکر کریں پھر یہ کہیں اور پھر سے نشوونما پائیں۔

ہم معاشرتی کیڑے مکوڑوں کی طرح نہیں ہیں، وہ کام کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ جانتے ہیں اور وہ ہمیشہ ایسا ہی کریں گے، ان کو بتایا ہی ایسا گیا ہے ہم کچھ اور طرح کے بنے ہوئے ہیں ہم کوئی ثنائی ضابطہ (Binary Code) نہیں رکھتے ہمارے پاس انتخاب ہی انتخاب ہے ہم چار راستوں پر بیک وقت جاسکتے ہیں، اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہوا کس طرف کی ہے جا نہیں نہ جائیں، پھر سوچتے ہیں۔ مگر کیا ہے ایک بار کوشش کر کے تو کچھ لیں ہمیں ایک حیرت کے بعد دوسری حیرت کا سامنا ہوتا ہے، اگر ہم یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں تو ہم زعمہ رہتے ہیں۔ ہم انسان معاشرے کے لیے ایسے ڈھانچے بھی بنا سکتے ہیں جو پہلے کسی نے دیکھے بھی نہ ہوں، ایسے خیال جو کبھی سوچے نہ گئے ہوں اسکا مستقبل جو کبھی سنی نہ گئی ہو۔

شرط یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو خود قتل نہ کرویں بشرطیکہ ہم مچھڑوں کے رشتے قائم رکھیں اور احترام کے رشتے بھی مجھے یقین کہ ہمارے جنین میں یہ رجحان بھی موجود ہے اس کا کوئی اہم نہیں کہ ہم اس سیارے کی فلاح یا خرابی کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتے۔

اپنے ارتقا کی ابتدائی منزل میں پھر دودھ پینے کی عمر سے بچپن تک، اور اگر قسمت نے ساتھ دیا تو بلوغت تک ہماری نوع کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ سادہ لفظوں میں مستقبل ہے۔ یعنی ہمیں ایک بہتر مستقبل کی ضرورت ہے۔

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashaalBooks.org